قرآن حکیم کی جمال آراء اور حکمت افروز تفسیر

تبصرہ

جلد سوم

(سورۂ آل عمران)

سید ریاض حسین شاہ

تھری میم سیرت فاؤنڈیشن دروالا، اسلام آباد

تبصرہ
جلد سوم
(سورۂ آل عمران)
سید ریاض حسین شاہ

تَبۡصِرَةً وَّذِكۡرٰى لِكُلِّ عَبۡدٍ مُّنِيۡبٍ

تبصرہ

قرآن حکیم کی جمال آراء اور حکمت افروز تفسیر

جلد سوم

(سورۂ آل عمران)

سید ریاض حسین شاہ

three meem foundation

تھری میم سیرت فاؤنڈیشن درواہ، اسلام آباد

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	.....	تبصرہ جلد سوم (سورۂ آل عمران)
ترجمہ وتفسیر	.....	سید ریاض حسین شاہ
اشاعت اوّل	.....	دسمبر 2018ء
اشاعت دوم	.....	
ہدیہ	.....	
اہتمام خصوصی	.....	ڈاکٹر محمد طارق (مانچسٹر)
ناشر	.....	تھری میم سیرت فاؤنڈیشن

درواله، اسلام آباد
042-35838038
0322-4301986

بسم الله الرحمن الرحيم

مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّم دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

سورۂ اٰل عمران

روحانیوں کا یہ راز نامہ

حسنِ صدق کو آشکار کرنے والے

رسول پر مدنی زندگی میں نازل ہوا

اس کی آیات دوسو ہیں

سورۂ آل عمران

سورۂ آل عمران کا تعارف لکھنے سے پہلے ایک خاص روحانی عریضہ اہلِ محبت کی نذر کرنا چاہوں گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (1):

ماوددت ان احدًا ولدتنی امہ الّا جعفر بن ابی طالب

''میں نے کسی ایک کے بارے میں کبھی یہ خواہش نہیں کی کہ اس کی ماں کاش مجھے بھی جنم دے دیتی سوائے جعفر بن ابی طالب کے یعنی کاش میں علی کا بھائی ہوتا

آپ فرماتے ہیں:

ایک دن میں بھوکا تھا اور کھانے کی غرض سے میں جعفر کے پیچھے پیچھے ہو گیا۔ آپ گھر پہنچے تو سوائے ایک گھی کی زنبیل کے جو چمڑے کی بنی تھی کچھ نہ پایا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اُسے ہمارے سامنے نچوڑ دیا، ہم اس میں سے گھی اور کھجور کا شیرہ چوسنے لگ گئے پھر آپ فرمانے لگ گئے:

ما کلف اللہ نفسا فوق طاقتھا و لا تجو دید الا بما تجد

اللہ نے کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی اور کوئی ہاتھ اس سے زیادہ سخی نہیں ہوتا مگر جتنا اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے''۔

سورۂ آل عمران خاندان رسالت مآب کی روحانی سخاوتوں کا قصہ بھی ہے اور کئی معنوں میں عمران نامہ بھی ہے۔ میرے لفظوں کو مبالغہ تصور نہ کیا جائے، مباہلہ کی حقیقتوں کا مطالعہ اسی سورت کا منظر نامہ ہے۔ سورہ کی تراسی آیات اسی ماحول میں نازل ہوئیں جب اہلِ بیت کا قافلہ مباہلہ کے لیے میدان میں نکلا۔

سورت کا تاریخی دروبست

سورہ ان مخلص طالبین کے لیے مکمل رہنمائی فراہم کرتی ہے جو مقدس، معنبر اور پاکیزہ ماحول کی تلاش میں روحانی سفر شروع کرتے ہیں۔ ان کی راہوں میں وہ سارے احوال پیش آتے ہیں جو بدر کے پیالہ نما میدان سے شروع ہو کر وادیٔ احد تک جا پہنچتے ہیں۔ اس عرصہ میں بنو قینقاع سے بھی آمنا سامنا ہوتا ہے۔ منافقین بھی پَر پُرزے کھولتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ سورت میں قبا پر بھی نظر پڑتی ہے۔ نجران اور دیگر ممالک سے آتے جاتے قافلوں سے بھی ملاقات ہوتی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ سورت کی توجہ تاریخ کی تسخیر یا اس کے دروبست پر نہیں رہتی بلکہ سورت مصلحانہ کردار ادا کرتی نظر آتی ہے۔ امہات المؤمنین، فاطمۃ الزہرا کا کا شانہ، حضرت علی اور حسن و حسین کی اہمیت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تربیت سورج کی روشن کرنوں کی طرح جہانِ مفہوم و معنیٰ کے ذرّہ ذرّہ میں جذب ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ سوچوں کا معیار بلند اور رفیع کر دیا جاتا ہے۔ ہر بات میں نیوکلیس اور مرکز رسولِ معظم کی ذات رہتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مریم، عیسیٰ اور زکریا علیہم السلام سے بھی تاریخی ملاقاتیں ہوتی ہیں لیکن قرآن کا اصل ہدف قیامت تک آنے والے انسانوں کی فکری، عملی اور روحانی تربیت رہتی ہے۔ زور الِ عمران کے ایک تازہ، شگفتہ اور قابل عمل وژن پر رہتا ہے۔

مذاہب کے لیے پیغام تجدید

ہلال جس طرح ایک دن بدر منیر بن جاتا ہے یہ اُس کی کاملیت اور اکملیت کی دلیل ہوتی ہے۔ اسلام سے پہلے جتنے مذاہب گزرے بعض ان میں سے آسمانی مذاہب ہونے کا اعزاز رکھتے تھے اور بعض ذہن تراشیدہ ہونے کی بنا پر بے رنگ اور بے اثر ہونے کی تاریخ پر ختم ہو چکے تھے۔ سورۂ ال عمران نے ماضی کی تاریخ میں سے ہر جھوٹی بات کی تکذیب کی اور ہر سچائی کی تصدیق کی اور اسلام کے دین ہونے کا اعلان کر دیا اور یہ اعلان کسی جہت سے مخفی نہیں تھا بلکہ اپنی اصولیت کی بنا پر واشگاف تھا۔ سورہ کی روشنی میں اسلام کا مطالعہ دلچسپ بھی ہے اور ضروری بھی ہے۔ دین کی کوئی ایسی اساسی تعلیم نہیں ہے جس کی وضاحت سورۂ ال عمران میں نہ ہو۔ اسلام کو اپنی شناخت عام کرنے کے لیے کوئی دقّت اس لیے نہیں ہوتی کہ اس کی وکالت، تشریح اور اظہار کے لیے قرآن حکیم ایک زندہ کتاب موجود ہے جس کی ہدایات زندگی کے ہر موڑ پر نفع بخش نظر آتی ہیں۔ آج بھی قرآنی تعلیمات کی روحانی تاثیر کے اعجاز سے فعال معاشرہ تخلیق کیا جا سکتا ہے۔ دورِ حاضر میں

رہنمائی کی جتنی جہتیں انسانی معاشرے کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہیں وہ قرآن حکیم میں موجود ہیں اور خاص کر سورۂ ال عمران کا روحانی مطالعہ بے حد مفید ہے۔ سورت کی تیس (30) آیات میں جو معاشرت سکھائی گئی ہے، وہ جدید دنیا میں کارآمد نسخہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جنہیں ہم آیت در آیت سیکھنے کی سعی کریں گے۔

سورۂ ال عمران اور تصورِ اُمت

یہ سورت عظیمہ حضور ﷺ کی محبت کے سمندر میں ڈوبے ہوئے سالکین، طالبین، عاشقین اور عاملین کو ایک اُمت، ایک جماعت اور ایک با مقصد گروہ قرار دیتی ہے جو اسلام اور ایمان ہی کی روشنی میں منزل کی طرف بڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔ قرآن کی روشن آیات کے دبستان میں جو جماعت تشکیل پاتی ہے اُسے دشمنوں کو برتنا بھی آتا ہے اور وہ دوستوں کے ساتھ بھی رواں دواں رہتی ہے۔ ایسی اُمت جو ''نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا'' اپنا روحانی فریضہ تصور کرتی ہے اور اُسے اپنی خواہشات رذیلہ کو جلانا دبانا بھی آتا ہے، وہ تزکیہ کے لیے ہمہ دم حضور ﷺ کے قدموں میں سانسیں لیتی ہے، یہیں سے اُسے تازہ زندگی اور شگفتہ حیات میسر آجاتی ہے۔

قرآن میں قرآن رنگوں کی برسات

سورۂ ال عمران کا وہ حصہ روحانی مقناطیست سے محکم ہو کر ایک نورانی رسی بن کر پوری اُمت کو مربوط کر لیتا ہے جس میں کہا جاتا ہے ''اور اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو'' یہ رسی قرآن حکیم ہے۔ یہ مجاز میں حقیقت اور حقیقت میں مجاز کے جاذبِ نظر رنگ افق تا افق بکھیر دیتا ہے۔ فرقہ واریت کی مسموم فضا قرآنی آواز سے دہل جاتی ہے۔ اُمت کے رگ و پے میں اتحاد کی بجلیاں متحرک ہو جاتی ہیں۔ یہاں قرآن قافلۂ انسانیت کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر اُسے ظلمتوں سے بچا کر روشنیوں میں قدم زن ہونے کا حوصلہ دیتا ہے، یہاں پہنچ کر قرآن کی اس سورت کا مطالعہ دھنک رنگوں کی طرح ہدایت کو متعین کر دیتا ہے اور پھر قاریٔ قرآن محسوس کرتا ہے کہ اس کا سب کچھ قرآن میں ہے، اس کے لیے قرآن سے باہر کچھ بھی نہیں، یہاں اس کی کوشش اُسے لفظوں کا حافظ بنا سکے یا نہ بنا سکے، قرآنی مغالیت، عملیت، تحریکیت، مقصدیت اور روحانیت کا حافظ بنا دیتی ہے۔ یہ حافظ صاحب بہت میٹھے، لذیذ اور پیارے ہوتے ہیں، اس لیے کہ قرآن ان کے قالب میں آکر ستاروں کی طرح چمکنے لگ جاتا ہے اور کستوری کی طرح خوشبوؤں سے زندگی کو معطر کر دیتا ہے۔ قرآن کے ماحول

میں مشکلوں کی دھوپ سائے ایسی ٹھنڈک رکھتی ہے اور فاقوں کا جمود شعلۂ آتش کی طرح تپش بانٹتا ہے۔

حسن نظر بھی اور حسن تشخص بھی

قرآن مجید کی یہ سورت ایک مرکزی، جمالیاتی اور روشنی میں ڈوبا ہوا عنوان چھیڑتی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر جمیل اس سورت کا اصل جلوہ ہے۔ محبوب آپ فرما دو! ''اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا''۔ یہ آیت عمل بھی ہے اور جزا بھی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت ہمہ جہت تھی، آپ بابا بھی تھے اور بیٹے بھی تھے، آپ شوہر بھی تھے اور بھائی بھی تھے۔ کاسب معدوم بھی اور فرماں روا بھی تھے، آپ فوجوں کے سالار بھی رہے اور کامیاب تاجر ہونے کی تاریخ بھی چھوڑی، آپ مطیع بھی تھے اور مطاع بھی تھے، خطابت کا آپ اعزاز بھی تھے اور مصلح ہونے کی شہادت بھی آپ نے پائی تھی، قسم اللہ کی آپ صورت بھی تھے اور آئینہ بھی، آپ کی سیرت کے رنگ اور جلوے تنوع رکھتے ہیں لیکن سورۂ ال عمران میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے جو پھول نظر آتے ہیں ان کی خوشبو اسی سورت کی کیاریوں سے پائی جاسکتی ہے صلو اعلیہ و الہ۔

کہا جاسکتا ہے کہ سورۂ ال عمران سیرت مصطفوی کا شاداب گلستان ہے۔

جہاد کی اذانیں گونجتی ہیں

سورۂ ال عمران کا وہ حصہ جس میں غزوۂ بدر سے لے کر غزوۂ اُحد تک کے حالات بیان ہوئے وہ تابندگی اور عزائم کا خروش رکھتے ہیں۔ لگتا ہے قیامت تک کے لیے سورت میں جہاد کی اذانیں گونج رہی ہیں۔ الفاظ میں ہنگامہ خیزیوں کا نوٹس پوری طرح لیا گیا ہے۔ مدینہ شریف کی پُرنور اور پُرامن بستی میں محسوس ہوتا ہے تمام مسلمانوں نے کفن پہن لیے ہیں اور عملی طور پر مسلمانوں کا ہر فرد جہاد میں شریک ہو چکا ہے اور کچھ روحیں اُحد پر کھڑی مجاہدین کی تصویریں بنا رہی ہیں، ایسی تصویریں جن میں دوست اور دشمن سب نمایاں نظر آرہے ہیں۔ اس ماحول میں قرآن کا نزول محسوس ہوتا ہے کفر اور باطل کی ہر شئی کو پاش پاش کر رہا ہے اور قرآن مجید میں جہاد اور دعوت، تبلیغ اور احوال اُمت ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں لیکن یہ بات قطعی ہے کہ سورۂ بقرہ اور سورۂ ال عمران مدینہ کی ننھی سی ریاست کے لیے قانون تھیں، اس لیے ان سورتوں میں ریاست کے داخلی اور خارجی خدوخال نمایاں نظر آتے ہیں۔ اب ریاست نے منافقوں کے گرداگرد حصار

تنگ کرنا شروع کر دیا تھا، اس لیے قاریٔ قرآن یہ بھی محسوس کرے گا کہ اسلامی ریاست کے شہریوں کا تربیتی بندوبست بھرپور طریقے سے کیا جا رہا تھا۔

تربیت مقصودِ قرآن ہے

سورۂ ال عمران میں حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے قصے اگرچہ اعتقادی اور ایمانی ضرورتوں کے تحت بیان ہوئے ہیں لیکن واقعاتی منظر نامہ اتنا خوبصورت ہے کہ انسانی نشوونما، تربیت اور روحانی ارتقاء کی ہر ضرورت کو پورا کر رہا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام عبادت، ریاضت، محراب نشینی، حضرت مریم کی کرامات اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات اور ان سب کی تڑپتی دعائیں، شب بیداریاں اور نسبتوں کے ادراکات ''روحانی زندگی'' کے عمیق مسائل سے پردہ کشائی کرتے نظر آتے ہیں اور سورت پڑھنے والا شخص اچھی طرح محسوس کرنے لگ جاتا ہے کہ وہ قرآن کی تلاوت کر رہا ہے اور اسے یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ اُس کے اپنے اندر تبدیلی کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ یہ ساری باتیں سورت کے اختتام سے سمجھی جا سکتی ہیں۔ صبر کرو، مصابرہ کرو، تقویٰ پر کاربند ہو جاؤ اور رابطہ کرو۔ رابطہ کا لفظ گلاب کی پتیوں کی طرح تہہ بہ تہہ مضامین اور مفاہیم کا عکاس ہو کر قرآن پڑھنے والے کا روحانی بائی پاس کر دیتا ہے، اس لیے کہ رابطہ روحانی بھی ہوتا ہے، رابطہ ذہنی بھی ہوتا ہے اور رابطہ کا تعلق عملی زندگی سے بھی مربوط نظر آتا ہے اور رابطہ علم کے سارے پھولوں کا دستہ بن کر مضامین کی خوبصورت چمن بندی کرتا ہے، الغرض رابطہ مرابطہ کی یونیفارم پہن کر مجاہد اور عالم بن جاتا ہے جہاں تلواروں سے تلواریں بھی ٹکراتی ہیں اور علم پڑھانے کی چٹائیاں بھی بچھ جاتی ہیں اور رابطہ فقیر کی گدڑی پہن کر کبھی حرا اور کبھی ثور کا مسافر ہو جاتا ہے۔ سورۂ ال عمران کا اگر کوئی یک لفظی خلاصہ جاننا چاہے تو وہ ''رَابِطُوْا'' ہے۔

سورت کے فضائل

تفسیر قرطبی نے لکھا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی۔ رسول انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی روایت کرتے ہیں جس شخص نے جمعہ والے دن سورۂ ال عمران پڑھی تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سورج غروب ہونے تک ایسے شخص پر رحمتیں بھیجتے رہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس سورت کی فضیلت یوں بیان فرماتے تھے کہ جس شخص نے سورۂ ال عمران پڑھی وہ غنی ہے اور النسا پڑھنے والا خوبصورت اور تربیت یافتہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے:

''جس شخص نے سورۂ بقرہ، ال عمران اور النسا پڑھی وہ اللہ کے ہاں حکماء یعنی دانا لوگوں میں لکھ لیا جاتا ہے''۔

ابن ابی شیبہ کی روایت ہے

ایک شخص نے سورۂ بقرہ اور سورۂ ال عمران پڑھی، اس پر حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جس شخص نے یہ دو سورتیں پڑھی ہیں ان میں وہ اسم موجود ہے جس کو پڑھ کر دعا کی جائے تو دعا مستجاب ہوتی ہے''۔

قرطبی نے حضرت اسماء سے یہ روایت بھی نقل کی ہے:

''بے شک اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے ایک وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اور دوسری اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ''۔

سورۂ بقرہ اور ال عمران کو زہرا بھی اسی مناسبت سے کہتے ہیں۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ کی زبان نور سے اس سورت کی برکتیں نقل کی ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''قرآن پڑھو بے شک یہ قیامت کے دن پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا۔ دو سورتیں ہیں جن کے نام زہرا ہیں خصوصاً وہ پڑھو: ایک البقرہ ہے دوسری ال عمران ہے، انہیں پڑھو بے شک یہ دونوں بروز محشر اپنے تلاوت کرنے والے کے سر پر سائے کی طرح نمودار ہوں گی یا یوں سمجھو کہ صف بندی کر کے دو جماعتوں کی صورت میں تلاوت کرنے والوں کے سر

پر سایہ کیے ہوں گی اور یہ دونوں سورتیں پڑھنے والے کی بخشش کے لیے
ربّ تعالیٰ سے بحث برائے رحمت کریں گی۔ البقرہ پڑھو بے شک اس کا
پڑھنا برکت ہے، اسے چھوڑنا حسرت ہے اور اس پر جادوگروں کا جادو اثر
چھوڑنے کی طاقت نہیں رکھتا''۔

واللہ اعلم

الحمدللہ مدینہ شریف میں نازل ہونے والی اس سورت کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہرِ نور مدینہ ہی میں شروع ہوئی۔ ربیع النور کی پچیس تاریخ ہے، 1438ھ کا بابرکت سال ہے، نگاہوں کے سامنے گنبد خضریٰ ہے۔ دھوپ اور بادل باہم اٹکھیلیاں کر رہے ہیں۔ نسیم مدینہ کے جھونکے سکینہ کی کیفیت برسا رہے ہیں، لگتا ہے فرشتوں نے طوبیٰ درخت کی ٹہنیاں ہلا دی ہیں، میں نے جھولی پھیلا دی ہے۔ قارئین! تم بھی آغوشِ طلب پھیلا لو اور مانگو، میں بھی مانگتا ہوں، مولا رحمت کے پھول دے دے اور تفسیر آل عمران دے دے، اس کے اندر جو معانی کے موتی ہیں مجھے اور میرے قارئین کی جھولی میں ڈال دے اور میں سیہ کار کو اور پڑھنے والوں کو خاص کر میرے ماں باپ، آل اولاد اور مریدین سب کو مولا دے دے۔

❁❁❁❁❁

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓ ۙ﴿۱﴾
اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۙ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ؕ﴿۲﴾
نَزَّلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ وَ اَنۡزَلَ
التَّوۡرٰىۃَ وَ الۡاِنۡجِیۡلَ ۙ﴿۳﴾
مِنۡ قَبۡلُ ہُدًی لِّلنَّاسِ وَ اَنۡزَلَ الۡفُرۡقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ
اللّٰہِ لَہُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ؕ وَ اللّٰہُ عَزِیۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ﴿۴﴾
اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخۡفٰی عَلَیۡہِ شَیۡءٌ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ؕ﴿۵﴾

(1) الف لام میم
(2) اللہ کہ معبود کوئی ہے ہی نہیں سوائے اس کے وہ زندہ خود بخود سب کو قائم رکھنے والا
(3) اُسی نے آپ پر کتاب کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا حق کے ساتھ تصدیق کرنے والی اُس کی جو اُس سے پہلے ہے اور اسی نے نازل فرمائی تورات اور انجیل
(4) پہلے سے راہنمائی ہی راہنمائی لوگوں کے لیے اور اُسی نے نازل کیا امتیاز حق و باطل میں، بے شک وہ لوگ جو منکر ہوئے اللہ کی آیتوں کے ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے
(5) بے شک اللہ پر کوئی چیز بھی مخفی نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں

مفردات

الٓمّٓ: الف لام میم

الٓمّٓ ①

''الف لام میم''۔

طوبیٰ کی دوشاخیں

سورۂ بقرہ اور سورۂ ال عمران طوبیٰ کی دوشاخیں ہیں۔ عدد کے اعتبار سے دو ہیں لیکن خوشبو اور روشنی کے اعتبار سے ایک ہیں اس لیے دونوں کا آغاز حروف مقطعات ''الٓمّٓ'' سے ہو رہا ہے۔ یہ بات تسنیم تسلیم کی مستیوں میں ڈوبی ہوئی ہے کہ لطافت کلمات متکلم اور کلام کی شان سے وابستہ ہوتی ہے اور حروف کی معنویت محل کلام سے مربوط جانی جاتی ہے۔ وہ مفسرین جنہوں نے سورۂ ال عمران میں ''الٓمّٓ'' کا تکرار لفظی جانا ہے وہ کلام کی اصل لذت سے محروم رہے ہیں۔ گلاب کی ٹہنی پر سو پھول ہوں تو کہتے سب کو گلاب ہی ہیں لیکن عرق ورس اور حنوط و نوازش میں اتنا ہی فرق ہوتا ہے جتنا جنت کے درجوں میں فرق جانا گیا ہے۔

معنویت میں رمزیت کی مٹھاس

قرآن مجید کی کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں جن میں سے انتیس (29) کے شروع میں حروفِ مقطعات وارد ہوئے ہیں۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ حروف کی تعداد اٹھائیس (28) ہے جب کہ حروف مقطعات میں صرف چودہ (14) حروف لائے گئے ہیں۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ جس سورت سے پہلے جو حروف مقطعات لائے گئے ہیں پوری سورت میں الفاظ کی برجستگی اپنی جگہ حروف مستعملہ مقطعہ کے استعمال کا غلبہ ہے اور انہیں ایک روحانی ثمریت کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ وہ شخص جو تلاوت شروع کرتا ہے وہ حروف ادا کرنے کے ساتھ ہی اسی ذائقہ سے بہرہ مند کسی روحانی شخصیت سے وابستہ ہو جاتا ہے اور سورت اپنے مخصوص معانی دل میں القا کرنا شروع کر دیتی ہے۔ الف ایسا حرف ہے جو اسم باری سے مخصوص ہے اور میم ایسا حرف ہے جو مرشدِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے خاص ہے اور لام سورۂ بقرہ میں روحانی وسائل کے لیے اشارہ ہے اور سورۂ ال عمران میں للّٰہیت کے لیے لطیف رمز ہے۔

عرائس البیان کے لطائف روحانی

الف سے اللہ تعالیٰ کی اولیت، لام سے اس کے جلال و جمال اور میم سے اس کی محبت کی طرف اشارہ ہے۔ وہ محبت جو اُسے انبیاء اور اور اولیاء میں سے محبوبوں کے ساتھ ہے (2)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ الف سے مراد اللہ تعالیٰ کی فردانیت، لام سے مراد لطائف غیب اور میم سے مراد

مفردات

''مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' ہیں(3)۔

تیسرا اشارہ اس میں اس طرف کیا گیا ہے کہ الف سے مراد یہ ہے کہ اللہ ہر حال میں تیرے لیے کافی ہے۔ لام سے مراد وہ لطف ہے جو بندے کے ساتھ اللہ سر اور راز قائم کرنے میں فرماتا ہے اور میم سے مراد جتنے معلم اور مراشید روحانی ہوتے ہیں ان کے تقدیروں پر راضی ہونے کے ساتھ ہے(4)۔

بعض نے یہ لکھا ہے کہ الف احدیت کا ہے اور لام لطف کا اور میم ملک ہونے کا اشارہ ہے۔

روح البیان نے یہ لکھا کہ الف اللہ، لام لطیف اور میم منان ہونے کے لیے رمز ہے(5)۔

روح المعانی کی بات پسندیدہ ہے کہ حروف مقطعات اللہ اور اس کے رسول کے درمیان راز کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جن عارفین پر پسند فرماتا ہے یہ حقائق کھول دیتا ہے(6)۔

اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝

''اللہ کہ معبود کوئی ہے ہی نہیں سوائے اس کے وہ زندہ خود بخود سب کو قائم رکھنے والا''۔

اللّٰهُ: اللہ
لَآ: نہیں
اِلٰهَ: معبود
اِلَّا: مگر
هُوَ: وہی
الْحَيُّ: زندہ، زندگی نواز
الْقَيُّوْمُ: قائم رکھنے والا

اللہ کا اسم اعظم

مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اسمِ اعظم کے بارے میں پانچ روایات نقل کی ہیں:

- حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کا اسم اعظم تین سورتوں میں ہے، البقرہ، ال عمران اور سورۂ طٰہٰ۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت قاسم فرماتے تھے کہ میں نے تینوں سورتوں میں اسم اعظم تلاش کیا تو '' الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ '' کو تینوں سورتوں میں مشترک پایا، آیت الکرسی، ال عمران کا شروع اور سورۂ طٰہٰ کی آیت ''وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ''(7)۔
- دوسری روایت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت یونس علیہ السلام نے جو دعا مچھلی کے پیٹ میں فرمائی تھی وہ تھی ''لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان ان الفاظ کے ساتھ اللہ سے کوئی دعا مانگے گا تو اللہ اس کی دعا ضرور قبول فرمائے گا۔ مستدرک میں حاکم نے بھی روایت کیا کہ مندرجہ بالا الفاظ اللہ کا اسم اعظم ہیں جو ان کے ساتھ اللہ سے دعا مانگے گا اللہ ضرور قبول فرمائے گا اور جو بھی اللہ سے مانگا جائے گا اللہ اُسے عطا فرمائے گا(8)۔
- تیسری روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں بیٹھا تھا اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے دعا میں کہا:

''عَلَیْكَ'' میں نسبت حضور ﷺ کی طرف ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ ''عَلَیْكَ'' ظرف ہے اور ''الْکِتٰبَ''، ''مفعول بہ'' ہے۔ ظرف کو مفعول بہ پر مقدم کرنا، پھر آپ ﷺ کا اسم گرامی نقل کرنے کی بجائے ضمیر لانا پھر ''عَلَیْكَ'' کہا گیا ''الیک'' نہیں کہا گیا، یہ سب کچھ حضور ﷺ کی تعظیم اور رفعت شان بیان کرنے کے لیے ہے کہ محبوب اتنی بڑی، اہم اور فضیلت مآب کتاب صرف آپ پر نازل کی گئی اور آپ کے دل پر اس کا نزول ہوا یعنی آپ ہی اس شرف کے لائق تھے کوئی اور ایسی شان رکھنے والا موجود ہی نہ تھا (13)۔

عاجز، مسکین اور محتاج توجہ، طالب کا خیال ہے کہ اسلوب کی اس بداہت میں اتنا ہی نہیں کہ حضور ﷺ کی رفعت شان بیان ہوئی اس اسلوب نے معانی و مطالب کا اخذ کرنا آسان بھی بنایا اور اس میں تشویق بھی پیدا کی گویا کہا گیا محبوب! یہ عجالۂ نور یہ چونکہ آپ کے دل پر نازل ہوا اس لیے عشاق کے قافلے تیری خوشبو پا کر اس عظیم کتاب کے بھی گرویدہ ہوں گے۔

حق کیا ہے؟

- علامہ اسماعیل حقی نے لکھا کہ احکام میں عدل اور خبروں میں صدق کا پایا جانا حق ہوتا ہے (14)۔
- علامہ قرطبی نے لکھا کہ حق کا اساسی معنیٰ مطابقت اور موافقت ہوتا ہے۔ غالب دلیلوں کو بھی حق کہہ دیتے ہیں (15)۔
- علامہ راغب اصفہانی نے لکھا کہ حکمت کے تقاضوں کے عین موافق ایجاد کر دینا حقیقت اور تحقیق ہوتی ہے۔ اس معنیٰ کے مطابق اللہ حق ہے یعنی ہر چیز کا موجد ہے (16)۔
- ابن عاشور نے یہ بھی لکھا کہ کسی چیز کے واقع کے مطابق ہونے کا اعتقاد رکھنا حق ہے جیسے قیامت، عذاب، ثواب اور جنت جہنم کو حق جاننا (17)۔
- یہ بھی کہا گیا جو فعل یا قول جیسے واجب ہو اس کو اسی طرح کرنا، ماننا اور بروئے عمل جاننا۔

علامہ فخر الدین رازی اور حق

آیت میں ''الْحَقِّ'' سے مراد کیا ہو سکتی ہے؟

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ قرآن کے نزول کو ''بِالْحَقِّ'' کہا گیا ہے یہاں ''با'' مصاحبت کے لیے ہے۔ اس لحاظ سے معنوی مقاربت اور مصاحبت کی پانچ صورتیں ہو سکتی ہیں (18):

- پہلا معنیٰ: یہ ہے کہ جو اطلاعات پہلی اُمتوں کے بارے میں قرآن میں لائی گئی ہیں وہ سب حق ہیں یعنی ان میں صدق ہے۔

''عَلَیْكَ'' میں نسبت حضور ﷺ کی طرف ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ ''عَلَیْكَ'' ظرف ہے اور ''الْکِتٰبَ''، ''مفعول بہ'' ہے۔ ظرف کو مفعول بہ پر مقدم کرنا، پھر آپ ﷺ کا اسم گرامی نقل کرنے کی بجائے ضمیر لانا پھر ''عَلَیْكَ'' کہا گیا ''الیک'' نہیں کہا گیا، یہ سب کچھ حضور ﷺ کی تعظیم اور رفعت شان بیان کرنے کے لیے ہے کہ محبوب اتنی بڑی، اہم اور فضیلت مآب کتاب صرف آپ پر نازل کی گئی اور آپ کے دل پر اس کا نزول ہوا یعنی آپ ہی اس شرف کے لائق تھے کوئی اور ایسی شان رکھنے والا موجود ہی نہ تھا (13)۔

عاجز، مسکین اور محتاج توجہ، طالب کا خیال ہے کہ اسلوب کی اس بداہت میں اتنا ہی نہیں کہ حضور ﷺ کی رفعت شان بیان ہوئی اس اسلوب نے معانی و مطالب کا اخذ کرنا آسان بھی بنایا اور اس میں تشویق بھی پیدا کی گویا کہا گیا محبوب! یہ عجالۂ نور یہ چونکہ آپ کے دل پر نازل ہوا اس لیے عشاق کے قافلے تیری خوشبو پا کر اس عظیم کتاب کے بھی گرویدہ ہوں گے۔

حق کیا ہے؟

- علامہ اسماعیل حقی نے لکھا کہ احکام میں عدل اور خبروں میں صدق کا پایا جانا حق ہوتا ہے (14)۔
- علامہ قرطبی نے لکھا کہ حق کا اساسی معنیٰ مطابقت اور موافقت ہوتا ہے۔ غالب دلیلوں کو بھی حق کہہ دیتے ہیں (15)۔
- علامہ راغب اصفہانی نے لکھا کہ حکمت کے تقاضوں کے عین موافق ایجاد کر دینا حقیقت اور تحقیق ہوتی ہے۔ اس معنیٰ کے مطابق اللہ حق ہے یعنی ہر چیز کا موجد ہے (16)۔
- ابن عاشور نے یہ بھی لکھا کہ کسی چیز کے واقع کے مطابق ہونے کا اعتقاد رکھنا حق ہے جیسے قیامت، عذاب، ثواب اور جنت جہنم کو حق جاننا (17)۔
- یہ بھی کہا گیا جو فعل یا قول جیسے واجب ہو اس کو اسی طرح کرنا، ماننا اور بروئے عمل جاننا۔

علامہ فخر الدین رازی اور حق

آیت میں ''الْحَقِّ'' سے مراد کیا ہو سکتی ہے؟

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ قرآن کے نزول کو ''بِالْحَقِّ'' کہا گیا ہے یہاں ''با'' مصاحبت کے لیے ہے۔ اس لحاظ سے معنوی مقاربت اور مصاحبت کی پانچ صورتیں ہو سکتی ہیں (18):

- پہلا معنیٰ: یہ ہے کہ جو اطلاعات پہلی اُمتوں کے بارے میں قرآن میں لائی گئی ہیں وہ سب حق ہیں یعنی ان میں صدق ہے۔

- دوسری صورت: یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو وعدے اور وعید ہیں وہ انسان کو شوق دلاتے ہیں کہ وہ عقائد و اعمال میں طریق حق کو لازم پکڑیں اور طریق باطل اختیار کرنے سے رک جائیں۔
- تیسرا معنیٰ: حق کا معنیٰ فیصلہ کن قول ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ اس جانب کیا گیا ہے کہ جو بات کی گئی ہے وہ سنجیدہ ہے۔
- چوتھا معنیٰ: قرآن حکیم ایسے حق کے ساتھ نازل ہوا جو مخلوق پر واجب ہے۔
- پانچواں معنیٰ: نازل ہونے والی ہر بات کا کجی سے پاک ہونا ہے یعنی جو کچھ اترا وہ متخالف نہیں متوافق ہے، ایک دوسرے کو قوت دے رہا ہے۔

قرآن کا مصدّق ہونا

اس مختصر آیت میں جو قرآنی صفات بیان ہوئیں ان کی روشنی اور تفصیل ملاحظہ ہو:

- پہلے کہا گیا کہ قرآن آسمانی کتاب ہے یہ ذہنی تراشیدہ چیز نہیں۔
- پھر کہا گیا کہ اللہ نے اسے اتارا ہے جو حیّ و قیوم ہے۔
- تیسرا وصف یہ بیان کیا گیا کہ یہ قرآن حضرت محمد ﷺ کے دل پر اتارا گیا جسے اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی کدورتوں سے پاک بنایا ہے اور یاد رہنے کے اعتبار سے محفوظ اور محموم ہے۔
- چوتھی صفت یہ لائی گئی کہ یہ ''اَلْکِتٰبَ'' ہے یعنی اسے تحریری صورت میں بھی محفوظ کر دیا گیا ہے، یہاں تک کہ رسم الخط بھی وہی ہے جو حضور ﷺ نے باذنہ تعالیٰ عطا کیا۔
- پانچویں صفت قرآن کی یہ ہے کہ اس کا ہر بیان حق ہے، اس میں لکھنا تلاوت کرنا، محفوظ بنانا، یاد کرنا، یاد رکھنا، کھولنا اور وضوح و ایضاح سب حق ہے کوئی اسے تبدیل نہیں کر سکتا۔
- قرآن مجید کی چھٹی صفت اس کا مصدّق ہونا ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ قرآن پچھلے صحیفوں کی تمام صحیح تعلیمات کی تصدیق کرتا ہے۔ ہاں تردید صرف ان باتوں کی کرتا ہے جو ملاوٹ کرنے والوں نے ان میں ڈال دی ہیں۔ یہاں قرآن اور دوسرے آسمانی صحیفوں کی ہم آہنگی پر قرآن کی شہادت نقل کی جا رہی ہے اور کہا جا رہا ہے کہ یہ سب کتب ایک ہی آفتابِ حق کی شعاعیں ہیں۔ مصدق کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے صحیفوں میں جتنی پیشین گوئیاں ہیں وہ اگر سچی ہیں تو رسول اللہ ﷺ کے سینے پر نازل ہونے والی کتاب ان کی مصدّق ہے (19)۔

تورات کی لغوی اور تاریخی تحقیق

''التَّوۡرٰىةَ'' پر محققین نے اگرچہ بحث کرتے ہوئے یہی لکھا کہ یہ ''واؤ، را، یا'' کے مادہ سے ہے جس کا معنیٰ شریعت اور قانون ہوتا ہے (20) لیکن علامہ قرطبی کی تحقیق زیادہ پسندیدہ ہے، وہ لکھتے ہیں کہ تورات کا معنیٰ روشنی اور نور ہے۔ چقماق رگڑ سے جب آگ نکالے تو کہتے ہیں ''وری الزند'' جب کہ اس کی اصل ''تورَیَة'' ہے جس کا وزن ''تَفعَلَةٌ'' ہے۔ اس میں ''تا'' زائدہ ہے اور ''یا'' متحرک، اس کا ماقبل مفتوح ہے جسے ''الف'' سے بدل دیا گیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ''تفعِلة'' ہو۔ اس کے برعکس خلیل نے اسے حوقلہ کے وزن پر لکھا ہے۔ تیسری صورت یہ لکھی گئی ہے کہ یہ ''التورِیة'' سے ماخوذ ہے اس کا معنیٰ کسی مفہوم کو چھپا کر دوسرے مفہوم کا جامہ پہنا دینا ہوتا ہے۔ یہ مفہوم اس حقیقت سے متقارب نظر آتا ہے کہ تورات میں اشارات اور کنایات کثرت کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں (21)۔

لسانیات کے ماہرین نے تورات لفظ کو عبرانی، طبرانی یا سریانی مانا ہے (22)۔

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ تورات کا نزول حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوا۔ طور کی تاریخ اگر تورات کے ساتھ جوڑ دی جائے تو لفظی تحقیق جامع نظر آتی ہے جس میں تورات کا معنیٰ روشنی اور آگ جلانا لیا گیا ہے۔ تورات عہد نامہ عتیق کے مجموعہ کتب کے لیے استعمال ہوتا ہے اس کے پانچ حصے تسلیم کیے گئے ہیں:

1۔ سفر پیدائش
2۔ سفر خروج
3۔ سفر لاویان
4۔ سفر اعداد
5۔ اور سفر تثنیہ

ان کتب کے موضوعات یہ ہیں:

کائنات، انسان اور دیگر مخلوقات کی تخلیق موسیٰ علیہ السلام اور انبیاء کے واقعات اور بنی اسرائیل کی تاریخ اور مذہبی احکام کی تشریح (23)۔

یہ بات تاریخی لحاظ سے مسلّمہ ہے کہ حقیقی تورات مختلف ادوار میں فاتحین اور حملہ آوروں کی ظلم رانیوں کے نتیجہ میں ضائع ہوگئی۔ موجودہ صحیفے بخت نصر کے حملے کے پچاس سال بعد معرض تحریر میں

مفردات

''غیظ'' کیا ہوتا ہے؟ راغب اصفہانی المفردات میں لکھتے ہیں (412):

''شدید غضب کو ''غیظ'' کہتے ہیں۔ یہ ایک حرارت ہوتی ہے جو قلب کے اندر گردش لہو میں سرعت پیدا کرتی ہے۔ اس سے انسان غیر متوازن ہو جاتا ہے''۔

اس لفظ کے مطابق یہودی مسلمانوں پر اس قدر شدید غصہ کھانے والے لوگ ہیں گویا ان کے دلوں کی نسیں پھٹ جائیں۔

قرآن مجید نے اس آیت میں رحمت عالم ﷺ کی زبان سے کہلوایا:

''فرمایئے! تم اپنے غضب ہی میں مر جاؤ''۔

یہ دعائے ضرر ہے جو رحمت عالم ﷺ کی زبان پر جاری کی گئی۔ اس جملے کا یہ معنیٰ بھی کیا گیا ہے کہ وہ کبھی بھی وہ کچھ نہ پا سکیں جس کی وہ خواہش رکھتے ہیں، کہا گیا وہ وقت آنے سے پہلے ہی مر جاؤ (413)۔

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾

''اگر تمہیں بھلائی ذرا سی بھی حاصل ہو تو انہیں وہ بُری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی بُرائی پہنچ جائے تو اس سے وہ سارے ہی خوشیاں مناتے ہیں اور اگر تم نے صبر سے کام لیا اور تقویٰ اختیار کیے رکھا تو ان کا فریب تمہارا ذرہ بھر کچھ نہیں بگاڑ سکتا' بے شک اللہ جو بھی وہ کرتے ہیں اس کا احاطہ کرنے والا ہے''۔

''مس الشئی'' کا معنیٰ چھونا ہوتا ہے۔ اصطلاح میں کوئی اچھے مقصد کے لیے چھوئے یا بری نیت سے چھوئے، ''مس'' لفظ استعمال ہو جاتا ہے۔ ائمہ تفسیر نے لکھا کہ آیت میں بھلائی اور حسنہ کے لیے چھونا لفظ استعمال ہوا جبکہ بُرائی کے لیے اصابت کا مادہ استعمال ہوا، شاید اشارہ اس طرف ہو کہ اچھائی اور حسنہ اگر معمولی بھی ہو جو مسلمانوں کو صرف چھوئے وہ پوری طرح اس سے فیض یاب نہ ہوں، اسلام دشمن عناصر کو یہ بھی بُری لگتی ہے اور بُرائی کے معاملہ میں وہ مطمئن اسی صورت میں ہوتے ہیں جب مصیبت پوری طرح مسلمانوں کو گھیرے۔

''حَسَنَةٌ'' حسن کی صفت مشبہ ہے۔ ہر وہ شئی جو دل خوش کرنے والی ہو اور کشش رکھتی ہو ''حَسَنَةٌ'' کہلاتی ہے۔ آیت میں ''حَسَنَةٌ'' سے مراد اسلام کا پھیلنا، دشمن پر مسلمانوں کا غالب آنا

اِنْ: اگر
تَمْسَسْكُمْ: چھوئے تمہیں
حَسَنَةٌ: بھلائی
تَسُؤْهُمْ: بُری لگتی ہے انہیں
وَاِنْ: اور اگر
تُصِبْكُمْ: پہنچے تمہیں
سَيِّئَةٌ: بُرائی، تکلیف، اذیت
يَّفْرَحُوْا: وہ بہت خوش ہوتے ہیں
بِهَا: اس کی وجہ سے
وَاِنْ: اور اگر
تَصْبِرُوْا: تم ڈٹ جاؤ
وَتَتَّقُوْا: اور تقویٰ اختیار کیے رکھو
لَا يَضُرُّكُمْ: نہ نقصان دے گا
كَيْدُهُمْ: ان کا مکر اور دھوکا
شَيْـًٔا: ذرہ بھر
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
بِمَا: اس کو جو
يَعْمَلُوْنَ: وہ کرتے ہیں
مُحِيْطٌ: احاطہ کرنے والا ہے

مضامین رکھنے والی کتاب ہوگی۔قرطبی نے ''التناجل'' کا معنیٰ تنازع بھی لکھا ہے۔تلاطم خیزیاں ''التناجل'' کہلاتی ہیں۔دیکھا جائے تو اس کی اساس میں بھی کشادگی اور وسعت کا معنیٰ پایا جاتا ہے (28)۔''اناجیل'' کا لفظ قرآنی آیات کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔

معالم التنزیل میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دُعا فرمائی:

یا رب اری فی الالواح اقواماً انا جیلھم فی صدورھم فاجعلھم امتی۔

''اے میرے ربّ میں نے تختیوں میں کئی اقوام دیکھ لی ہیں۔یا اللہ! وہ لوگ جن کی اناجیل ان کے سینوں میں ہیں انہیں میری اُمت بنادے

اس پر اللہ موسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا:

''تلک امۃ احمد، یہ احمد نبی کی اُمت ہے''۔

یہاں بعضوں نے اکلیل انجیل کی جگہ پڑھا ہے(29)۔

زمخشری نے الکشاف میں لکھا کہ تورات اور انجیل دونوں عجمی زبانوں کے الفاظ ہیں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواری عبرانی زبان بولتے تھے۔اس زبان کی اصل بھی مغربی آرامی تھی جو یونانی سے قریب قریب تھی۔ان زبانوں میں انجیل کا معنیٰ بشارت ہوتا ہے۔اس عجالہ کا نام انجیل رکھا ہی اس لیے گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت اپنے اُمتیوں کو سنائی تھی (30)۔

اب کہا جا سکتا ہے کہ انجیل سے مراد وہ تعلیمات ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کے قلب منیر کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔مسیحی نقطۂ نظر سے چار کتابوں کے مجموعے کا نام انجیل ہے(31):

1۔ **انجیل متیٰ**: یہ کتاب عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے تیس سال بعد یروشلم میں عبرانی زبان کے اندر مرتب ہوئی، بعدازاں اسے یونانی کے قالب میں ڈھال دیا گیا۔

2۔ **انجیل لوقا**: لوقا حواری نہ تھا بلکہ اس نے نصرانیت بولس سے سیکھی۔اصل میں یہ متعصب یہودی تھا، یہ پہلے نصرانیوں کو اذیّت دیتا تھا بعدازاں مذہب بدل کر خادم عیسائیت بن گیا۔

3۔ **انجیل مرقس**: یہ کتاب عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے 66 سال بعد مرتب ہوئی۔مرقس پطرس کا شاگرد تھا یہ خود حواری نہیں تھا۔

4۔ **انجیل یوحنا**: یہ کتاب عیسیٰ علیہ السلام کے 60 سال بعد مرتب ہوئی۔

انجیل برنباس کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اصل انجیل کو ان کتب میں سمو دیا گیا۔ اصل میں عیسیٰ علیہ السلام کے خطبات اور سیرت کو الوہی نسخہ میں ملا دیا گیا اس قدر زیادہ تغیّر و تبدّل ہوا۔ اسی کو عہد نامہ جدید کہا جاتا ہے۔ بائبل بھی یہی ہے اس کا معنیٰ مجموعہ کتب ہوتا ہے (32)

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝

''پہلے سے راہنمائی ہی راہنمائی لوگوں کے لیے اور اُسی نے نازل کیا امتیاز حق و باطل میں، بے شک وہ لوگ جو منکر ہوئے اللہ کی آیتوں کے ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے''۔

سورۂ آل عمران کی چوتھی آیت قرآن مجید کی صفات اور اوصاف بیان کرتے ہوئے صاف اعلان کرتی ہے کہ جس طرح پہلی کتابیں قرآن سے پہلے ہدایت کے سرچشمے تھے اب قرآن مجید بھی وہی نور ہدایت لے کر اترا ہے۔ اس کتاب سے دور رہنا نور، روشنی، خوشبو، حقیقت اور اسلوبی اور روحانی دعوت سے دور رہنا ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں اب یہ قرآن جیسے خود فرقان بن کر نازل ہوا ہے اس کے ساتھ حق اور باطل کے درمیان محکم فیصلے اور بیّن دلیلیں بھی اتری ہیں۔ قرآن مجید کو فرقان کہنے سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہود و نصاریٰ جن چیزوں میں اختلاف کرتے تھے ان کے درمیان محکم عدل اور حقیقت کے ساتھ فیصلہ کرنے والا قرآن ہے۔

فخر الدین رازی فرقان سے قرآن مراد لینا مستبعد جانتے ہیں۔ ان کے خیال میں واؤ عاطفہ مغائرت کا فائدہ دیتی ہے۔ علامہ رازی فرقان کا معنیٰ معجزات کرتے ہیں (33)۔ یہ بات درست ہے کہ فرقان کا معنیٰ معجزات سے کیا جا سکتا ہے لیکن تمام اقوال کو ایک ہی جگہ جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت علامہ ابوحیان اندلسی اسی طرف گئے ہیں۔ آپ نے فرقان کو وسیع تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی ہے (34) بلکہ فرقان سے مراد وہ تمام دینی، روحانی اور اسلامی دلیلیں بھی ہو سکتی ہیں جو حق اور باطل میں امتیاز بیان کرتی ہیں۔ خصوصاً قرآن نے جب فرقان یوم بدر اور ریاضت صومی کے لیے استعمال کیا ہے تو وسیع تر مفہوم کو وسیع ہی رکھنا چاہیے۔

آیت کے دوسرے حصّے میں خوفناک تنبیہہ ہے کہ وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ان کے لیے شدید عذاب ہے اور اللہ اگر پکڑ لے تو وہ بھی بڑا خوفناک ہوتا ہے۔ میرے نزدیک تمام ہی ادیان میں آیات ایک ہی نتیجہ پر پہنچاتی ہیں کسی ایک کا انکار گویا سب کا انکار ہوتا ہے۔

مفردات

مِنْ: سے
قَبْلُ: پہلے
هُدًى: ہدایت
لِّلنَّاسِ: لوگوں کے لیے
وَاَنْزَلَ: اور اُس نے اتارا
الْفُرْقَانَ: معجزے، محکم فیصلے، حق اور باطل میں تمیز کرنے والی کرامات اور دلائل اور سنت بیضاء
اِنَّ الَّذِيْنَ: بے شک وہ لوگ
كَفَرُوْا: انہوں نے کفر کیا
بِاٰيٰتِ: آیتوں
اللّٰهِ: اللہ
لَهُمْ: ان کے لیے
عَذَابٌ: عذاب
شَدِيْدٌ: سخت
وَاللّٰهُ: اور اللہ
عَزِيْزٌ: غالب، زبردست غالب
ذُو انْتِقَامٍ: انتقام یعنی بدلہ لینے والا

مفردات

''وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ'' کا معنیٰ تفسیر خازن اور روح المعانی نے غالب سے کیا ہے یعنی اللہ اپنے حکم اور ارادہ پر غالب ہے، جو چاہے وہ کرتا ہے اور جو ارادہ وہ کرے اس کا وہ فیصلہ فرماتا ہے۔ آیت میں انتقام کا معنیٰ بدلہ دینا یا سزا دینا لیا گیا ہے، رازی نے یہی لکھا ہے(35)۔

''لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ'' میں خبر مقدم ہے اور مبتدا موخر اور ''لَهُمۡ'' ظرف کو بھی مقدم لایا گیا ہے۔ اس کے دو معانی حاصل ہوتے ہیں: ایک تو عذاب کا بہت سخت اور شدید ہونا اور دوسرا حصر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے یعنی یہ سخت عذاب صرف کافروں کو ہوگا جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں(36)۔

واللہ اعلم

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخۡفٰى عَلَيۡهِ شَىۡءٌ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ۝۵

''بے شک اللہ پر کوئی چیز بھی مخفی نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں''۔

سورۂ آل عمران شروع ہی سے اپنے قاری کی تربیت جن عقائد وضوابط کے ساتھ کر رہی ہے ان میں اللہ تعالیٰ کی توحید وصفات پر ایمان مضبوط رکھنا ہے۔ پہلے یہ بات ذہنوں میں راسخ کی گئی کہ اللہ زندہ و پائندہ ہے پھر یہ عقیدہ محکم کیا گیا کہ وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ اللہ کے عذاب سے بچ سکیں گے، اللہ تعالیٰ غالب ہے، ہر شئی اُس کی ملک میں ہے، وہ جس کو چاہے اپنی نعمت کی گرفت میں لے لے۔ اب اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ وہ لوگ جو نظام عدل وانصاف برباد کرتے ہیں اور آیات الٰہیہ کا مذاق اڑاتے ہیں اللہ انہیں جانتا ہے، اس سے کوئی شئی مخفی نہیں ہے۔ آسمانوں اور زمین میں کوئی بڑی چیز ہے یا چھوٹی اللہ کا علم اُس کو محیط ہے، کیوں نہ ہو ہر ایک کو پیدا کرنے والا تو وہی ہے، اللہ سے کسی شخص کے لیے ممکن نہیں کہ وہ نیت وارادہ تک کو مخفی رکھ سکے۔ لوگ تدبیریں کرتے ہیں، منصوبے بناتے ہیں اور حیلہ سازیاں کرتے ہیں لیکن ان کا خالق اُن کے ہر فعل وعمل اور حیلہ ومکر کو جان رہا ہوتا ہے۔ جب ارادہ وعمل کا کوئی پہلو اس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں تو اسی کے لیے سمع واطاعت خاص کرنی چاہیے اور کسی مخلوق کو اس کی توحید وصفات میں شریک نہیں جاننا چاہیے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
لَا: نہیں
يَخۡفٰى: مخفی ہے
عَلَيۡهِ: اس پر
شَىۡءٌ: کوئی چیز
فِى: میں
الۡاَرۡضِ: زمین
وَلَا: اور نہ
فِى: میں
السَّمَآءِ: آسمان

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۶﴾

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۷﴾

(6) وہی ہے جو تمہیں صورت عطا فرماتا ہے ماؤں کے پیٹوں کے اندر جیسے چاہتا ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ غالب حکمت والا ہے

(7) وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں اصل کتاب وہی ہیں ان کے علاوہ متشابہ ہیں پس وہ لوگ جن کے دلوں میں انحراف ہے وہ پیروی کرتے ہیں اُن کی جن کے معنیٰ میں اشتباہ ہو اس سے وہ فتنہ تلاش کرتے ہیں اور دُور از حقیقت معنیٰ ڈھونڈتے ہیں حالانکہ اللہ کے سوا ان کا حقیقی مفہوم کوئی نہیں جانتا اور علم میں پختہ لوگوں کا کہنا تو یہی ہوتا ہے ''ہم ایمان لائے اس پر'' سب کا سب ہمارے ربّ کی طرف سے ہے اور نصیحت کا اثر قبول نہیں کرتے مگر عقل والے ہی

مفردات

هُوَ: وہ، وہی ہے
الَّذِیۡ: جو
یُصَوِّرُكُمۡ: تمہاری صورت گری کرتا ہے
فِی: میں
الۡاَرۡحَامِ: ماؤں کے پیٹوں میں
كَیۡفَ: جیسے اور جس طرح
یَشَآءُ: وہ چاہتا ہے
لَاۤ اِلٰهَ: کوئی معبود نہیں
اِلَّا: مگر
هُوَ: وہی ہے
الۡعَزِیۡزُ: غالب
الۡحَكِیۡمُ: حکمت والا

هُوَ الَّذِیۡ یُصَوِّرُكُمۡ فِی الۡاَرۡحَامِ كَیۡفَ یَشَآءُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ﴿۶﴾

''وہی ہے جو تمہیں صورت عطا فرماتا ہے ماؤں کے پیٹوں کے اندر جیسے چاہتا ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ غالب حکمت والا ہے''۔

قرآن مجید کی یہ آیت عقیدۂ توحید کو خوبصورت، روح پرور اور ایمان ساز اسلوب میں بیان کرتی ہے۔ ایک ایسا علم جو ذہنوں میں حرارت پیدا کرتا ہے۔ قلوب میں شعور کی روشنی انڈیل دیتا ہے اور تجربات انسانی سے وجدانی تعلیم کو نوچ کر یقین کی جلوہ گری کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جہاں زندہ و پائندہ ہے وہاں وہ ''مصور فی الارحام'' بھی ہے۔ ماؤں کے پیٹوں کے اندر پانی کے چند قطرات سے وہ حیات کی جلوہ نمائی اس رنگ میں کرتا ہے کہ شعور انسانی خود بخود ''لا شریک لہ'' کا ورد کرنے لگ جاتا ہے۔ وہ تصویر سازی کو اچھا نہیں سمجھتا لیکن وہ خود مصوری کرتا ہے لیکن بڑے سے بڑا مصور بھی سطح آب سے ایسی تصویر اُجاگر نہیں کر سکتا جیسے وہ رحم مادر میں ''شکل و حرارت'' کی آمیزش سے خوبصورت پیکر عطا فرما دیتا ہے۔

ماں کے پیٹ میں ایک سادہ سے خلیے جس میں نہ کوئی شکل ہوتی ہے اور نہ کوئی صورت، اعضاء اور جوارح کا بھی ابتداً کوئی تصور نہیں ہوتا۔ بے جان، بے رنگ اور بے یقین مادے سے زندگی متحرک ہو جاتی ہے۔ سرعت کے ساتھ آبی مواد سے خوبصورت شکل ابھرنے لگ جاتی ہے۔ یہ امر قابل توجہ ہے جنین پہلی شکل میں نمودار ہونے کے بعد تیزی سے تقسیم و افزائش کے عمل سے گذرتا ہے اور فوری طور پر وہ شہتوت کے پھل کی طرح ہو جاتا ہے۔ جس کے چھوٹے چھوٹے دانے ایک دوسرے سے ملے ہوتے ہیں اُسے مرولا کہتے ہیں۔ پیش رفت کے ساتھ ایک خونی لوتھڑا دو شریانوں اور ایک ''ورید'' کے ذریعے ماں کے دل سے ملا ہوتا ہے اور دوسری طرف سے وہ ناف سے مربوط ہوتا ہے۔ ابتدائی خوراک خون جفت ہوتا ہے۔ مرولا کا اندرونی حصہ خالی ہو جاتا ہے اسے ''بلاسٹولا'' کہتے ہیں۔ یہ صورت پھر ہزاروں خلیوں کے ملنے سے ایک تھیلے کی صورت اختیار کر لیتی ہے جس میں پہلے سینہ اور شکم نمودار ہوتے ہیں۔ یہاں سے اگلا تکامل جنین کا عمل ایک مکمل، خوبصورت اور حیرت انگیز متحرک صورت کی جلوہ نمائی تک پہنچ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ انسانی شعور پر پڑی ہوئی جہالت، ضد اور شقاوت کی غبار دور کر کے فہم کی خوشبو عطا فرماتا ہے کہ اربوں انسانوں کی خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے، تصویریں ایسے ہی ابھری ہیں اور یہ خلاقی اللہ ہی کو سزاوار ہے۔ وہ ایسی تصویروں کا خالق و مصور ہے ''قطرے سے عطرے'' تک پہنچنے والے انسان

کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک جانے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔

قارئین!

اپنے چھوٹے سے ذہن کو ماضی کی طرف لے جایئے، ہو سکے تو ذہن و شعور کو تسلیم کی تھیلی میں بند کیجیے اور رحم مادر میں ایک مرتبہ پھر سیّاری فرمایئے، جب یقین آجائے کہ کسی ہستی نے تمہیں 23+23 کروموزومز یعنی چھیالیس کروموزومز کی آمیزش سے تشکیل دیا اور یوں تم عموم سے خصوص تک پہنچے اور ایک سو اٹھائیس (128) کروموزومز سے تمہاری تخلیق آگے بڑھی اور پھر تم ہڈیاں، گوشت، خون اور شکل وصورت والا جنین بن گئے۔ ضد چھوڑو اور ''مصور فی الارحام'' کا کلمہ پڑھ لیں اور توحیدی بننے کے بعد ذہن و شعور کو بے شک تھیلی سے نکال لیں آپ کو مرشد کائنات کی آواز آئے گی:

''میری اطاعت ہی تمہیں کام آئے گی''۔

قرآن تو نور ہے ہر چیز کو آشکار کر رہا ہے، اللہ کے سوا جو بھی ہے وہ محبوب ہو سکتا ہے لیکن معبود نہیں ہو سکتا۔

اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ

آیت کا اختتام خود ہی تشریح اور وضاحت کا ایک نیا دروازہ کھول دیتا ہے اور وہ اس امر کا اقرار تصدیق ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

''وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں اصل کتاب وہی ہیں ان کے علاوہ متشابہ ہیں پس وہ لوگ جن کے دلوں میں انحراف ہے وہ پیروی کرتے ہیں اُن کی جن کے معنیٰ میں اشتباہ ہو اس سے وہ فتنہ تلاش کرتے ہیں اور دُور از حقیقت معنیٰ ڈھونڈتے ہیں حالانکہ اللہ کے سوا ان کا حقیقی مفہوم کوئی نہیں جانتا اور علم میں پختہ لوگوں کا کہنا تو یہی ہوتا ہے ''ہم ایمان لائے اس پر'' سب کا سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت کا اثر قبول نہیں کرتے مگر عقل والے ہی''۔

سورۂ ال عمران کی پہلی آیات کی طرح اس آیت میں بھی مرکزی اور عمودی مضمون صفات توحید اور صفات قرآن کی معرفت ہے۔ آیت ''هُوَ'' سے شروع ہوتی ہے جو تمام روحانی خزانوں کے لیے مفتاح

مفردات

هُوَ: وہی ہے
الَّذِيْٓ: وہ جس نے
اَنْزَلَ: اتارا
عَلَيْكَ: آپ پر
الْكِتٰبَ: کتاب
مِنْهُ: اُس میں سے
اٰيٰتٌ: آیتیں
مُّحْكَمٰتٌ: محکم ہیں، واضح اور مضبوط ہیں
هُنَّ: وہی ہیں
اُمُّ: اصل
الْكِتٰبِ: کتاب
وَاُخَرُ: اور دوسری
مُتَشٰبِهٰتٌ: کچھ متشابہ ہیں، معانی میں مشابہت
فَاَمَّا: پس
الَّذِيْنَ: وہ جو
فِيْ: میں
قُلُوْبِهِمْ: ان کے دلوں
زَيْغٌ: کجی ہے، ٹیڑھا پن ہے
فَيَتَّبِعُوْنَ: تو پیچھے پڑے رہتے ہیں
مَا: جو
تَشَابَهَ: متشابہ ہوئی
مِنْهُ: اس میں سے
ابْتِغَاۗءَ: تلاش کرنے کے لیے
الْفِتْنَةِ: فتنہ
وَابْتِغَاۗءَ: اور تلاش کرنے
تَاْوِيْلِهٖ: تاویل
وَمَا: اور نہیں

مفردات

يَعْلَمُ: جانتا
تَاْوِيْلَهٗ: اس کی تاویل
اِلَّا: مگر
اللّٰهُ: اللہ
وَالرّٰسِخُوْنَ: اور بہت پختہ لوگ
فِي: میں
الْعِلْمِ: علم
يَقُوْلُوْنَ: کہتے ہیں
اٰمَنَّا بِهٖ: ہم اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں
كُلٌّ: ہر ایک، سب کا سب
مِّنْ عِنْدِ: جانب سے
رَبِّنَا: ہمارے رب
وَمَا: اور نہیں
يَذَّكَّرُ: نصیحت پکڑتے
اِلَّا: مگر
اُولُوا: والے
الْاَلْبَابِ: عقلوں

ہے۔ ایسے انسان جو اللہ سے دور ہو چکے ہیں، ان کے قلب ونظر کی تنویر اور نفس وحیات کے تزکیہ کے لیے قرآن ضروری ہے اور یہ کلام جس کا ہے اُس کی طرف روحانی مراجعت زندگی کا اصل ہدف ہے۔ سمجھنے والی بات یہی ہے کہ "ھُوَ" کے بعد نزول کتاب کو ایک بار پھر حضور ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے تاکہ آئینۂ نور کی تجلیات مادی قوالب میں اچھی طرح منعکس ہو سکیں اور انسان معبود اور معبود کے محبوب کو اچھی طرح عارفانہ نظر سے دیکھ سکیں۔ تین ہی چیزیں اس آیت کا عمود ہیں باقی سب اصلاح کا نصاب ہے:

1۔ معبود کی معرفت
2۔ محبوب کی شناخت
3۔ اور تیسرا محبت نامہ یعنی قرآن وفرقان

کتاب کے مضامین

یہ آیت کتاب کے مضامین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتی ہے: محکمات اور متشابہات دونوں قسم کی آیات پر ایمان اور یقین ضروری ہے۔ دونوں آیات کے جلووں کو زندگی کے تنویر کے لیے اشد لازم تصور کیا گیا ہے۔ دونوں سے اخذ فیض کے طریقے جدا جدا ہیں۔ دونوں قسم کی آیات مخصوص خوشبو اور مخصوص رنگ رکھتی ہیں۔ تقسیم کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ کسی کو اہم اور فضلیت مآب سمجھا جائے اور کسی کی طرف دھیان میں کمزوری سمو دی جائے۔ متکلمین کی ابحاث اللہ سے دور کرنے کے لیے نہیں اللہ سے قریب کرنے کے لیے ہیں۔ تحقیق کا انداز اگر جمالیاتی ہو تو مفاہیم ومطالب عمل آفرین اور روحانیت ساز ہو سکتے ہیں۔

محکمات کی بحث

محکم کی جمع محکمات ہوتی ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: "محکم وہ ہے جس کا ایک ہی مطلب ہو اور اس میں کوئی تاویل نہ پائی جائے" (37) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ محکم وہ ہے جس کا معنیٰ پہچانا جاتا ہو، حجت واضح ہو اور دلائل ظاہر ہوں۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ آیت میں محکمات آیات کی صفت واقع ہوئی ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ محکم کا معنیٰ ظاہر ہوتا ہے۔ اس قسم کی آیات احتمال اور اشتباہ سے محفوظ ہوتی ہیں، احناف کے نزدیک اس میں نسخ کا احتمال نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک قول سے یہ بات سمجھ آتی ہے، وہ فرماتے ہیں محکمات ناسخ ہوتی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ محکم وہ ہے جس کے الفاظ میں تکرار نہ ہو (38)۔

فریابی نے جو روایت مجاہد سے کی ہے اس کے مطابق محکمات وہ ہیں جن میں حلال اور حرام کا ذکر پایا جائے۔ آیت تحت تفسیر نے محکمات ہی کو کتاب کی اصل قرار دیا اس لیے کہ ان کی مراد واضح ہونے

کی وجہ سے ان پر کامل اور بھرپور وثوق پایا جاتا ہے اور واضح طور پر احکام ان آیات سے ثابت ہوتے ہیں اور محکمات ہی کے ذریعے حلال اور حرام کی پہچان ہوگی (39)۔

متشابہات کی تشریح

متشابہات متشابہ کی جمع ہے اور یہ اشتباہ سے ہے۔ محکمات کی ضد میں ان کی پہچان ہے۔ لفظ خود ہی وضاحت کر رہا ہے کہ جس کی شبیہہ موجود ہو وہ متشابہ ہوگی۔

محکمات کے برعکس متشابہات میں احتمالات اور تاویلات کی گنجائش ہوتی ہے اور کامل وضوح کے لیے قرائن اور دلائل کی ضرورت پڑتی ہے لیکن ایمان ان آیات پر ضروری ہوتا ہے بلکہ زیادہ ضروری ہوتا ہے۔ قرآن نے چونکہ قیامت تک انسانی نسلوں کی رہنمائی کرنی تھی اس لیے مجازات، کنایات اور متشابہات آیات کے غلاف کی طرح استعمال کیں اور ان کا کثرت سے استعمال ہوا تاکہ قانون وسعت کا حاصل ہو جائے اور قرآنی دعوات قبولیت کے لحاظ سے مؤثر زیادہ ہو جائیں۔ عقل والوں کے لیے محکمات مفاہیم کا گلستان ہوتے ہیں اور محبت والوں کے لیے مجاز، کنائے اور متشابہات محبوب کی مخفی خوشبو کی طرح ہوتے ہیں، اس لیے لطافت داری کی یہ دونوں راہیں قانون کے ابلاغ کے لیے ضروری ٹھہریں بلکہ متشابہات کا اشتباہ محکمات ہی کے ذریعے دور کیا جا سکتا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ متشابہات کی تشریح اور توضیح محکمات ہی میں ممکن ہو سکتی ہے۔ ذہنوں کی رسائی بعض اوقات وہاں تک نہیں ہو سکتی جہاں محکم آیات پہنچا دیتی ہیں اس لیے دونوں قسم کی آیات پر نظریاتی اور عملی اعتبار سے ایمان ضروری سمجھا گیا ہے۔

جن کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے

وہ لوگ جو متشابہات کی تاویل کے درپے ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں کجی ہے۔ یہاں جن لوگوں کی مذمت کی گئی ہے وہ کون لوگ ہیں؟ پہلے آیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ مفسرین کا ایک طبقہ ''فِی الْعِلْمِ'' پر وقف کرتا ہے۔ یہ لوگ اس عملی مؤقف کو تسلیم کیے ہوئے ہیں کہ متشابہات کی تاویل کو اللہ تعالیٰ اور ''راسخین فی العلم'' جانتے ہیں، باقی رہ گئے کج قلوبیاں کرنے والے لوگ تو وہ فتنہ کی تلاش میں رہتے ہیں، ان کی زندگی ادھر اُدھر کی ہانک کر گزرتی ہے، وہ اُمت کو بکھیرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیتے۔ ذہنوں میں وسواس زنیاں کر کے لوگوں کا انجام خراب کرتے ہیں حالانکہ تاویل آیات کا علم تو اللہ کے پاس ہے یا اُس نے راسخین علم کو ان حقائق سے آگاہ کیا ہے (40)۔

مفسرین کا دوسرا طبقہ جو آیت تلاوت کرتے ہوئے ''اِلَّا اللّٰہُ'' پر وقف کرتے ہیں۔ ان عظیم

المرتبت لوگوں کا مؤقف یہ ہے کہ متشابہ کی تاویل کو اللہ نے اپنے لیے رکھا ہے۔ اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس کے باوجود جو لوگ تاویل میں کٹ حجتیاں کرتے ہیں وہ ''اہل زیغ'' ہیں، اصل میں دلوں کی کجی انہیں اس پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ تاویل کے پیچھے پڑ جائیں۔ ہمارے حنفیہ اسی طرف گئے ہیں جب کہ شافعیہ اس طرف گئے ہیں کہ تاویل ''وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ'' جانتے ہیں (41)۔

دلائل اپنے اپنے ہیں۔ راقم اللہ سے معافی مانگ کر عرض کرے گا جو اہل زیغ ہیں ان سے تو کچھ بھی نہیں بچا ہوا۔ ان کے ٹیڑھے دلوں کی وجہ سے انہیں ہر چیز ہی ٹیڑھی نظر آتی ہے۔ محکمات اور متشابہات سب کچھ ہی ان کی نقد و جرح کی بھینٹ چڑھتا رہتا ہے۔ حنفیہ کے قول میں ایمان و عقیدہ میں توحید ہے اور عملیت میں جمالیاتی تعبیر ہے۔ وہ راسخین فی العلم کو رویوں اور روحانیت میں جمالیاتی قدروں کا تاجدار سمجھتے ہیں جب کہ شافعیہ نظر و عقیدہ میں جمالیاتی افکار کی عکاسی کرتے ہیں اور عملیت میں یہ سوچ رکھتے ہیں کہ ہر عمل عقیدہ ہی کا تو پرتو ہوتا ہے۔ اکابر کی باتیں اکابر کی ہیں جو چیز قابل مذمت ہے وہ فتنہ پروری ہے اور مفاد پرستی ہے اور دنیا کی ہوس کے پیچھے سچائیوں کے دل میں نقد و جرح کے تیر چبھانا ہے، سوچا جائے تو ہر تعبیر و تاویل کا ڈی این اے محکمات کے ذریعے کیا جا سکتا ہے۔ اہل زیغ آخر کار بندگلی میں پھنس جاتے ہیں ہاں انہیں محکمات کی لفٹ کے ذریعے ایمانی طاقت کے ساتھ سچائیوں کی راہ ڈالا جا سکتا ہے۔

''تاویل'' کیا ہوتی ہے؟

''تاویل'' کا مادہ ''الف واؤ اور لام'' ہے۔ عربی زبان میں یہ لفظ لوٹنے اور رجوع کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، کہا جاتا ہے (42):

اولتہ تاویلاً

''میں نے اس کو پھیر دیا''۔

ہر چیز کو اس کے ہدف تک پہنچا دینا تاویل ہوتا ہے (43)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا قرآنی واقعہ پڑھیے۔ جب خضر علیہ السلام کے تین کاموں کی کوئی توجیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سمجھ میں نہ آئی جب کہ سمجھ میں نہ آنا مقصد کے مخفی ہونے کی بنا پر تھا، آپ پریشان ہوئے تو اختتام سفر پر جناب خضر نے یہی کہا (44):

''ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا''۔

''میری خواب کا نتیجہ اور تعبیر یہ ہے جو میں نے پہلے دیکھی''۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر جب کھل گئی تو آپ نے فرمایا:

قرآن نے اسے نقل کیا(45):

''ھٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ''

''میری خواب کا نتیجہ اور تعبیر یہ ہے جو میں نے پہلے دیکھی''۔

قرآن مجید کے دو مقامات سے سمجھ تو یہی آتی ہے کہ کسی بات کو اس کے صحیح رخ اور سمت کی طرف پلٹا دینا تاویل ہوتا ہے''آل علی القوم'' کا مطلب قوم کا حاکم بن جانا ہوتا ہے۔ابن فارس نے کسی کام میں ابتدا اور انتہا دونوں کے لیے یہ لفظ استعمال ہو جانا لکھا ہے(46)۔

قرآن مجید نے یہ لفظ ایک اور مقام پر یوں استعمال فرمایا ہے(47):

ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا

''نتیجہ کے اعتبار سے یہی بہتر اور بھلا ہے''۔

یہاں آخری نتیجہ اور سب سے بہترین روش کے لیے تاویل لفظ استعمال ہوا ہے۔نتیجہ کلام یہ ہے کہ قرآن حکیم میں کچھ آیات اور کلمات ایسے ہیں جن کے معانی اور مطالب گہرے اور عمیق ہیں۔ایسے غوامض اور اسرارِ سربستہ تک رسائی کی کوشش مذموم نہیں محمود ہوتی ہے لیکن منحرفین ہمیشہ باتوں کو فاسد نتائج کی طرف گھماتے ہیں۔مذمت اصل میں تاویل کی تلاش کی نہیں فاسد تاویل کی تلاش ہے جو فتنوں کے صحراؤں میں جا بھٹکاتی ہو۔

درمنثور کی چند روایات

صالحانہ سوچوں کے صراط مستقیم پر چلنے کے لیے جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں چند روایات نقل کی ہیں،عبرت گیری کے لیے وہ نقل کی جاتی ہیں:

مصنف ابن ابی شیبہ نے حضرت ابی ابن کعب سے یہ روایت نقل کی ہے،فرمایا(48):

''اللہ کی کتاب سے جو تم پر ظاہر ہو اس پر عمل کرو اور جو
متشابہ ہو اس پر ایمان رکھو اور پھر اُسے اس کے صحیح جاننے
والے کے سپرد کر دو''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار ایک قوم پر نکلے،وہ لوگ آپس میں قرآن کے بارے بحثا بحثی میں مبتلا تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر فرطِ جلال میں آ گئے اور فرمانے لگے:تم سے پہلے لوگ اسی لیے گمراہ ہوئے کہ وہ انبیاء کے معاملہ میں نزاع میں پڑ گئے اور کتاب کی آیات،آیات سے ٹکرانی شروع کر دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''قرآن اس لیے نازل نہیں ہوا کہ ایک مقام دوسرے مقام کی تکذیب کرے بلکہ یہ کتاب تو اس لیے اتری کہ اس کا بعض، بعض کی تصدیق کرے۔ تمہیں اس میں سے جو سمجھ میں آجائے اس پر عمل کرو اور جو نہ سمجھ سکو اس پر ایمان رکھو!''(49)۔

مسند ابی یعلی میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا(50):

''بے شک میری اُمت میں ایک ایسی قوم بھی آئے گی جو قرآن حکیم پڑھیں گے لیکن اُسے ردی کھجوروں کی طرح بکھیر دیں گے اور وہ لوگ ایسی ایسی تاویلیں کریں گے جو اس کے مقاصد کے خلاف ہوں گی''۔

''اَلرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ'' کون ہیں؟

طبرانی کی روایت ہے حضرت ابو دردا رضی اللہ عنہ حدیث کے راوی ہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب آپ سے پوچھا گیا کہ ''اَلرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ'' کون لوگ ہیں؟

آپ نے ارشاد فرمایا(51):

''وہ جس نے اپنی قسم کو پورا کیا اور بات سچی کی اور دل کو مستقیم کیا اور اپنے پیٹ اور شرمگاہ کو پاک رکھا''۔

امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ ''اَلرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ'' وہ عالم ہے جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے(52)۔

علامہ بغوی نے معالم التنزیل میں ''اَلرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ'' کی چار صفات بیان کیں(53):

1۔ وہ شخص جس کے ربّ کے سامنے اس کا تعلق تقویٰ کا ہوا۔
2۔ وہ شخص جس کے درمیان اور دنیا کے درمیان زہد کا رشتہ قائم ہوا۔
3۔ وہ شخص جس کی محبت دنیا سے نہ ہو۔
4۔ چوتھی چیز مجاہدہ ہے یعنی نفس کو گناہوں سے بچانے کی کوشش کرتے رہنا۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد گرامی ہے: ''اَلرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ'' وہ لوگ ہیں جو اسرار غیبی کے مقابلہ میں اعتراف عجز کرتے ہیں اور ان کا یہ عجز کوشش اور کاوش سے انہیں بے نیاز کر دیتا ہے(54)۔

حضرت علی الخواص فرماتے ہیں کہ ''راسخ فی العلم'' وہ شخص ہوتا ہے جو قرآن مجید کے ہر لفظ

کے بارے میں جانتا ہے کہ اس میں شرعی مسئلہ کیا ہے۔ اہل کشف تو حروف مقطعات کا علم بھی اس طرح رکھتے ہیں جس طرح ہم بدیہی چیزوں کا علم رکھتے ہیں۔ اللہ کی عطا عام ہے۔ اس کے فیض میں کوئی کمی نہیں اور اللہ کامل انسان کو استعداد سے بھی نوازتا رہتا ہے(55)۔

علامہ فخر الدین رازی کے نزدیک ''راسخین فی العلم'' وہ لوگ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کو دلائل یقینیہ قطعیہ سے جانتے ہوں، انہیں یقین قطعی حاصل ہو کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ انہیں محکم اور متشابہ کی مکمل پہچان ہو، متشابہ کے بارے میں انہیں ایمان حاصل ہو کہ اس کی اصل مراد اللہ ہی کو معلوم ہے(56)۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ہی کا ارشاد ہے(57)

''اللہ تعالیٰ نے جس چیز کی حقیقت سے بحث کرنے کی
تکلیف نہیں دی ہے اس کی گہرائی میں جانے سے گریز
کرنا ہی ''رسوخ فی العلم'' ہے''۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی بات بھی پسندیدہ ہے، ''راسخ فی العلم'' وہ لوگ ہیں جو نفس اور عناصر کو فنا کر کے خواہشات سے بالکل الگ ہو چکے ہوں۔ وہ تجلیات ذاتیہ میں اس طرح ڈوبے ہوں کہ کوئی شبہ ان کو لاحق ہی نہ ہوتا ہو۔ میرے پیر و مرشد حضرت لالہ جی محمد جمشید رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے تھے: فنا کے بعد بقا جس علم کے دروازے کھولے وہ ''رسوخ فی العلم'' وتا ہے(58)۔

دو دلوں کا عرفان

آیت میں ڈوبنے سے دو دلوں کی سمجھ آتی ہے۔ ایک دل ان لوگوں کا ہے جس میں شرک ہے، شرارت ہے، شناعت ہے اور شقاوت ہے۔ ایسا دل رکھنے والے لوگ ہمیشہ فتنے تلاش کرتے ہیں اور دوسرا دل ان لوگوں کا ہے جس میں استقامت ہے، اللہ کی طرف یکسوئی ہے، ذکر ہے اور قرآن کی تلاوت ہے، وہ شرارتوں سے بچنے والے لوگوں کا دل ہے، ایسا دل نعمت ہوتا ہے اس لیے کہ وہ شکر سے لبریز ہوتا ہے۔

فتنہ پروازی کی خوبصورت تقریر

رازی لکھتے ہیں کہ فتنہ کا لغوی معنیٰ ہے کسی چیز پر فریفتہ ہو جانا اور اس میں غلو کرنا اور حد سے بڑھ جانا جیسا کہ کہا جاتا ہے(59):

''فلان مفتون بطلب الدنیا''

''فلاں شخص دنیا کی طلب میں حد سے آگے بڑھ گیا''۔

متشابہات کا فریفتہ ہو جانا بھی ایک بیماری ہے۔ ایسے لوگ ہی اتنا غلو کرتے ہیں کہ آپس میں پہلے

اختلافات بنتے ہیں، پھر فرقہ سازیاں ہوتی ہیں، پھر قتل مقاتلے تک نوبت جا پہنچتی ہے۔ دوسرا یہ کہ متشابہات کے پیچھے پڑنے سے بدعات کے دروازے کھلتے ہیں اور بدعات ہی فتنوں کا دروازہ کھولتی ہیں اور تیسرا یہ کہ ضلالت اور گمراہی دین کی تباہی ہوتی ہے۔ متشابہات کا فریفتہ شخص جرائم پیشہ ہو جاتا ہے، جو دیکھتے دیکھتے گندگی میں اتنا ملوث ہو جاتا ہے جہاں سے اُس کا مڑ کر آنا مشکل ہو جاتا ہے۔

شان نزول کی دو روایات

مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں دو روایات نقل کی ہیں:

- پہلی روایت تو یہ ہے کہ یہودیوں کے چند لوگ حی بن اخطب کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس موقع پر ابن اخطب کا بھائی بھی ان کے ہمراہ تھا۔ حضور انور ﷺ سے ابن اخطب پوچھنے لگا کہ الف لام میم ''الٓمّٓ'' آپ کے دل پر نازل ہونے والی ایک آیت ہے۔ ابجد کے حساب سے تو الف برابر ہے ایک کے، لام برابر ہے تیس کے اور میم برابر ہے چالیس (40) کے، اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آپ کی اُمت و دعوت کی عمر اکہتر (71) سال ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی غلط فہمی دور فرمائی کہ ''الٓمّٓ'' تو تم نے پڑھ لیا ہے۔ کیا قرآن میں ''المص، الر'' اور دیگر حروف مقطعات نہیں ہیں اگر حساب لگانا ہی ہے تو تمام حروف کا حساب لگا لو (60)۔
- دوسری روایت ہے جسے اکابر مفسرین نے اپنی اپنی تفسیروں میں نقل کیا ہے کہ نجران کا وفد جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، چونکہ وہ عیسیٰ کو ''ابن اللہ'' تصور کرتے تھے، دوران گفتگو انہوں نے آقا ﷺ سے پوچھا: آپ لوگ تو خود عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ اور اللہ کا کلمہ مانتے ہو؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم انہیں روح اللہ اور اس کا کلمہ مانتے ہیں، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ گویا قرآن نے عیسیٰ علیہ السلام کو متشابہات میں سے قرار دیا (61)۔ تفصیلی بحث انشاء اللہ ''آیت مباھلہ'' میں ہوگی۔

شان نزول کی دونوں روایات کو فقیر پُرتقصیر نے آخر بحث میں اس لیے نقل کیا کہ کہ سورۂ ال عمران میں جس طرح صفات توحید بیان ہوئیں وہ اس قدر وضاحت کا نور دینے والی ہیں کہ کسی قسم کا کوئی اشکال بچتا ہی نہیں۔ قرآن کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ وہ صرف عیسیٰ علیہ السلام ہی کو نہیں آدم سے لے کر حضور ﷺ تک کسی کو بھی اللہ کا شریک تسلیم نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کو وہ ذات وصفات یہاں تک کہ افعال میں بھی لاشریک مانتے ہیں۔ اللہ اللہ اللہ اللہ

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ
اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٨﴾
رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ
الْمِيْعَادَ ﴿٩﴾ ع
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ
شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿١٠﴾ لا

(8) اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ فرما بعد اس کے کہ تو نے ہدایت عطا فرمائی اور ہمیں خاص اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما بے شک تو ہی خوب عطا فرمانے والا ہے

(9) پروردگار ہمارے! بے شک تو لوگوں کو ایسے دن میں جمع فرمانے والا ہے جس میں ذرّہ برابر بھی شک نہیں بے شک اللہ وعدے کی مخالفت نہیں فرماتا

(10) بے شک وہ لوگ جنہوں نے انکار حق کیا اللہ کے عذاب سے نہ تو ان کے مال انہیں بچا سکیں گے اور نہ ہی ان کی اولادیں اور ایسے ہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں

مفردات

رَبَّنَا: پروردگار ہمارے
لَا: نہ
تُزِغْ: کجی میں ڈال
قُلُوْبَنَا: ہمارے دلوں کو
بَعْدَ: بعد
اِذْ: جب
هَدَيْتَنَا: ہدایت دے دی تو نے
وَهَبْ: اور عطا کر
لَنَا: ہمیں
مِنْ: سے
لَّدُنْكَ: اپنی طرف سے
رَحْمَةً: رحمت
اِنَّكَ: بے شک تو
اَنْتَ: تو
الْوَهَّابُ: بڑا عطا فرمانے والا ہے

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝٨

''اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ فرما بعد اس کے کہ تو نے ہدایت عطا فرمائی اور ہمیں خاص اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما بے شک تو ہی خوب عطا فرمانے والا ہے''۔

گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے وہ فتنوں کے اس قدر فریفتہ ہیں کہ فاسد افکار کی تلاش میں قرآن کے متشابہات کے مورچوں میں بیٹھ کر قلب وشعور میں ضلالت اور گمراہی کے بیج بوتے رہتے ہیں، جب کہ اس کے برعکس مستقیم دل لوگ ہیں، وہی اصل میں راسخین فی العلم ہیں۔ وہ ہمہ وقت دعا میں لگے رہتے ہیں۔ وہ اپنی طبیعت میں اللہ کی عطا کی موّاجی پر اس قدر مطمئن رہنے والے ہوتے ہیں کہ ان کا اپنے پالن ہار کی دہلیز اور چوکھٹ سے رشتہ منقطع نہیں ہوتا، وہ دعا کرتے ہیں:

رَبَّنَا: پروردگار ہمارے!

یہ آواز ہے، دعا ہے، غم اور دکھ کا ترانہ ہے۔ خوشیوں کے ہجوم میں اپنے مالک کو یوں پکارا جا سکتا ہے اور دکھوں، دردوں اور بے بسیوں کے وفور میں بھی اپنے ربّ کو پکارا جا سکتا ہے۔ ربّ نام ہی اُس مالک کا ہے جس کے ہر حرف سے مہربانیوں اور رحمتوں کے چشمے پھوٹتے ہیں۔

آیت اونچے لوگوں کی تمناؤں اور آرزوؤں کی تصویر کھینچ کر قرآن پڑھنے والوں کی روحوں میں اتار دیتی ہے کہ وہ اس دعا سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

پروردگار ہمارے!

ہدایت کا نور عطا فرمانے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا ہونے سے محفوظ رکھ۔

قرآن مجید کی اس دعا میں دراصل زندگی کے ایک قیمتی سرمائے کو محفوظ رکھنے کی دعائیہ انداز میں تربیت دی جا رہی ہے کہ سونے کی ڈلیوں سے دامن کو جھاڑا جا سکتا ہے لیکن مستقیم دلوں کی خُو بُو بدلی نہیں جا سکتی۔

حضرت علی المرتضیٰ شیخنا فی الاصول والبلا کا کتنا خوبصورت ارشاد ہے، ایک مرتبہ اپنے خطبہ میں آپ نے فرمایا:

''ہر قسم کی تعریف، حمد اور ثنا اس ہستی کے نام جس کے کرم

اور مہربانی سے معصیتوں میں ڈوبے ہوئے لوگ بھی محروم
نہیں اور کوششوں میں انتہا تک پہنچنے والا شخص بھی اس کی
نعمتوں پر شمہ برابر مکافات نہیں کر سکتا، وہ پروردگار ہمارا
جو نافرمان کے لیے بھی بخل روا نہیں رکھتا''۔

صحیفۂ فطرت کو پڑھنے والا شخص اور کتاب تکوین سے عرفان پانے والا صاحب آرزو اپنی جھولی پھیلائے رکھتا ہے اور مانگنے میں رطب اللسان رہتا ہے:

پروردگار ہمارے!
ہمارے دلوں کو جام ہدایت کا خوگر بنا کر پھر کسی اور طرف پھیر نہ دینا
پروردگار ہمارے!
ہم نے اپنے نفس کے رہوار کو لنگڑا بنا دیا ہے
ہم نے اپنی عقل کے پیروں کو کاٹ دیا ہے
ہم نے اپنے افکار کی تیزیاں بھنور میں پھینک دیں ہیں
ہمارے مصنوعی دبدبے بے جان ہو چکے ہیں
ہم نے اپنی نظروں کا رخ تیری طرف مائل کر دیا ہے
پرودگار ہمارے!
اب ہمارا رخ تیرے کعبۂ عبودیت کی طرف یکسو ہو گیا
ہمیں تاجدار مدینہ کی گلی سے عجز و نیاز کی گلہم فقیر نے تیرے آستاں پر پہنچا دیا ہے
اب ہم تجھ ہی سے مانگتے ہیں۔
پروردگار ہمارے!
ہمارے دلوں کو کسی اور طرف مائل نہ کر
ہمیں تیری محبت، تیرے رسول کی محبت اور تیرے قرآن کے پیار کی ہدایت مل چکی ہے۔

دل والوں کے لیے دل کی باتیں

حضرت ام سلمہ سلام اللہ علیہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے (62):

یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک

''اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قرار بخش دے''۔

درمنثور میں ہے جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث بیان کرتے ہیں، ام سلمہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں،
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں اکثر فرماتے (63):

اللھم مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:
میں نے عرض کی یا رسول اللہ!
کیا دلوں کو بھی پھیرا جاتا ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کی مخلوق میں کوئی بھی ایسا نہیں جس کا دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان نہ ہو۔ اللہ چاہے تو انہیں مستقیم رکھتا ہے اور چاہے تو ٹیڑھا کر دیتا ہے، تو ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں وہ اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائے، وہی بڑا عطا کرنے والا ہے''۔

میں نے عرض کی مجھے کوئی دعا سکھا دیں جو میں اپنے لیے مانگا کروں
فرمایا کیوں نہیں یہ دعا کیا کرو!

اللھم رب النبی محمد اغفر لی ذنبی و اذھب غیظ قلبی و اجرنی من مضلات الفتن ما احییتنی

''اے اللہ! اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب، میرے گناہوں کی بخشش فرما اور میرے دل کی سختی کو دور فرما اور جب تک مجھے زندہ رکھ بھٹکا دینے والے فتنوں سے بچا کے رکھ''۔

عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (64):

''ابن آدم کا دل چڑیا کی طرح ہے ایک دن میں سات مرتبہ گھوم جاتا ہے''۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (65):

''یہ دل پرندے کے پَر کی طرح ہے جو کھلی زمین میں پڑا ہو تو ہوائیں اسے الٹاتی پلٹاتی رہتی ہیں''۔

خالد بن معدان نے اپنے دادا سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (66):

''ایمان قمیص کی طرح ہے، کبھی تُو اس کو پہن لیتا ہے اور
کبھی تُو اسے اتار دیتا ہے''۔

دعا کا دوسرا حصہ

دعا کے دوسرے حصے میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التماس ہے کہ ربّ ہمارے! تو ہمیں اپنی طرف سے خاص رحمت عطا کر۔ عطا کرنے کے لیے لفظ ''ھبہ'' استعمال ہوا ہے، ائمہ لغت لکھتے ہیں (67) کہ ''ھبہ'' عطا کرنا اور دینا ہوتا ہے۔ خصوصاً وہ عطیہ جو بلاعوض ہو وہ ''ھبہ'' ہوتا ہے اور دینے والے کی کوئی غرض بھی وابستہ نہیں ہوتی یہ محض احسان ہوتا ہے۔ ''موھبہ'' اُس بادل کے ٹکڑے کو کہتے ہیں جو جہاں ہوا دھر ہی برس پڑے اور جل تھل کر دے۔ اس سے عطا میں بے پناہ کثرت مراد لی جاسکتی ہے، گویا ''ھبہ'' میں کسب کا بالکل بھی تعلق نہیں ہوتا ہے، دینے والے کی مہربانی اور رحمت ہی کا جوش ہوتا ہے۔ اب دعائیہ کلمات کو زبان حال سے ادا فرمایئے اور مانگیے:

پروردگار ہمارے!
ہمیں عطا کر
تو کسی سے لے کر تھوڑا ہی دیتا ہے
خزانے تیرے پاس ہیں
اپنے خصوصی خزانوں کا رخ مانگنے والوں کی طرف پھیر دے
پروردگار ہمارے!
ہمارے پاس دینے کے لیے کچھ نہیں
ہمارا حال تیرے علم میں ہے
ہم نمٹ مانگٹ ہیں
جو محض لینا جانتے ہیں
اور تیری کریمانہ عادت ہے
کہ
تو بلاعوض عطا کرتا ہے
رَبَّنَا!
ہماری جھولیاں بھی بھر دے

اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا

بلا کسب ہم محض سائل ہیں

اور تو دینے والا

ابر نیساں کے فیض بار جھالوں کی طرح

ہم پر عطاؤں کی بارش برسا دے

پالن ہار!

خاص اپنی جانب سے رحمتوں کی فراوانی فرما دے

مِنۡ لَّدُنۡكَ

''خاص اپنی جانب سے''۔

محبت، کرم اور عطا کی نورانی آبشار جو دلوں اور روحوں کے آنگن میں گر رہی ہے۔ رازی نے بہت اچھی بات لکھی کہ آیت کے دو لفظی بیان نے عقل، دل اور روح کو شعور دے دیا کہ مقصود صرف اللہ سبحانہ ہی سے حاصل ہو سکتا ہے (68)۔

احساس کی یہی فضیلت بندے کو بندگی میں معراج کروا دیتی ہے۔ انسان ساری زندگی بھٹکتے رہتے ہیں، سو سو دروازے بنائے ہوئے ہیں۔ سکون اور تسکین کا سامان کہیں سے میسر نہیں آتا۔

''مِنۡ لَّدُنۡكَ'' میں دعا اور عقیدہ ہی نہیں رحمتوں کے سارے رنگ عروج پر محسوس ہونے لگ جاتے ہیں۔ علامہ ابو حیان اندلسی نے صحیح لکھا کہ رحمت تو سبب ہے آیت میں سبب کا ذکر کر کے مسبب مراد لی گئی ہے (69) اور سوال اور گدائی یوں تڑپی جیسے من کی دنیا میں کسی نے آتش عشق کی وہ پھونک ماردی ہے اور بندہ سب کچھ جلا کر ''مِنۡ لَّدُنۡكَ'' کے سمندر میں کود پڑا ہے، جہاں رحمت و عطا کی تلاطم خیزیوں نے اُسے اور حوصلہ دے دیا، ارے مانگ اور مانگ، یہی تو مانگنے کی جا ہے، اسی چوکھٹ پر فلاح و صلاح کی خیر ملتی ہے۔ حریم رحمت سے رحیم آواز مارتا ہے اور تیرے اُٹھنے والے قدم صحیح سمت اُٹھے ہیں، فطرت نے مانگنے والے کی زبان پر قمریوں، بلبلوں اور پپیہا کے نغموں اور اذکار کی تازگی رکھ کر کہا: بول کیا مانگتا ہے۔ سائل گل بخت پکار اٹھا:

پروردگار ہمارے! ہمارے دلوں کو خود سے پھیر نا نہ اور خاص اپنی جناب سے خاص رنگ والی رحمت عطا کر دے، بے شک تو دینے والا ہے۔ اللہ اللہ اللہ اللہ

رحمت کا ذکر اور فخر الدین رازی کی جولانیاں

علامہ فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کا ذکر کیا ہے تا کہ رحمت کی جمیع

انواع طلب کے کشکول میں تڑپنے لگ جائیں، آپ نے رحمت کی چھ انواع بیان فرمائی ہیں (70):

- **پہلی رحمت**

یہ ہے کہ دل میں ایمان کا نور آجائے اور کامل معرفت انسان کے باطن کو منور کردے۔

- **دوسری رحمت**

یہ ہے کہ جوارح اور اعضاء کو اطاعت، عبادت اور خدمت کا نور اور توفیق حاصل ہوجائے۔

- **تیسری رحمت**

یہ ہے کہ دنیا میں زندگی کو پرسکون گزارنے کے اسباب میسر آجائیں یعنی امن، صحت اور کفایت میسر ہوجائے۔

- **چوتھی رحمت**

یہ ہے کہ نزع کے وقت اللہ تعالیٰ سختیوں میں آسانی فرمادے۔

- **پانچویں رحمت**

یہ کہ قبر میں سوال میں آسانی اور برزخی معاملات میں سہولت ہوجائے۔

- **چھٹی رحمت**

یہ کہ بروز قیامت اللہ عذاب وعتاب سے محفوظ رکھے، گناہوں کی بخشش ہوجائے اور نیکیوں کا غلبہ ہو۔

فخر الدین رازی نے تو نہیں لکھا لیکن عرض کرتا ہوں کہ رحمت عالم ﷺ کی حضوری اور رحمت مل جائے۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

''پروردگار ہمارے! بے شک تو لوگوں کو ایسے دن میں جمع فرمانے والا ہے جس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں بے شک اللہ وعدے کی مخالفت نہیں فرماتا''۔

قرآن مجید کی پچھلی آیت '' اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ '' پر ختم ہوتی ہے۔ ان الفاظ اور کلمات میں اعتراف ہی اعتراف ہے۔ بندگی کے شعور کو اللہ نے خود الفاظ عطا کردیے ہیں۔ تسلیم کلمہ پڑھنے لگ جاتی ہے۔ '' بے شک تُو'' میں عقیدہ کا گہرا شعور بھی ہے اور عشق کی جلن بھی موجود ہے۔ بندہ مان لیتا ہے بے شک تو بہت بہت بہت ہی زیادہ دینے والا ہے۔ اس کے معاً بعد پھر دعائیہ ورد آبِ حیات کی لہر کو لفظوں کی مٹھی میں لے کر زمزمہ بپا کردیتا ہے۔

رَبَّنَآ

مفردات

رَبَّنَآ: اے ہمارے پروردگار
اِنَّكَ: بے شک تو
جَامِعُ: جمع کرنے والا
النَّاسِ: لوگ
لِيَوْمٍ: اس روز میں
لَا: نہیں
رَيْبَ: کوئی شک
فِيْهِ: اس میں
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
لَا: نہیں
يُخْلِفُ: مخالفت کرنا
الْمِيْعَادَ: میعاد، وعدہ
وہ وقت جس میں مراجعت ہوتی ہے

''اے ہمارے پروردگار''!!!

ربوبیت اور ہبہ کی نسبتیں بائیں طرف کے فرشتوں کے لیے کیا چھوڑتی ہوں گی۔

تفسیر ابن کثیر میں کسی جگہ پڑھا تھا:

> ''عہد رسالت میں ایک جنگ میں کچھ لوگ قیدی بنائے گئے۔ان میں ایک بچے والی عورت بھی تھی۔ بچہ گم ہو گیا، وہ عورت پاگلوں کی طرح اسے تلاش کرتی پھرتی، جب بچہ اُسے مل گیا تو بار بار اس کو اپنے دل سے لگاتی اور بار بار اُسے دودھ پلاتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا: ''کیا یہ عورت اپنے اختیار کے باوجود اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''اللہ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے۔
> کائنات میں جتنی عورتوں کو ماں بننے کی سعادت ملی ہے
> ان کی شفقتیں اللہ کی مہربانیوں کے شمّہ برابر بھی نہیں''۔

اب آیت میں ''رَبَّنَآ'' کی تلاوت کیجیے ''رَبَّنَآ'' ربّ کا اپنا سکھلایا ہوا لفظ ہے۔ربوبیت کے وسیلے سے دُعا مانگنا ربّ کی نعمتوں کا اعتراف بھی ہے اور اس کی قدرت کے سامنے اظہار عجز بھی ہے۔

اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ

''بے شک تو لوگوں کا جمع کرنے والا ہے''۔

جزا، عطا، بخشش، انعام کا ایک سلسلہ تو وہ ہے جو جاری ہے اور ایک اس کا روز میعاد ہے، وہ دن بھی مسلمانوں کو سکھایا گیا کہ ایسے مانو جیسے تم ''قرآن لاریب'' مانتے ہو۔وقوع قیامت کو بھی لاریب تسلیم کرو۔

زجاج کی بات دل اور روح میں اترتی ہے کہ راسخین فی العلم کو یہی تاویل سکھائی گئی کہ اللہ تعالیٰ سب کو بروز محشر جمع فرمانے والا ہے۔انہوں نے اس امر وقوعی کا اقرار کیا اور وہ لوگ جو منکر ٹھہرے وہ اہل زیغ ہیں۔ان کے معاملات مشتبہ ہو گئے (71)۔

گزشتہ دونوں آیتوں کا لب لباب یہی ہے:

- اللہ تعالیٰ کی توحید دل و جان سے مانی جائے۔

- قرآن حکیم کے منزل من اللہ ہونے پر یقین رکھا جائے اور ان کے محکم اور متشابہ ہر ایک پر ایمان رکھا جائے۔
- فتنے تلاش کرنے والے، مفاد پرست اور قرآنی حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے والوں کو اہل زیغ سمجھا جائے۔
- ہمہ دم دست بدعا رہنا چاہیے کہ اللہ دل ٹیڑھے ہونے کے عذاب سے محفوظ رکھے۔
- قیامت کے دن پر ایمان و یقین رکھا جائے۔
- راسخین فی العلم کی قدر کی جائے۔
- علم کو عقیدہ اور اعمال صالحہ سے رسوخ کی طرف پھیرا جائے۔

مفردات

اِنَّ: بے شک
الَّذِیۡنَ: وہ لوگ
کَفَرُوۡا: جنہوں نے انکار کیا
لَنۡ: ہرگز نہیں
تُغۡنِیَ: کام آئیں گے یا بچائیں گے انہیں
عَنۡہُمۡ: ان کی طرف سے
اَمۡوَالُہُمۡ: ان کے اموال
وَلَاۤ: اور نہ
اَوۡلَادُہُمۡ: ان کی اولادیں
مِّنَ: سے
اللّٰہِ: اللہ
شَیۡئًا: ذرہ بھر
وَاُولٰٓئِکَ: اور وہی ہیں
ہُمۡ: وہ
وَقُوۡدُ: ایندھن
النَّارِ: آگ

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡہُمۡ اَمۡوَالُہُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ شَیۡئًا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ وَقُوۡدُ النَّارِ ۙ﴿۱۰﴾

”بے شک وہ لوگ جنہوں نے انکار حق کیا اللہ کے عذاب سے نہ تو ان کے مال انہیں بچا سکیں گے اور نہ ہی ان کی اولادیں اور ایسے ہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں“۔

شان نزول

علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں (72):

”نجران کا وفد جب خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو اُن میں سے ایک شخص ابو حارثہ بن علقمہ نے اپنے بھائی سے کہا کہ میں اس حقیقت کو مانتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں لیکن میں اس حقیقت کو ظاہر نہیں کر سکتا اس لیے کہ رومیوں نے جو مجھے عزت اور مرتبہ عطا کر رکھا ہے اور مجھے مالی وظائف سے نوازتے ہیں وہ مجھ سے چھین لیں گے حالانکہ میری اور میری اولاد کی آسائش انہی سہولتوں کی بنا پر ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ”تمہارے اموال اور تمہاری اولاد کس کام آئے گی“۔

دنیوی زندگی میں دو چیزوں کو بڑا اہم جانا گیا ہے: ایک معاش ہے اور دوسری چیز معاشرہ ہے۔ معاش میں سرگرمیوں کا محور اموال ہوتے ہیں اور معاشرت میں ال اولاد کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ انسان اپنے ایمان کو مالی مفادات اور اولاد کی محبت میں ڈھیر کر دیتا ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں موضوع سخن کافرانہ زندگی ہے جس میں دین کے بنیادی اصولوں سے انکار پایا جاتا ہے۔ اس میں کفر پرستی کا وبال بتایا گیا ہے کہ دینی زندگی کا دارومدار جن چیزوں پر ہے وہ اللہ سے بچا نہیں سکتی

ہیں۔ ابوحیان اندلسی کہتے ہیں کہ بات چند خاص قسم کے منکرین کی ہوئی ہے لیکن آیت کا حکم تمام کافروں کو شامل ہے۔ یہ بھی کہ آیت میں اغنا کا مادہ اس طرف اشارہ کررہا ہے کہ اللہ سے بچانے کا مطلب اللہ کے عذاب سے بچانا ہے(73)۔

اس آیت کی تفسیر میں قرطبی نے ابن مبارک کی ایک حدیث حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا(74):

> ''یہ دین غالب آئے گا یہاں تک کہ سمندروں کو عبور کر لے گا یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں گھوڑے سمندروں میں ڈال دیے جائیں گے پھر اس کے بعد کچھ قومیں آئیں گی وہ قرآن حکیم پڑھیں گے اور جب وہ قرآن پڑھیں گے تو کہیں گے کون ہے جو ہم سے بڑھ کر قاری ہو؟ اور کون ہے جو ہم سے بڑھ کر علم والا ہو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:
>
> ''کیا تم ان میں کوئی خیر اور بھلائی دیکھتے ہو''؟
>
> اصحاب نے عرض کی:
>
> ''نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''!
>
> اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
>
> ''وہ تم میں سے ہوں گے اور وہ اس اُمت سے ہوں گے اور وہی آگ کا ایندھن ہوں گے''(74)۔

کفر تاریکی ہے انکار ظلمت ہے اور ڈھٹائی محرومی ہے۔ وہ لوگ جو دنیاوی دولت پر اتراتے ہیں، دین کو چھوٹا سمجھتے ہیں اور تکذیب کا مرض انہیں اندر سے چاٹ گیا ہے، ان سے اپنے کفر کی وجہ سے ہر وقار سلب ہو جائے گا اور یہ بے قدر و قیمت ہو کر ان لوگوں کے ساتھ محشور ہوں گے جو جہنم کی آگ کا ایندھن ہوں گے۔

❁❁❁❁❁

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ
فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾
قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ
الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾
قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ
بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

(11) ان کا حال بھی وہی ہونا ہے جو آل فرعون اور ان سے پہلے ان لوگوں کا ہوا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا کہ پکڑ لیا اللہ نے انہیں ان کے گناہوں میں اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے

(12) (محبوب) کفر کرنے والوں سے فرما دیں عنقریب تم مغلوب ہو گے اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے

(13) بے شک تمہارے لیے بہت بڑی نشانی تھی دو گروہوں میں جب مڈبھیڑ ہوئی ایک گروہ تو اللہ کی راہ میں قتال کر رہا تھا اور دوسرا منکرین حق کا گروہ تھا وہ دیکھتے انہیں تو ظاہری نگاہوں میں وہ دوگنا ہوتے اور اللہ اپنی مدد سے قوت دیتا ہے جسے چاہتا ہے، بے شک اس میں آنکھیں رکھنے والوں کے لیے ضرور ہی ایک عبرت ہے

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾

''ان کا حال بھی وہی ہونا ہے جو آل فرعون اور ان سے پہلے ان لوگوں کا ہوا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا کہ پکڑ لیا اللہ نے انہیں ان کے گناہوں میں اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے''۔

''داب'' کی لغوی تحقیق

''الدَاب'' کا معنیٰ عادت اور طریقہ ہے۔ کوئی شخص جب اپنے کام میں مسلسل لگا رہے، اُسے تھکن کی پرواہ ہی نہ ہو اور محنت شاقہ اس کے عزم کو توڑے نہ تو کہہ دیتے ہیں ''داب الرجل فی عمله''۔ قرطبی نے لکھا کہ ''الدائبان'' رات اور دن کو کہتے ہیں (75)۔

تاج العروس نے ٹھیک لکھا کہ کسی کام کو اتنا زیادہ کرنا کہ وہ عادت اور دستور بن جائے۔ راغب کی توضیح سے بھی یہی سمجھ آتی ہے کہ بلا انقطاع کام ''دئب'' ہوتا ہے (76)۔

جب یہ کہا جائے کہ ''دابهم كداب اٰل فرعون'' تو مفہوم یہ ہوگا کہ آپ ﷺ کے ساتھ رویہ کفار کا بالکل ایسے ہی ہے جیسے آل فرعون کا رویہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ سورۂ ابراہیم نے چاند اور سورج کے مسلسل چلنے کی وجہ سے انہیں ''دائبین'' کہا ہے (77)۔

قرآن مجید نے یہاں اس آیت میں حضور ﷺ کے زمانے کے منکرین کا رویہ بتایا کہ آیات باری کی تکذیب نے انہیں بھی فرعونی کردار سے قریب کر دیا ہے، جیسے وہ لوگ گستاخیوں اور بے باکیوں میں قعر مذلت میں جا پڑے تھے یہ اُس سے بھی آگے نکل گئے۔ آیت میں انہیں ڈرایا گیا کہ جیسے انہیں عتاب اور عذاب میں گرفتار کر لیا گیا انہیں بھی اللہ پکڑے گا، اب بھی یہ اگر لوٹ آئیں تو عذاب اور سزا سے بچ سکتے ہیں وگرنہ اللہ کی پکڑ تو بہت سخت ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

''(محبوب) کفر کرنے والوں سے فرما دیں عنقریب تم مغلوب ہو گے اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے''۔

حضور انور ﷺ بدر سے فارغ ہوئے۔ خوشبوؤں اور روشنیوں کے شہر مدینہ واپسی ہوئی۔ آپ نے یہود کو بنی قینقاع کے بازار میں جمع فرمایا اور ارشاد ہوا:

''اے یہود کے گروہ اسلام قبول کر لو پہلے اس کے کہ تم

مفردات

كَدَاْبِ: طریقہ، دستور یا رویہ
اٰلِ فِرْعَوْنَ: فرعون والوں کا
وَالَّذِيْنَ: اور وہ لوگ
مِنْ: سے
قَبْلِهِمْ: ان سے پہلے
كَذَّبُوْا: انہوں نے تکذیب کی
بِاٰيٰتِنَا: ہماری آیتوں کی
فَاَخَذَهُمُ: تو انہیں پکڑ لیا
اللّٰهُ: اللہ نے
بِذُنُوْبِهِمْ: ان کے گناہوں کے بدلے میں
وَاللّٰهُ: اور اللہ
شَدِيْدُ: سخت
الْعِقَابِ: عذاب

قُلْ: فرما دیں
لِّلَّذِيْنَ: ان لوگوں سے جو
كَفَرُوْا: کافر ہوئے
سَتُغْلَبُوْنَ: عنقریب تم مغلوب ہو جاؤ گے
وَتُحْشَرُوْنَ: اور تم جمع کیے جاؤ گے
اِلٰى: کی طرف یعنی جہنم کے اندر
جَهَنَّمَ: دوزخ کی آگ
وَبِئْسَ: اور بہت بُری
الْمِهَادُ: جگہ ہے یا ٹھکانہ ہے

بھی قریش کی طرح گرفت میں لے لیے جاؤ۔ اللہ سے
ڈرو تم جانتے ہو کہ میں اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا نبی ہوں
اور تم اپنی کتاب میں بھی یہ چیز پاتے ہو اور اللہ نے تم
سے عہد بھی لے رکھا ہے''۔

یہود نے کہا:

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو یہ بات دھوکہ نہ دے، آپ نے بدر
میں ان لوگوں کو قتل کیا ہے جو ناتجربہ کار تھے، انہیں فنون سپہ گری
سے شناسائی نہیں تھی، بے شک آپ لوگوں کو ایک موقع مل گیا
ہم حلفاً کہتے ہیں کہ تم لوگوں نے اگر ہم سے جنگ چھیڑی تو
ہماری بہادری کا اندازہ تمہیں اچھی طرح ہو جائے گا۔ اس پر
یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان نور سے
انہیں کہلوا دیا گیا:

''عنقریب تم یہودی لوگوں کو مغلوب کر لیا جائے گا
اور آخرت میں تمہیں نار جہنم کی طرف دھکیل دیا جائے
گا''(78)۔

تفسیر خازن کے مطابق آیت میں خطاب مشرکین مکہ کو ہے کہ عنقریب تم مغلوب ہو جاؤ گے اور بدر میں بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین سے کہا تھا:

''ان اللہ غالبکم و حاشر کم الی جھنم''

''بے شک اللہ تعالیٰ تم پر غالب ہے اور وہ تمہیں آتش جہنم کی طرف ہانکنے والا ہے''(79)۔

شان نزول کی تیسری روایت ایسی ہے جو ماحول کا منطقی تجزیہ کرتی ہے اور سوچنے والے دماغ کے لیے مدینہ کی تحریکی زندگی میں افکار چینی کا موقع فراہم کرتی ہے:

''اللہ تعالیٰ نے جب بدر میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور
آپ کے ساتھیوں کو فتح و نصرت سے نوازا، مکہ کے
مشرکین پسپا ہوئے تو مدینہ میں ایک نئی فضا قائم ہوئی۔
یہودی اپنے محسوسات کو زبان پر بے دھڑک لانے لگ

درمنثور میں ہے جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث بیان کرتے ہیں، ام سلمہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں،
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں اکثر فرماتے (63):

اللھم مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:
میں نے عرض کی یا رسول اللہ!
کیا دلوں کو بھی پھیرا جاتا ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کی مخلوق میں کوئی بھی ایسا نہیں جس کا دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان نہ ہو۔ اللہ چاہے تو انہیں مستقیم رکھتا ہے اور چاہے تو ٹیڑھا کر دیتا ہے، تو ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں وہ اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائے، وہی بڑا عطا کرنے والا ہے''۔

میں نے عرض کی مجھے کوئی دعا سکھا دیں جو میں اپنے لیے مانگا کروں
فرمایا کیوں نہیں یہ دعا کیا کرو!

اللھم رب النبی محمد اغفر لی ذنبی و اذھب غیظ قلبی و اجرنی من مضلات الفتن ما احییتنی

''اے اللہ! اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب، میرے گناہوں کی بخشش فرما اور میرے دل کی سختی کو دور فرما اور جب تک مجھے زندہ رکھ بھٹکا دینے والے فتنوں سے بچا کے رکھ''۔

عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (64):

''ابن آدم کا دل چڑیا کی طرح ہے ایک دن میں سات مرتبہ گھوم جاتا ہے''۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (65):

''یہ دل پرندے کے پَر کی طرح ہے جو کھلی زمین میں پڑا ہو تو ہوائیں اسے الٹاتی پلٹاتی رہتی ہیں''۔

خالد بن معدان نے اپنے دادا سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (66):

صف آرا ہو رہے ہیں۔ قبیلے کنبے کے لحاظ سے یہ ایک دوسرے سے نا آشنا نہیں، زیادہ تر لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ فضا حدت سے عرق آلود ہے لیکن آسمانی ستاروں کی شوخیاں بتاتی ہیں کہ یہاں کوئی بڑا معرکہ بپا ہونے والا ہے۔ ہواؤں کا باہم ٹکرانا مزاج فطرت کی برہمگی کی دلیل بنا ہوا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ایک طرف تکبر، نخوت، شرارت، شوخی، حسد، رقابت اور حق دشمنی ظلمتیں اور اندھیرے بکھیر رہی ہے۔ تمام اونچی گردنوں والے شیطنت اور محرومی، شرک اور قنوطیت کے پرچم بردار بنے ہوئے ہیں اور دوسری طرف نور و رحمت کے ہالے بنائے اصحاب رسول ﷺ ہیں۔ ان کے مرشد اور ھادی ربوبیت باری کی برھان بن کر اپنے چاہنے والوں کے گرد نور کا حصار بنا رہے ہیں۔ اس رحمت مآب گروہ کے ہر فرد کی زبان پر احد احد کے رزمیہ ترانوں کی گونج ہے۔ شرکائے رزم کی نظر بار بار اپنے سالار کارواں کے رُوئے تابندہ سے تسکین کے انعامات پا رہی ہے، یقین و ایمان کے ابرِ رحمت ان کو اپنے سائے میں لیے ہوئے ہیں۔ سورۂ ال عمران کی یہ آیت اپنے قاری کو دعوت دیتی ہے کہ دیکھ لو اس منظر کو، تسلی سے دیکھ کر تاریخ کی کانوں سے موتی چننے کی کوشش کرلو۔ فردوسی گل گشت کا شباں تمہیں خود دعوت نظارہ دے رہا ہے اور تمہارے شعور کو فکر و عقیدہ کے متلاطم سمندر میں غوطہ زن ہونے کی دعوت دیتا ہے یقین کرلو کہ تمہارے لیے ان دونوں فوجوں کے ٹکراؤ میں ایک نشانی ہے، نمونہ ہے، آیت ہے اور سنبھلنے کا سامان ہے۔

ایک گروہ کا قتال اللہ کی راہ میں تھا اور دوسرا گروہ کفر کی کالک میں سرتاپا اندھیری رات کا ٹوٹا ہوا منحوس ٹکڑا بن کر حق کی روشنیوں کو نگلنے کے لیے برسر جنگ تھا۔ مسلمانوں کی تعداد 313 تھی۔ ان میں ستتر (77) مہاجرین تھے اور دوسو چھتیس (236) انصار۔ مہاجرین کا پرچم علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ہاتھ میں تھا اور انصار کا پرچم سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے۔ ان کے پاس کل ستر اونٹ، دو گھوڑے، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں، جب کہ دشمن کی فوج ہزار سے بھی زیادہ تھی اور تماشا یہ کہ تمام کیل کانٹے سے لیس تھے۔ قرآن مجید بدر کے اس منظر کو عبرت گیری، شعور سازی اور حر کی زندگی کا نمونہ بنا کر پیش کر رہا ہے۔

آیت کا دعوتی مرکز مسلمانوں کا اللہ کی راہ میں ہونا ہے اور اللہ کی راہ میں جو کمک اور مدد ملتی ہے اس نعمت کو اللہ کریم نے آیت میں بیان فرمایا ہے کہ میدان جنگ میں کافروں کو مومنین اپنی تعداد سے دوچند نظر آرہے تھے۔ یہ مسلمانوں کی کامیابی کا اصل راز تھا کہ اللہ قدم قدم پر مسلمانوں کی مدد فرما رہا تھا اس لیے کہ اسلامی تربیت نے ان کو تگ و تاز کے میدان میں شعلۂ جوالہ بنا دیا تھا۔ کافروں نے جب دیکھا کہ مسلمان جم جم کر ان پر حملہ زن ہو رہے ہیں تو وہ سمجھنے لگے ہر دم تازہ مدد اور رسد مسلمانوں کو مستحکم

کر رہی ہے۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے مسلمان ان کو کم نظر آتے تھے اور آخر جنگ میں مسلمان جیسے دوگنا ہو گئے ہیں۔ یہ طریق تفسیر وہ ہے جو منطقی ہے کہ پہلے کافر مسلمانوں کو کم دیکھتے تھے بعد ازاں جب وہ پسپا ہو کے تتر بتر ہوئے تو مسلمان دوگنا نظر آنے لگے، یوں ہی مسلمان آغاز جنگ میں کافروں کو زیادہ پا رہے تھے اور جب اللہ نے انہیں مدد سے نوازا تو مسلمان خود کو ان سے ڈبل دیکھنے لگے۔ مفسرین نے جس طرح فرشتوں کی تعداد سے کمک اور روحانی اعتبار سے لشکر کا دو چند ہو جانا لکھا مجھے اس سے بھی انکار نہیں لیکن سورۂ انفال کی آیت ''يُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ'' کو اس آیت کے ساتھ ملا کر پڑھنے میں تفسیر وہ ہی مضبوط نظر آتی ہے جو درج کر دی گئی۔

مفسرین کے نقل کردہ چار احتمالات

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

- پہلا احتمال یہ ہے کہ دیکھنے والا گروہ کافروں کا ہے اور جو دکھائے وہ مجاہدین بدر ہیں۔
- دوسرا احتمال یہ ہے کہ دیکھنے والے مسلمان تھے اور جو دکھائے گئے وہ کافر تھے، انہوں نے کافروں کو دو مثل تھا۔
- تیسرا احتمال یہ ہے کہ خطاب یہود سے ہے کہ انہوں نے کافروں کو مسلمانوں کی نسبت تیاری میں دوگنا دیکھا (82)۔
- چوتھا احتمال تو رازی نے کچھ اور لکھا البتہ تفسیر میں جو احتمال پڑھا وہ قوی ہے کہ جنگ سے پہلے دونوں گروہ ایک دوسرے کے بارے میں اور اندازہ رکھتے تھے اور جنگ میں مسلمانوں کے غلبہ کے بعد دو گروہوں میں اندازِ فکر بدل گیا۔

واللہ اعلم

آیت میں ''عبرت'' کا معنیٰ

''عبرت'' ایسی نشانی کو کہتے ہیں جس سے آدمی جہالت سے نکل کر علم کے ماحول میں قدم رکھتا ہے۔ اس کی اصل ''عبور'' ہے جو ایک طرف سے دوسری جانب نکل جانا ہوتا ہے۔ ''عبارۃ النص'' وہ کلام ہوتا ہے جو مخاطب کو متعدد معانی کے ابلاغ کے لیے بولا جائے۔ ''عبارۃ الرویا'' خواب کی تعبیر ہوتی ہے (83)۔

واللہ اعلم

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۚ﴿۱۵﴾

(14) آراستہ کردی گئی لوگوں کے لیے عورتوں سے تکمیل خواہشات کی محبت اور بیٹوں اور تہ بہ تہ سونے اور چاندی کے ڈھیروں اور نشان زدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیت سے یہ تو محض دنیوی زندگی کا سامان ہے اور حسین آماجگاہ تو اللہ کے پاس ہے

(15) (اے حبیب) فرمادیں کیا میں تمہیں ان سب سے بہتر چیز کی خبر اپنے خداداد علم کے ساتھ نہ دے دوں کہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے تو اُن کے ربّ کے ہاں باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں رواں دواں ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور پاکیزہ جوڑے ہیں اور خوشی ہی خوشی اللہ کی طرف سے نصیب ہوگی اور اللہ اپنے بندوں پر خوب نظر رکھنے والا ہے

مفردات

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

''آراستہ کردی گئی لوگوں کے لیے عورتوں سے تکمیل خواہشات کی محبت اور بیٹوں اور تہ بہ تہ سونے اور چاندی کے ڈھیروں اور نشان زدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیت سے یہ تو محض دنیوی زندگی کا سامان ہے اور حسین آماجگاہ تو اللہ کے پاس ہے''۔

بصارت اور بصیرت کی خوبصورت علامت یہ ہوتی ہے کہ انسان کو ہر چیز کی قیمت معلوم ہو، وہ حسن کو دیکھنے والی آنکھ سے محروم نہ ہو۔ اس کے مشام خوشبوؤں اور ذائقوں کی لطافت سے آگاہ ہوں اور اُس کا ذہن کسی چیز کی قدر جاننے میں جھول کا شکار نہ ہو۔ وہ ایمان کی فضیلت کو بھی سمجھتا ہو اور دنیا کا استعمال بھی اُسے آتا ہو۔ صوری اور معنوی سعادتوں کو میزان حقیقت میں رکھ کر پرکھنے والا ہی مومن اور مسلم ہوسکتا ہے۔ گزشتہ آیت میں ایمان، جہاد اور اللہ کی رضا کا راستہ بتایا گیا تھا اب اس آیت میں دنیا کے بارے میں مومنانہ سوچ کی عکاسی کی جاتی ہے۔

لوگوں کے لیے پسندیدہ

قرآن مجید کی یہ آیت واشگاف اعلان کرتی ہے اور مسلمانوں کی تربیت کرتے ہوئے اُسے احساس دلاتی ہے کہ لوگوں کے لیے مبینہ مرغوبات کی محبت آراستہ کردی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں سے کلیتہً بچا تو نہیں جاسکتا ہے لیکن مومنین نے کوشش کرنی ہوگی کہ مرغوبات اللہ کی محبت سے رخ نہ پھیر دیں۔ اس محبت کو احتیاط سے استعمال کرنا بصیرت کا اولین تقاضا ہوگا، وگرنہ صحیح بات تو یہی ہے کہ اس کائنات میں انسانی زندگی کی ترقی اور نشوونما کے لیے ان میلانات کا موجود ہونا ضروری بھی سمجھا گیا ہے لیکن ستم تو یہ ہوگا کہ مقناطیس اور لوہے کی طرح ان مرغوبات اور شہوات سے چمٹ ہی جائے۔

یہ تنبیہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ شیطان مختلف اعمال کا بازار حضرت انسان کے لیے ہمہ دم سجانے میں مصروف رہتا ہے۔ قرآن مجید کا حوالہ اس پر موجود ہے (84):

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ

''اور ان کے لیے شیطان نے ان کے اعمال آراستہ کردیے''۔

اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن حکیم میں ان چیزوں کو وجہ ابتلا قرار دیا ہے۔

زُيِّنَ: آراستہ کردیا گیا
لِلنَّاسِ: لوگوں کے لیے
حُبُّ: محبت
الشَّهَوٰتِ: نفس کی مرغوب چیزیں
مِنَ: سے
النِّسَآءِ: عورتیں
وَالْبَنِيْنَ: اور بیٹے، اولاد
وَالْقَنَاطِيْرِ: خزانے، ڈھیروں میں مال
الْمُقَنْطَرَةِ: جمع کیے ہوئے
مِنَ: سے
الذَّهَبِ: سونے
وَالْفِضَّةِ: اور چاندی
وَالْخَيْلِ: اور گھوڑے
الْمُسَوَّمَةِ: نشان لگائے ہوئے
وَالْاَنْعَامِ: اور چوپائے
وَالْحَرْثِ: اور کھیتی
ذٰلِكَ: یہ
مَتَاعُ: فائدہ اُٹھانا ہے
الْحَيٰوةِ: زندگی
الدُّنْيَا: دنیا
وَاللّٰهُ: اور اللہ
عِنْدَهٗ: اس کے پاس
حُسْنُ: اچھا
الْمَاٰبِ: لوٹ کر جانے کی جگہ، ٹھکانہ

ارشاد باری ہے(85):

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَۃً لَّھَا لِنَبْلُوَھُمْ اَیُّھُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

''ہم نے زمین پر جو کچھ ہے اُسے ان کے لیے زینت بنا دیا تا کہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون اچھے عمل بجالاتا ہے''۔

آیت میں تربیت یہ ہے کہ ایمانی، روحانی اور مبنی بر تقویٰ اقدار زندگی میں مسدود نہیں ہونی چاہییں، یہ نہ ہو کہ انسان دنیاوی لذات ہی کا گرویدہ بن جائے۔ قرآن مجید کا انداز تعبیر اس نوعیت کا ہے کہ آیت میں بیان ہونے والے مرغوبات مکروہ اور غلیظ نظر نہیں آتے بلکہ ہر شئی کا بے محابا غلط اور خلاف شریعت استعمال بُرا محسوس کروایا جاتا ہے۔ اصل میں سوچوں کی شائستگی اور سمجھ کی بالیدگی اور عمل کی طہارت اور روحانیت کی جاذبیت اور حسن پرستی کی احتیاط سکھائی جارہی ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ عورت تصویر کائنات کا رنگ بھی ہے لیکن ماں کے مقام پر فائز ہونے والی عورت جب بگڑ جائے تو وہ کریہہ بھنگ بھی ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ماترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من انساء

''میں نے اپنے بعد رجال پر عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں چھوڑا''۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ دنیا کی بہترین متاع نیک بیوی ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ انسان دنیا میں کھو کر اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جائے اور اس کی زندگی بے مقصد نہ ہو کر رہ جائے۔

''قناطیر'' سے مراد کیا ہے؟

جلالین نے لکھا کہ اموال کثیر کو ''قنا طیر'' کہتے ہیں (86)۔ بنیادی طور پر ''قنا طیر''، ''قنطار'' کی جمع ہے جس کا معنیٰ محکم چیز ہوتا ہے۔ علامہ راغب اصفہانی نے ''قطر'' کے مادہ میں اسے نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس لفظ کا اساسی معنیٰ گرہ لگا کر پختہ کرنا ہوتا ہے۔ ''مقنطرہ'' کا معنیٰ رسی میں کئی بار اس کی تہیں بٹ دینا ''مقنطرہ'' ہوتا ہے(87)۔ فخر رازی نے بھی زیادہ مال ہی سے اس کا ترجمہ کیا(88)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بارہ ہزار اوقیہ کا ''قنطار'' ہوتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق دس ہزار کا ہوتا ہے اور کلبی کے مطابق رومی لوگ ''قنطار'' کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ بیل کی کھال کو سونے اور چاندی سے بھر دیا جائے، تین کا قول بھی کلبی سے مروی ہے(89)۔

مفردات

قُلْ: فرما دیجیے
اَؤُنَبِّئُكُمْ: میں تمہیں بتادوں
بِخَيْرٍ: بہتر چیز کے بارے میں
مِّنْ: سے
ذٰلِكُمْ: تمہارے لیے اس سے
لِلَّذِيْنَ: ان لوگوں کے لیے
اتَّقَوْا: جو متقی ہوئے
عِنْدَ: نزدیک
رَبِّهِمْ: ان کے رب
جَنّٰتٌ: باغات
تَجْرِيْ: رواں ہیں
مِنْ تَحْتِهَا: ان کے نیچے سے
الْاَنْهٰرُ: نہریں
خٰلِدِيْنَ: ہمیشہ رہنے والے
فِيْهَا: اس میں
وَاَزْوَاجٌ: اور بیویاں
مُّطَهَّرَةٌ: پاکیزہ
وَّرِضْوَانٌ: اور رضا
مِّنَ اللّٰهِ: اللہ کی
وَاللّٰهُ: اور اللہ
بَصِيْرٌ: دیکھنے والا
بِالْعِبَادِ: بندوں کو

''قنطار'' کا روحانی حوالہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جس شخص نے رات کو دس آیتیں تلاوت کیں اسے ذاکرین کے درجہ میں لکھ دیا جائے گا اور جس نے سو آیات کی تلاوت کی رات کو اسے ''قانتین'' کے درجہ میں لکھ دیا جائے گا اور جس شخص نے پانچ سو آیات رات کو تلاوت کیں تو اجر و ثواب میں ''قنطار'' یعنی ڈھیروں ڈھیر جزا پالے گا''(90)۔

چندروزہ زندگانی کا ساماں

آیت میں جو مرغوبات مذکور ہوئے وہ یہ ہیں:

1۔ عورتیں
2۔ اولاد
3۔ مال و دولت
4۔ بہترین سواریاں
5۔ جانور
6۔ زراعت اور فصلیں

سید قطب نے درست لکھا(91) یہ سب دنیا کی چندروزہ حیات کے لیے ساز و سامان ہے جو اعلیٰ و ارفع اور دائمی زندگی کا سامان نہیں، نہ یہ چیزیں عروج روحانی سے نوازتی ہیں، یہ تو زندگی کو ظاہری زینت دینے والی چیزیں ہیں۔ ہاں وہ شخص جو بلند آشیانے کی تلاش میں ہو اس کے لیے تو ''رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ'' ہی وہ عرش معلیٰ ہے جہاں سے معرفت کے جلوے بٹتے ہیں، ''نور علیٰ نور'' زندگی تو ایسی ہی زندگی ہے، اللہ سب کو نصیب فرمائے۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

''(اے حبیب) فرما دیں کیا میں تمہیں ان سب سے بہتر چیز کی خبر اپنے خداداد علم کے ساتھ نہ دے دوں کہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے تو اُن کے رب کے ہاں باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں رواں دواں ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور پاکیزہ جوڑے ہیں اور خوشی ہی خوشی اللہ کی طرف سے نصیب ہوگی اور اللہ اپنے بندوں پر خوب نظر رکھنے والا ہے''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں معلم رضا ورضوان حضرت محمد مصطفی ﷺ کی زبان نور سے اہل تقویٰ کا مقام ومرتبہ بتایا جارہا ہے اور اس حقیقت کو بے نقاب کیا جارہا ہے کہ ذہن، دل، شعور اور عمل میں تبدیلی اور انقلاب کے بغیر قرآنی اقدار کی طلب پیدا نہیں کی جاسکتی۔ اخروی نعمتوں کا اندازہ تو وہی شخص کرسکتا ہے جس کا ایمان اخروی زندگی پر مضبوط ہو۔ آخرت کا ساز وسامان صرف انہی لوگوں کا مقدر بن سکتا ہے جو خوف خدا سے اپنے دلوں کو بھر لیں اور ''تقویٰ'' کی راہ چلنے کی کوشش کریں۔ اہل تقویٰ کے لیے ''عِنْدَ رَبِّهِمْ'' کے الفاظ ''ان کے ربّ کے ہاں'' جس مقام رضا کی طرف شعور کو پھیرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اپنی تمام لذتوں کے ساتھ آیت میں خود جنت کے صد ساماں کیے ہوئے ہیں۔ اصل میں تقویٰ انسان میں شہوات اور مرغوبات میں کھو جانے سے بچنے کا شعور دیتا ہے اور حلال وحرام کی حد بندیوں کی پہچان پیدا کرتا ہے۔ زندگی کی نعمتوں کا فرق ملاحظہ ہو کہ یہاں جو نعمتیں ہیں وہ ابدی نہیں لیکن وہاں اگر نعمتوں کی فراوانی ہوگی تو ساتھ ہی خلود ہوگا۔

اس آیت کی تشریح میں نفیس قول ابن کثیر کا ہے جو انہوں نے مسند امام احمد بن حنبل کے حوالے سے نقل کیا (92)۔

حضور ﷺ کے صفحۂ دل پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

جب تو نے مرغوبات کی محبت سے نواز دیا تو اب۔۔۔؟ اس پر اس آیت کا نزول ہوا۔

اے محبوب ﷺ ان سے فرما دیجیے!

میں تمہیں اس سے بہترین چیز بتلانے لگا ہوں! یہ تو ایک نہ ایک دن زائل ہو جانے والی ہے اور میں تمہیں جس چیز کی طرف بلا رہا ہوں وہ خلود اور دوام رکھتی ہے۔

سن لو! اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے جنت ہے جس کے کنارے کنارے اور جس کے درختوں کے درمیان نوع بنوع نہریں بہہ رہی ہیں

کہیں شہد کی نہریں

کہیں دودھ کی ندیاں

کہیں شراب طہور کی آب جو ہیں

کہیں نفیس ولطیف پانی کے متلاطم دریا

ایسی نعمتیں جو نہ کسی کان نے سنیں

اور نہ کسی آنکھ نے دیکھیں

اور نہ ان نعمتوں کا خیال کسی دل سے گزرا
جی ہاں ''تقویٰ'' کا حسن رکھنے والے
پاکباز
ابدالآباد تک انہی باغات میں رہیں گے
اور نہ یہ نکالے جائیں
اور نہ ان کی نعمتیں گھٹیں
اور نہ ہی ان پر فنا آئے
وہاں انہیں پاکیزہ جوڑے عطا کیے جائیں گے
میل کچیل سے صاف، گندگیوں سے بری، حیض نفاس سے مبرّا
صاف ستھری اور پاکیزہ
اس سے بالا کہ اللہ کی رضامندی
ایسی رضا جس کے بعد ناراض ہونے کا کھٹکا تک نہ ہو۔
سبحان اللہ
سبحان اللہ، سبحان اللہ
سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم
رِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ
مفسرین نے لکھا:
فھو ازید فی ایجاب السرور من تلک المنافع
جنت کی بہاریں اپنی جگہ
ارغوانی رنگوں کی جھلمل سبحان اللہ
اچھلتی کودتی آبشاریں
گرتے ابھرتے جھرنے
آنکھوں میں اترتے ملکوتی پیکر
چھلکتے جام، آتشیں شباب اور رحمت رنگ ملبوسات
شفاف نہریں

اور نظر افروز لانبے لانبے درختوں کے گھنیرے سائے
جلوۂ توحید کے شموس روحانی سے پھوٹتی روشنیاں
مسرتیں ہی مسرتیں
خوشیاں ہی خوشیاں، جلوے ہی جلوے
رنگوں، خوشبوؤں اور روشنیوں کی بہار
لیکن ان سب سے زیادہ، ان سب سے بڑھ کر
رِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ -----
رِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اکبر-----
رازی نے خوبصورت کہا(93):

رضوان کیا ہے؟ اللہ کی نورانی تجلیات بندے کی روح میں آ جاتی ہیں اور بندہ اپنے الٰہ کے عرفان میں ڈوب جاتا ہے۔ اسے پہلا انعام یہ ملتا ہے کہ وہ اللہ سے راضی ہو جاتا ہے اور دوسرا انعام اس پر یہ برستا ہے کہ اللہ اُس سے راضی ہو جاتا ہے اسی رضوان بستی کا دوسرا نام جنت ہے۔ اللہ اکبر اس حسن آباد کو اور ابدالآباد کی نسیم ریاض کو کون روح میں سمو سکے گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا(94):

اللہ تعالیٰ اہل جنت کو آواز دے گا
اے جنت والو!!!!!
وہ بولیں گے؟
لبیک ربنا و سعدیک
حاضر ہیں
حاضر ہیں
ہمارے پروردگار! بھلائیوں کا مرجع تو ہی ہے
''ربّ فرمائے گا''!!!!!
کیا تم راضی ہو، خوش ہو اور مسرور
وہ عرض کریں گے ہم کیوں نہ راضی ہوں ''ربّ ہمارے''!!!!!
تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا کیں جو کسی اور کو نہ دیں

ربّ کہے گا میں تمہیں اس سے بھی اعلیٰ و بالا اور ارفع و امجد دینے لگا ہوں

جنتی بولیں گے وہ کیا؟؟؟

ربّ فرمائے گا! اپنی رضا

رِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ

رِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ

اللہ بھی بڑا ہے

اور

اللہ کی رضا بھی بہت بڑی ہے

اللہ اکبر

اللہ اکبر

وَّرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اکبر

اللہ بڑا، اس کی رضا بڑی اور اس کی جنت بھی بہت بڑی

کیا بات ہے اس میں رہنے والوں کی؟

''بلے بلے''، ''بڑے بڑے''۔

وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ

اللہ ہر ایک کو دیکھتا ہے لیکن محبت سے دیکھنا اور ہے اور علم سے دیکھنا اور ہے۔ مفسرین نے لکھا کہ بصیرت دل سے دیکھنا اور دل سے جاننا ہوتا ہے۔ جلالین نے لکھا کہ یہاں ''بَصِیۡرٌۢ'' سے مراد یہی ہے (95) کہ اللہ اپنے بندوں کو جاننے والا ہے اسی لیے وہ ان کے اعمال کی احسن جزا عطا فرمائے گا۔ فخر الدین رازی نے بھی یہی لکھا کہ اللہ اپنے بندوں کے مصالح امور کو جاننے والا ہے اس لیے بندوں کو چاہیے کہ وہ اپنے لیے وہ کام پسند کریں جو اللہ کو پسند ہو، اس لیے کہ اللہ نے ان کاموں پر جزا عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔ بندہ صرف دنیاوی کاموں سے دور رہے، وہ کام جن سے اللہ نے دور رہنے کا حکم دیا ہے اور خصوصی توجہ کے لائق امر یہ ہے کہ اللہ کے ذکر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بندہ غافل نہ ہو (96)۔

❁❁❁❁❁

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ
النَّارِ ﴿١٦﴾
اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ
بِالْاَسْحَارِ ﴿١٧﴾
شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا
بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾

(16) ایسے لوگ کہتے رہتے ہیں پروردگار ہمارے! ہم ایمان لائے سو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں دوزخ کی سزا سے بچالے

(17) (یہ لوگ) صبر کرنے والے، سچائی اختیار کرنے والے اور مؤدب فرمانبردار اور خرچ کرنے والے اور رات کے پچھلے پہروں میں بخشش طلب کرنے والے ہوتے ہیں

(18) خوب کھول دی ہے اللہ نے یہ بات کہ کوئی معبود نہیں ہوسکتا سوائے اس کے اور تمام فرشتے اور اہل علم انصاف کے ساتھ اس بات پر قائم ہیں کہ کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اس معبود برحق کے جو غالب حکمت والا ہے

مفردات

اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾

''ایسے لوگ کہتے رہتے ہیں پروردگار ہمارے! ہم ایمان لائے سو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں دوزخ کی سزا سے بچالے''۔

یہ آیت عظیم راز منکشف کر دیتی ہے کہ وہ لوگ جو رضوان اکبر کی روحانی دولت سے بہرہ ور ہوتے ہیں ان کی خاص نشانی اور علامت کیا ہوتی ہے؟ پہلے تو بتایا گیا تھا کہ وہ متقی ہوتے ہیں، پاک باز ہوتے ہیں اور فرماں بردار لیکن اس آیت میں اللہ کے ساتھ ان کے ربط روحانی کا جلوہ قاریٔ قرآن کو بتایا جارہا ہے کہ وہ لوگ طلب اور ایمان کے نور میں ڈوبے ہوئے لوگ ہوتے ہیں۔ انہیں اللہ نے بلندیوں پر پہنچایا ہوتا ہے وہ ذہناً ملأ اعلیٰ ہی میں اللہ اللہ کر کے زندگی گزارنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ قرآن نے ان کی اتنی زبردست تربیت کردی ہوتی ہے کہ انہیں اپنی ہر کمزوری، گناہ اور خطا پہاڑ کی طرح محسوس ہوتی ہے، اس لیے وہ اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ربّ ربّ ربّ کرتے رہتے ہیں۔ وہ ایمان کا اظہار کر کے ایک روحانی دھماکہ کر کے اپنے تمام گناہوں اور خطاؤں کو بھسم کر دینے کے عاشق ہوتے ہیں، اسی لیے تو قرآن ان کی یہ نشانی بیان کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں پروردگار ہمارے! بے شک ہم ایمان لے آئے ہیں سو تو ہمارے گناہوں کی بخشش فرمادے اور ہمیں آتش جہنم سے بچالے۔

ابوحیان اندلسی نے اس آیت سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے (97) کہ آیت میں پہلے اقرار ایمان کی بات کی گئی ہے، اس کے بعد کہا گیا ہے کہ ربّ ہمارے! ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے اور آخرت میں دوزخ کی آگ سے بچنے کی عرضی ہے، یہ ترتیب بتاتی ہے کہ صلاحیتوں کے عروج اور نکھار میں انہی تین چیزوں کا تعلق ہے۔ (1) مضبوطیٔ ایمان (2) دوسری چیز اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھتے ہوئے گناہوں پر طلب مغفرت (3) اور تیسری چیز خوف آخرت، یہ تین ہی فکری خزانے ہیں جن سے تقویٰ کا جہاں آباد کیا جاسکتا ہے۔

اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

''(یہ لوگ) صبر کرنے والے، سچائی اختیار کرنے والے اور مؤدب فرمانبردار اور خرچ کرنے والے اور رات کے پچھلے پہروں میں بخشش طلب کرنے والے ہوتے ہیں''۔

سورۂ ال عمران کی یہ آیت ان لوگوں کے کردار سے قرآن پڑھنے والوں کو آگاہ کرتی ہے جنہیں گلبن معرفت کی ہواؤں نے منزل محبوب تک پرواز بخش دی ہو، وہ تضرع اور زاری کا وظیفہ پڑھتے

اَلَّذِیْنَ: وہ جو
یَقُوْلُوْنَ: کہتے ہیں
رَبَّنَآ: پروردگار ہمارے
اِنَّنَآ: بے شک ہم
اٰمَنَّا: ایمان لائے ہم
فَاغْفِرْ لَنَا: ہمارے لیے بخشش خاص کردے
ذُنُوْبَنَا: ہمارے گناہوں کے لیے
وَقِنَا: اور بچا ہمیں
عَذَابَ: عذاب سے
النَّارِ: آگ
یعنی جہنم کے عذاب سے ہمیں محفوظ رکھ

اَلصّٰبِرِیْنَ: صبر کرنے والے
وَالصّٰدِقِیْنَ: سچے لوگ صدق والے
وَالْقٰنِتِیْنَ: فرماں بردار، وہ لوگ جو اطاعت اور عبادت کے نور سے اپنی صلاحیتوں میں اضافہ کرتے رہتے ہیں
وَالْمُنْفِقِیْنَ: مال خرچ کرنے والے
وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ: گناہوں پر بخشش طلبی کرنے والے
بِالْاَسْحَارِ: رات کے پچھلے حصے میں بوقت سحر

رہتے ہیں ۔ بلا شبہ وہ عاشق مہجور سے زیادہ تڑپتے ہیں ۔ہوتے حالت وصل میں ہیں لیکن تڑپتے دیوانوں کی طرح ہیں ۔قرآن مجید کی یہ آیت ان کی پہلی نشانی یہ بتاتی ہے کہ وہ صبر کرنے والے ہوتے ہیں ۔صبر کی پہلی قسم شدائد ومحن میں صبر ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے مبتلائے بلا کرتا ہے۔صبر کرنے پر اللہ اُسے اپنا برگزیدہ بنا دیتا ہے، اُسے دوستی اور ولایت کی رسی پکڑا دیتا ہے، پھر وہ ہمیشہ محبت کے ماحول میں رہتا ہے۔صبر کی دوسری قسم گناہوں سے رکنا ہے اور صبر کی تیسری قسم اللہ کی راہ میں جم کر جہاد کرنا ہے اور میرے پیرومرشد فرمایا کرتے تھے: ''اللہ کے ذکر پر یکسوئی سے قائم رہنا اور غافل نہ ہونا صبر ہے''۔ابن عطا نے کہا کہ ''اَلصّٰبِرِیْنَ'' وہ ہیں جو اللہ کے احکام پر بجا آوری میں مستقیم رہتے ہیں۔بعض صوفیاء نے فرمایا کہ ''اَلصّٰبِرِیْنَ'' وہ ہوتے ہیں جو اللہ کی مشیّت سے اللہ کی قضائے تقدیری کے معاملات میں صبر کرتے ہوں۔حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے حال پر محفوظ رہنا صبر ہے۔شیخ ابوعمرو مکی کا قول ہے کہ اللہ کی تقدیر میں ثابت قدم رہنا صبر ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ مقصود کی سچائی پر ڈٹ جانے والا صابر ہوتا ہے۔تفسیر مواہب (98) نے یہ قول بھی نقل کیا کہ اللہ کی طلب میں ثابت قدم رہنے والے محبوب کے وصل میں تڑپنے والے اور اس راہ کی صعوبتوں سے نہ تھکنے والے اور شکوہ کو اپنے نزدیک نہ لانے والے ہی ''اَلصّٰبِرِیْنَ'' ہوتے ہیں۔

دوسری صفت ان کا ''اَلصّٰدِقِیْنَ'' میں سے ہونا ہے۔صادق وہی شخص ہوتا ہے جو سچ بولتا ہے اور کردار کے اعلیٰ اصولوں پر قائم رہتا ہے۔دل میں جو عقیدہ رکھتا ہے اس پر وہ عمل بھی کرتا ہے اور نفاق، جھوٹ، مکروفریب اور گندگی سے دور رہتا ہے۔شیخ ابن عطا نے لکھا کہ ''اَلصّٰدِقِیْنَ'' وہ ہیں جنہوں نے عالم ارواح میں اللہ سے عہد باندھا تھا اس پر جم کر زندگی گزار دی اور اپنے اقرار کی خوشبو زندگی بھر سونگھتے رہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ ''اَلصّٰدِقِیْنَ'' وہی ہیں جو اللہ کی توحید اور محبت میں قول کے پکے رہے۔ میرے پیرومرشد حضرت لالہ جی محمد جمشید رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: ''سچا شخص وہ ہے جو زبان کی حفاظت اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملات میں ٹھوکر نہ کھائے''۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ صدق اور سچ باقاعدہ ایک چلّہ ہے جس چلّے کا نام راست بازی ہے، یہ اہل محبت ہی کو اللہ عطا فرماتا ہے۔

تیسری صفت ''اَلْقٰنِتِیْنَ'' میں سے ہونا ہے اور ''قانت'' کی جمع ''اَلْقٰنِتِیْنَ'' ہے۔ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کی حفاظت کرنا خواہ کوئی دیکھ رہا ہے یا نہیں دیکھ رہا ہے (99)۔زجاج نے کہا عبادت پر قائم رہنا ''قنوت'' ہے (100)۔میرے پیرومرشد لالہ جی محمد

جمشید فرمایا کرتے تھے: ''جو وقت کو ضائع ہونے سے بچالے اور اطاعت میں لگا رہے وہ ''قانت'' ہے''۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے محبوب کی اطاعت میں صلاحیتوں کو پروان چڑھاتے رہنا ''قانت'' ہونا ہے۔ زبیدی حنفی نے یہی کہا کہ ''قنیت'' پانی کی مشک ہوتی ہے، وہ شخص جو عبادت، اطاعت اور خدمت کا مشکیزہ گندے نالے میں نہ انڈیلے وہ ''رجل قنیت'' ہوتا ہے(101)۔

چوتھی صفت

''اَلْمُنْفِقِيْنَ'' انفاق سے خرچ کرنے کے معنوں میں ہے۔ یہاں ''اہل تقویٰ'' اور راہ محبت میں مراسم رضا سے کشتہ لوگ مراد ہیں جو رضوان کی منزلوں تک اپنا سب کچھ خرچ کر دیتے ہیں۔ فخر رازی لکھتے ہیں (102) کہ خرچ کرنا عام ہے، اگر کپڑا بھی اس نیت سے پہنیں کہ وہ اس لباس میں عبادت کریں گے وہ صدقہ کے درجے میں ہے اور حقوق اللہ کی ادائیگی کی نیت سے آل اولاد پر انفاق بھی صدقہ ہے بلکہ تمام معاملات یہاں تک کہ صلۂ رحمی، زکوٰۃ اور جہاد جدھر بھی مال لگے گا ثواب وانعام کی کثرت ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے اس کا بھی اجر ملے گا''۔ کسی اللہ والے کا یہ قول اسلام میں عرفانی زندگی کے سمندر میں تموج کی عمیق اور مؤثر مثال ہے کہ حضور ﷺ نے انفاق فی سبیل اللہ کو اتنی اہمیت اور فضلیت عطا فرمائی کہ لوگ اپنی جان تک خرچ کرنے کے لیے آمادہ رہتے ہیں، باقی سیم وزر کی اہمیت کیا ہوگی؟ انفاق شہادت روحی اور شہادت عملی کا پہلا درجہ ہے۔ اس کا پیکر لا ہوتی دیکھنا ہو تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیں اور شہادت اور الفت میں سب کچھ لٹتا دیکھنا چاہو تو سید الشہدا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کی قربانیوں کا مشاہدہ کرلو۔ یہ حقیقت ہے ''اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد'' اور سب کچھ محبوب اور معبود کی راہ میں لٹانے والے ہی اصل بادشاہ ہوتے ہیں:

شاہ است حسین بادشاہ است حسین

اہل رضوان کی پانچویں صفت

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ رات کو نماز پڑھتے رہتے ہیں اور جب ورودِ سحر ہوتا ہے دعا و استغفار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رات میں نماز پڑھتے پھر نافع سے پوچھتے کیا سحر کا وقت ہو گیا ہے؟ جب نافع وقت سحر کے جلوہ فگن ہونے کی تصدیق کر دیتے تو ابن عمر دعا و استغفار شروع کر دیتے۔ اخیر رات کی گہری اور عمیق روحانی فضیلتوں کے بارے میں کتابیں بھری پڑی ہیں لیکن بھڑکتے جذبات کو دو آتشہ کرنے کے لیے میں چاہوں گا کہ ایک جمالیاتی محاسن

سے آراستہ حدیث نذر قارئین کروں۔ مشاہدہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے اور تصویر قولی میں عکس بندی بھی انہی کا اعزاز ہے۔ فقیرِ راقم سرقۂ عشق سے ماحول سازی کی کوشش کر رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قارئین!

عاشقین!

محبین!

اور فردوس اعتقاد و محبت کے سیّارین!!!

حدیث اس جذبہ سے پڑھو کہ محبوب کے ہونٹوں کو چھو کر نکلنے والے حروف بخت سازی کرنے لگے ہیں

اسی لیے تو جان زمین و زمن کے حرفوں کی خوشبو روحوں میں اترے جا رہی ہے

سامعین حدیث!!!

چہرۂ درخشندہ سے زیبائی کی خیرات لینے والے قارئین!

یقین رکھ لو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موتی موتی باتوں کے مقابلہ میں دنیا بھر کے ادیبوں اور دانشوروں کی باتیں خزف ریزے ہیں، یہاں تو لعل و گہر بھی بے مایہ پتھروں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

یہ نقش ادب اور مرقعہ نصائح میرے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو لطیف بات سنائیں گے، اس وقت کی جب دوشیزۂ شب منزل سحر سے ہم کنار ہونے کے لیے دبے پاؤں رواں ہوتی ہے۔ آج تو آسمان کے ستارے جھلملا کر حسن محبوب پر روشنی نچھاور کر رہے تھے یا میں کہہ سکتا ہوں کہ محفل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی اس لیے قدسیوں نے ستاروں کے دیے جلا کر چراغاں کر دیا تھا، اسی لیے تو آسمانوں کی طرف نظر دوڑانے والے محسوس کر رہے تھے حور و غلماں بھی جنت کی روحوں سے آر پار ہو جانے والی خوشبو محفل محبوب پر انڈیل رہے تھے۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آج کی رات

میرا پروردگار!

عمدہ صورت میں میرے پاس آیا اور فرمایا!!!

اے مرجع توصیف و تعریف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

میں نے عرض کی

لبیک ربی و سعدیک

میرے پالن ہار میں حاضر ہوں

سعادتوں کا چانن تو حریم قدس کا خاصہ ہے

کیا تو جانتا ہے؟

ملاء اعلیٰ کے قدسی کس بات میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں ہیں؟

میں نے عرض کی میرے پروردگار!

میں نہیں جانتا!!!!!

قارئین! دل تھامیے، توجہ بر حدیث ہوں، ہو سکے تو گھٹنوں کے بل ہو کر جمالِ رسالت کی زیارت کریں، حور و ملائک بھی سُوئے مدینہ جھانک رہے ہیں تم بھی شہر حسن کا تصور لے کر پیکر ملکوتی پر درود و سلام بھیجو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!!!!!

قسم سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں!!!!!

پڑھنے والو تم سب کے بچڑے حج کریں

وہ وقت آئے کہ صحرائے عرب کے خار ببولاں تمہارے دامن فکر کو ابھار کر تمہیں کچھ دیر کے لیے بزم مدینہ ہی روک لیں

میں عرض کر رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

پھر میرے ربّ نے اپنے قدسی ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دیے، یہاں تک کہ میں نے ان کی ٹھنڈک کو اپنی دونوں چھاتیوں میں محسوس کیا

پھر کیا تھا

فتجلی لی کل شی

میرے لیے ہر چیز روشن ہو گئی اور آسمان اور زمین کی ہر چیز جان گیا

محبوب اب بتاؤ جانا تو۔۔۔۔۔

ملاء اعلیٰ کی آپس میں بحث کیا ہے

میں نے عرض کی

ہاں

درجات میں اور کفارات میں!

باجماعت نماز کے لیے قدموں کے اٹھنے میں!

سردیوں کی یخ بستہ راتوں میں وضو کرنے میں!

اور نماز کے بعد نماز کے انتظار میں!!

اور پھر فرمایا:

جس نے ان باتوں پر حفاظت کی وہ بھلائی پر جیا اور بھلائی پر اٹھا

اور گناہوں کی بخشش کے معاملے میں جیسے اُس کی ماں نے اُسے ابھی جنم دیا

میرے ربّ نے مجھے پھر آواز دی

محمد!!!!! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

میں نے عرض کی: لبیک و سعدیک

محبوب جب تم نماز پڑھو تو یہ کہہ لو

اللھم انی اسئلک

فعل الخیرت

وترک المنکرات

وحب المساکین

واذا اردت عبادک الفتنہ

فاقبضنی الیک غیر مفتون

اے میرے مالک! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں

''توفیق افعال خیر''

''ترک اعمال سوء''

''حب فقراء و مساکین''

اے اللہ! جب تیرا ارادہ اپنے بندوں کو کسی فتنہ میں مبتلا کرنے کا ہو تو اُس دن پھر مجھے فتنوں سے محفوظ اپنی طرف اٹھا لینا

اور پھر وضاحت کا انعام دے دیا گیا

اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا

درجات یہ ہیں:

جان پہچان ہو نہ ہو

ہر مسلمان کو سلام کا تحفہ دو

کھانا کھلاؤ

اور رات جب دبیز گہری اور عمیق ہو جائے لوگ سو رہے ہوں

تو تم اٹھ کر نماز پڑھو۔

اس حدیث کو دارمی، دار قطنی، حاکم، بیہقی اور احمد سب نے نقل کیا اور امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا۔ ومن شا تفصیلا فعلیه المراجع والمواد من کتب الاحادیث والاخبار وصلی اللہ علی نبی المختار وعلی الہ واصحابه الاخیار بعدو نعم اللہ وافضاله۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًۢا بِالۡقِسۡطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۸﴾

''خوب کھول دی ہے اللہ نے یہ بات کہ کوئی معبود نہیں ہو سکتا سوائے اس کے اور تمام فرشتے اور اہل علم انصاف کے ساتھ اس بات پر قائم ہیں کہ کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اس معبود برحق کے جو غالب حکمت والا ہے''۔

شان نزول

اس آیۂ کریمہ کے شان نزول میں محکم روایت علامہ قرطبی کی ہے جو انہوں نے اپنی معرکۃ الآراء تفسیر میں نقل کی، وہ لکھتے ہیں:

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ میں جب آمد ہوئی تو شام کے علاقہ سے یہود کے دو عالم اس خوشبو خوشبو سرزمین میں آئے۔ جب انہوں نے مدینہ کو دیکھا تو ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہ شہر تو خاتم النبیین رسول کے شہر مدینہ سے بالکل مشابہ ہے چنانچہ شوق سے رحمت عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اوصاف حمیدہ جو ان تک تاریخ سے پہنچے تھے، ان کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان لیا، بات کو اپنے منطقی نتیجہ تک پہنچانے کے لیے

مفردات

شَهِدَ: گواہی دی
اللّٰهُ: اللہ نے
اَنَّهٗ: بے شک وہی ہے
لَاۤ: نہیں
اِلٰهَ: کوئی معبود
اِلَّا: مگر
هُوَ: وہی ہے
وَالۡمَلٰٓئِكَةُ: اور فرشتوں
وَاُولُوا الۡعِلۡمِ: اور علم والوں
قَآئِمًۢا: قائم وہی حاکم
بِالۡقِسۡطِ: انصاف کے ساتھ
لَاۤ: نہیں
اِلٰهَ: کوئی معبود
اِلَّا: سوائے
هُوَ: اُسی کے، وہی ہے
الۡعَزِيۡزُ: زبردست غالب
الۡحَكِيۡمُ: حکمت والا

عرض گزار ہوئے ۔کیا آپ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں ؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : ''میں محمد ہی ہوں''۔دونوں نے باستعجاب پوچھا:''کیا آپ ہی احمد ہیں''، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''ہاں تو میں ہی احمد ہوں''۔دونوں نے عرض کی ہم شہادت کے بارے میں ایک سوال کریں گے جواب درست ملا تو ہم ایمان لے آئیں گے، چنانچہ یہ پوچھا کہ ارشاد گرامی کہ اللہ کی کتاب میں سب سے بڑی شہادت کون سی ہے،اس پر یہ آیت رحمت عالم کے دل پر نازل ہوئی۔آپ نے پڑھ کر سنائی تو دونوں شخص اسلام لے آئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کر دی''(103)۔

علامہ خازن نے اس آیت کے شان نزول میں یہ روایت نقل کی کہ عیسائیوں کا وہ وفد جو نجران سے مدینہ آیا تھا اور انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا شریک ٹھہرایا تھا ان کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔اس میں ربّ العٰلمین کی توحید اور اس کے اوصاف کھول کر بیان کر دیے گئے (104)۔علامہ خازن نے آیت میں شہادت کا معنیٰ یہ کیا کہ اللہ علم عطا فرماتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، بے شک وہ اکیلا لاشریک ہے ۔ علامہ رازی نے بھی اپنی تفسیر میں شہادت کا ایک معنیٰ اظہار و بیان فرمایا ہے اور لکھا کہ ملائکہ اور اہل علم نے بھی یہی گواہی دی یعنی لوگوں پر اس عقیدہ کو ظاہر کیا تا کہ حقیقت کا صحیح معنوں میں ابلاغ ہو جائے (105)۔

مرحوم طبرسی نے مجمع البیان میں لکھا کہ عرفہ کی رات آپ اس آیت کو بار بار پڑھتے (106) بلکہ بغوی نے اس آیت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے لکھا(107):

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد سورۂ فاتحہ، آیت الکرسی اور سورۂ ال عمران کی دو آیتیں، ایک ''شَهِدَ اللّٰهُ'' والی آیت اور دوسری ''قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ'' آخر تک پڑھا کرے گا تو اللہ فرماتا ہے میں اس کا ٹھکانہ جنت میں بنا

دوں گا، ہر روز اس کی طرف ستر مرتبہ نظر رحمت کروں گا
اور اس کی ستر حاجتیں پوری کروں گا اور اُسے ہر حاسد اور
دشمن سے پناہ دوں گا اور ان پر یہ آیتیں پڑھنے والے ہی
کو غالب رکھوں گا''۔

کتنی خوبصورت روایت ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے،
آپ فرماتے ہیں:

''اللہ نے اجسام سے چار ہزار سال پہلے ارواح کی تخلیق
کی اور روحوں سے چار ہزار سال پہلے مخلوق کو پیدا کیا اور
مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے جب کہ وہ خود تھا، نہ آسمان
تھا اور نہ زمین، نہ نیک نہ بد خود ہی اُس نے اپنے ایک
ہونے کی شہادت دی اور فرمایا: ''شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ''۔(108)

یہ بات درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شہادت قولی بھی ہے اور فعلی اور عملی بھی ہے۔ قولی تو اس طرح کہ تمام آسمانی اور الہامی صحیفوں میں اس کی اپنی دعوت توحید ''شهادت علی ذاته'' کا درجہ رکھتی ہے اور فعلی اور عملی شہادت کائنات ارضی وسماوی کا ایک ایک ذرہ اس کی شہادت توحید پر ایک کھلی کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں تکوین کا متحد المقصد ہونا ایک منظم سسٹم کا فہم اور ادراک دیتا ہے اور مربوط، مضبوط اور موجود نظام وحدت سے کسی ایک ہی فاعل اور مؤثر ہستی کی شہادت فراہم کرتا ہے کہ شہادت توحید عملاً کائنات کی نس نس میں رواں دواں دکھائی دیتی ہے۔ شہادت گہ الفت کا مطالعہ ایک معمولی ذرّے سے لے کر کہکشانوں تک اور زمینوں سے لے کر آسمانوں تک کیا جا سکتا ہے۔ الیکٹران، پروٹان، پوزیٹران کی دنیاؤں سے لے کر فضاؤں میں تیرتے سیاروں تک ہر چیز اپنے ایک ہی مرکز کے گرد اگرد گھوم رہی ہے۔ ایسے لگتا ہے تکوین کے مرکز سے عشق میں ہر شئی رقص کر رہی ہے۔ یہ رقص شوق زبانِ حال سے زمزمۂ توحید گنگنا رہا ہے ہر کثرت وحدت میں گم ہو رہی ہے اور ہر وحدت ٹوٹتے بنتے قطعی ایک ہی ذات کا کلمہ پڑھ رہی ہے یہ شَهِدَ اللّٰهُ ہے جو ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ'' پر منتج ہو رہا ہے۔

''قَآئِمًۢا بِالۡقِسۡطِ'' کی ترکیبیں

روح المعانی اور تفسیر کبیر اور درالمصنون کی مدد سے اس کی چار صورتیں بیان کی جاتی ہیں (109):

❁ پہلی صورت

''شَهِدَ'' فعل ہے اور اسم باری اس کا فاعل ہے اور ''قَآئِمًا بِالْقِسْطِ'' اس سے حال واقع ہورہا ہے۔ دریں صورت مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ نے اپنی یکتائی کی گواہی خود اس کائنات میں قائم فرمائی ہے کہ وہ اس عالم میں عدالت اور انصاف قائم کیے ہوئے ہے۔ بے شک اللہ نے انسانوں کو ایک ایسا راستہ دیا ہے جو افراط، تفریط اور انحراف سے پاک ہے یہی تو وہ عدل ہے جس کی خبر اللہ نے خود عطا فرمائی ہے۔

❁ دوسری صورت

ترکیب کی دوسری صورت یہ ہے کہ ''قَآئِمًا بِالْقِسْطِ'' حال واقع ہورہا ہے لیکن ''هُوَ'' سے تقدیر عبارت یوں ہوگی:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ

''کوئی معبود نہیں سوا اس کے درآنحالیکہ وہ انصاف پر قائم ہے''۔

❁ تیسری صورت

''قَآئِمًا'' پر نصب ''علی وجه المدح'' ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس کا قسط پر قائم رہنا قابل مدح اور قابل تعریف ہے۔

❁ چوتھی صورت

''قَآئِمًا'' حال واقع ہورہا ہے ''اولو العلم'' سے۔ دریں صورت مفہوم یہ ہوگا کہ علم والے بیان دیتے اور شہادت دیتے ہیں انصاف پر قائم رہتے ہوئے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۟ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ
فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾
فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ
لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ
اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾ ع

(19) بے شک اصل دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور جو اختلاف میں پڑ گئے کتاب دیے گئے لوگ بعد اس کے کہ ان کے پاس علم پہنچا یہ محض اُن کی باہمی ضد تھی اور جو انکار کرے اللہ کی آیتوں کا تو بے شک اللہ بھی حساب چکانے میں بڑا سریع ہے

(20) (اے حبیب) اگر یہ لوگ آپ سے بحث میں اُلجھیں تو آپ فرمادیں کہ میں نے تو رُوئے محبت اللہ کے سامنے جھکا دیا ہے اور انہوں نے بھی جو میرے تابع ہیں اور فرمایئے ان لوگوں سے جنہیں کتاب مل گئی ہے اور بے پڑھوں سے بھی کیا تم بھی اسلام لاتے ہو؟ اگر تو وہ اسلام قبول کرلیں پھر تو وہ ہدایت یافتہ ہوئے اور اگر وہ روگردانی کرلیں تو آپ کے ذمہ ابلاغ حق ہی ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے

مفردات

اِنَّ: بے شک
الدِّيْنَ: دین، قانون، اطاعت اور مذہب
عِنْدَ: نزدیک
اللّٰهِ: اللہ کے
الْاِسْلَامُ: اسلام
وَمَا: اور نہیں
اخْتَلَفَ: اختلاف کیا
الَّذِيْنَ: ان لوگوں نے
اُوْتُوا: جو دیے گئے
الْكِتٰبَ: کتاب
اِلَّا: مگر
مِنْۢ بَعْدِ: بعد سے
مَا: جو
جَآءَهُمُ: آیا ان کے پاس
الْعِلْمُ: علم
بَغْيًا: زیادتی کرتے ہو، بغاوت سے
بَيْنَهُمْ: آپس میں
وَمَنْ: اور جو
يَّكْفُرْ: کفر کرتا ہے
بِاٰيٰتِ: آیتوں
اللّٰهِ: اللہ کی
فَاِنَّ اللّٰهَ: تو بے شک اللہ
سَرِيْعُ: جلدی لینے والا
الْحِسَابِ: حساب

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۟ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

''بے شک اصل دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور جو اختلاف میں پڑ گئے کتاب دیے گئے لوگ بعد اس کے کہ ان کے پاس علم پہنچا یہ محض اُن کی باہمی ضد تھی اور جو انکار کرے اللہ کی آیتوں کا تو بے شک اللہ بھی حساب چکانے میں بڑا سریع ہے''۔

اس آیت سے پہلے توحید کا کھرا، شفاف اور زندگی افروز عقیدہ سکھایا گیا اور قاریٔ قرآن کو اس جہانِ رنگ و بو کی نس نس میں رواں شہادت سے روشناس کروایا گیا اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ دنیا بھر کی روحانی، علمی اور حرکی قوتوں کو اس عقیدہ کی فرماں روائی سے کوئی انکار نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اب اس آیت میں ان لوگوں کی مدد کے لیے رحمت کا دروازہ کھول دیا گیا جو دین کی تلاش میں سریع العمل ہوں۔ قرآن مجید کی یہ زوردار آواز کتنی مؤثر، ضروری اور انقلابی آواز ہے کہ اللہ کے نزدیک دین صرف اور صرف اسلام ہے، دین اور اسلام کو جوڑ دیا گیا۔ دین کی تفسیر اسلام اور اسلام کی تعبیر دین بنا دی گئی۔ وہ شخص جو دین دین کر کے ''اسلام'' سے دور ہو وہ کبھی دیندار نہیں ہو سکتا اور وہ شخص جو اسلام کا نعرہ لگائے، اسلام کا پرچم اٹھائے ہو اور اسلام والا ہونے کا دعویٰ کرے لیکن اس میں تسلیم نہ ہو، اطاعت نہ ہو، بندگی نہ ہو، جزا پر اُسے یقین حاصل نہ ہو اور پیروی کی روح اس کے ایمان کے قالب میں نہ تڑپے، وہ اسلام والا ہونے کی منزل پانے میں کھرا نہیں ہو سکتا۔ دین اگر کشتی ہے تو اسلام اس کا ملاح ہے اور اسلام اگر سفینہ ہے تو دین ہی اس کو منزل شناس کرنے والا ہادی ہے۔ دین اور اسلام جب مکمل نافذ ہوتے ہیں تو ابدان میں انقیاد کی لہر دوڑ پڑتی ہے، عبادت گاہوں میں اذانیں گونجنے پڑ جاتی ہیں، عدالتوں میں فیصلے شریعت کے مطابق ہونے لگ جاتے ہیں اور سیاست و خلافت کا سرچشمہ قرآن، اوامر رسول اور شریعت مصطفوی بن جاتے ہیں۔

شانِ نزول

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ''اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ'' اس وقت اتری جب مشرکین نے اپنے مذہبوں پر فخر کیا۔ ہر فریق یہ ڈینگ مار رہا تھا کہ بعثت آدم کے زمانے ہی سے ہمارا مذہب پسندیدہ رہا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تکذیب کی، اس طرح کہ

اعلان ہوا کہ پسندیدہ دین وہی اسلام ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ لے کر آئے (110)۔

حاشیہ جلالین میں ہے کہ یہودی کہتے تھے کہ افضل دین انہی کا ہے اور عیسائی دعویٰ کرتے نصرانیت سے کوئی چیز فضیلت مآب نہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے (111)۔

صابونی کے الفاظ دلچسپ اور مبنی برحقیقت ہیں (112):

''آیت زیر تفسیر میں یہ خبر دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام کے سوا کوئی دین مقبول نہیں۔ یہ درست ہے کہ تمام رسولوں کو جو نظام ملا وہ اسلام ہی سے ملا اور سب رسولوں کی اتباع اسلام ہی کی اتباع تھی۔ سوچ والا معاملہ یہ ہے کہ اب شریعت مصطفویہ ہی کیسے اسلام کہلا سکتی ہے؟ جواب اس اشکال کا یہ ہے کہ محمد ﷺ کے تشریف لانے کے بعد اب تمام راستے بند کر دیے گئے ہیں سوائے طریقۂ محمدیہ کے، اب اس راہ مستقیم کو چھوڑ کر کوئی کسی بھی راہ سے ربّ کو پانا چاہے وہ قبول نہ ہوگا۔ اللہ نے خود فرما دیا ہے:

''وَمَنۡ يَّبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ''۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا خوبصورت ارشاد

روح المعانی میں علامہ آلوسی نے آپ جناب کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی ارشاد گرامی نہج البلاغہ میں کلمات قصار میں بھی موجود ہے، آپ فرماتے ہیں (113):

''میں تمہیں اسلام میں نسبتوں کی ایک ایسی جہت بتاؤں گا جو تمہیں کسی اور نے ہرگز نہ بتائی ہوگی۔ اسلام محض تسلیم ہے اور تسلیم یقین کے بغیر ممکن نہیں اور یقین ہی صاحب تسلیم کو تصدیق تک پہنچا دیتا ہے اور قلب و روح کی تصدیق تک رہنا ہی کافی نہیں اس لیے ہر تصدیق کے لیے زبان سے جرأت کے ساتھ اقرار بھی ضروری ہے اور

اگلا مرحلہ اقرار کو ذمہ داری کی ادائیگی تک پہنچانا ہے اور
مسئولیت کا قبول کرنا عمل ہے''۔

ایک مفسر کا یہ قول چشم کشا ہے(114):

''وہ لوگ جو اپنی قوت وتوانائی کو فقط گفتگو، بیانات، جلسوں
اور کانفرنسوں ہی میں صرف کر کے رہ جاتے ہیں اور باتوں
سے آگے نہیں بڑھتے، وہ نہ تو اپنی ذمہ داری کو قبول کیے
ہوئے ہیں اور نہ ہی وہ روح اسلام سے واقف ہیں''۔

قرآن مجید نسخۂ شفاء دے رہا ہے

مذہب اور دین پر جم کر چلنے والوں کے سامنے فرقہ واریت، نزاع اور تفرقات کے انحرافی راستے اپنی شناخت کے ساتھ لائے جا رہے ہیں تا کہ بیماریوں کے لیے نسخۂ شفاء مل جائے اور تفرقات اور جدالی ظلمتوں میں بھٹکنے والوں کو اتحاد اور محبت کی منزل میسر آجائے۔ قرآن مجید اپنے قاری کو ذہناً آمادہ کر لیتا ہے کہ ماضی کے تجربات سے استفادہ کیا جائے کہ یہود و نصاریٰ جس گندی بیماری میں مبتلا ہو کر ایک دوسرے کا گوشت اور تاریخ دونوں نوچنے لگ گئے تھے اس کی وجہ کیا تھی؟ قرآن مجید اس مقدر سوال کا جواب دیتے ہوئے صاف کہہ دیتا ہے کہ یہ سب کچھ بے علمی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ''الۡعِلۡمِ'' کے آنے کے بعد تھا۔ اصل میں لوگوں کی کھوپڑیوں میں سرکشی، ضد، بغاوت، حسد، تعصب اور ذاتی مفادات کا جنون پھنس گیا تھا۔ یہ لوگ کام خراب کرتے ہیں اور آج کے مسلمانوں کی صفوں میں بھی یہی لوگ کام خراب کر رہے ہیں۔ وہ اسلامی قافلوں کو بکھیرنے اور منتشر کرنے کے لیے اہل کتاب ہی کی شہ پر پرانی کرکٹ کھیل رہے ہیں۔ دین، قرآن اور وحی، رسول، نبی اور مذہبی پیشوا قافلۂ آدمیت کے انتشار کے لیے نہیں ابھرتے، سعادت اور تعمیر، کردار اور تقویٰ، تنویر اور تطہیر، تسلیم اور تامین اور تسکین اور ترحیم کے لیے جلوہ گر ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے کتنی خوبصورتی کے ساتھ فرق بتا دیا۔

محض ''الۡعِلۡمِ'' والے اور ہوتے ہیں۔

اور ''الرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ'' کی دنیا الگ سے قائم ہوتی ہے۔ ایک فرقے بناتے ہیں اور دوسرے دارُودوا سے دلوں کو محبت کی دنیا سے آشنا کرتے ہیں۔ یاد رکھنے کی بات صرف یہ ہے کہ اسلام اور دین فرقستان سے نہیں ملتا محمد و احمد ﷺ نامی نبی کے قدمستان سے ملتا ہے۔ اللہ معاف فرمائے اور حضور ﷺ کے قدموں ہی میں رکھے۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

''(اے حبیب) اگر یہ لوگ آپ سے بحث میں اُلجھیں تو آپ فرمادیں کہ میں نے تو رُوئے محبت اللہ کے سامنے جھکا دیا ہے اور انہوں نے بھی جو میرے تابع ہیں اور فرمایئے ان لوگوں سے جنہیں کتاب مل گئی ہے اور بے پڑھوں سے بھی کیا تم بھی اسلام لاتے ہو؟ اگر تو وہ اسلام قبول کرلیں پھر تو وہ ہدایت یافتہ ہوئے اور اگر وہ روگردانی کرلیں تو آپ کے ذمہ ابلاغ حق ہی ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے''۔

قرآن مجید کی یہ آیت اپنی دعوت کو بہت بلندیوں تک لے جاتی ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دعوت کی فضیلتیں رفعت میں عرش کو جا چھوتی ہیں۔ فہم کا ساون بلا واسطہ قرآن پڑھنے والے کے دل اور روح میں محمدی دعوت کا فیض انڈیل دیتا ہے اور نور و رحمت کی قوس قزح زمین سے آسمان تک ادراکات کی قطعیت کے رنگ سجا دیتی ہے۔ اسلوب کی جاذبیت ملاحظہ ہو، بات شروع ہی ''محاجہ'' والوں کے رویّے سے کی جاتی ہے۔ محبوب اب مصلحت اور برداشت کی برف پگھل جانی چاہئے۔ آپ حکم صادر کریں فطرت کا اہل کار ''طبل توجہ'' پر ضرب لگا دے۔ یہود، نصاریٰ اور اس قسم کے غلیظ رنگ جتنے بھی فرقے باز ہیں ان کی بحث مباحثہ اور گفتگو مجادلہ بے معنیٰ اور بے مقصد لہو ولعب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ جھوٹے مذہبوں کی دفاعی طاقتیں اور دفاعی مورچے چیونٹیوں کے بل ہیں، آپ ان کی پرواہ ہی نہ کریں، اعلان کردیں دوٹوک، اٹل، واشگاف کہ

میں نے اپنا چہرہ اللہ
کے سامنے جھکا دیا ہے
اور جو میری پیروی کرنے والے ہیں
وہ بھی وہ دیکھو سر تسلیم خم کر رہے ہیں۔

اسلام محض قول وقرار کا نام نہیں اس کے مفہوم میں انقیاد ہے، اتباع ہے، پیروی ہے، سر تسلیم خم کرنا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بندگی کی خلود رکھنے والی خوشبو ہے۔ بحث جھگڑا کرنے والوں کو کیا پتا ''اسلام'' میں تسکین کی روشنی بندے کو کہاں پہنچا دیتی ہے۔

محبوب آپ اب واضح اعلان کر کے حد بندی کردیں، اُس طرف یہودی اور اُس پار عیسائی اور ساتھ

مفردات

فَاِنْ: تو اگر
حَآجُّوْكَ: جھگڑا کرلیتے ہے
فَقُلْ: تو فرمادو
اَسْلَمْتُ: میں نے جھکالیا
وَجْهِيَ: اپنا چہرہ
لِلّٰهِ: اللہ کے لیے
وَ: اور
مَنِ: جو
اتَّبَعَنِ: میری پیروی کرے
وَ: اور
قُلْ: فرمایئے
لِّلَّذِيْنَ: ان سے جو
اُوْتُوا: دیے گئے ہیں
الْكِتٰبَ: کتاب
وَالْاُمِّيّٖنَ: اور بے پڑھے
ءَاَسْلَمْتُمْ: کیا تم نے اسلام قبول کیا
فَاِنْ: تو اگر
اَسْلَمُوْا: وہ سر جھکادیں
فَقَدِ: تو بے شک
اهْتَدَوْا: وہ ہدایت پائے
وَ: اور
اِنْ: اگر
تَوَلَّوْا: روگردانی کریں
فَاِنَّمَا: تو نہیں ہے سوا اس کے
عَلَيْكَ: آپ پر
الْبَلٰغُ: پہنچادینا ہی
وَاللّٰهُ: اور اللہ
بَصِيْرٌۢ: دیکھنے والا ہے
بِالْعِبَادِ: بندوں کو

ہر منکر، ہر کافر، ہر منافق اور ہر جھگڑالو ضدی فتنہ گر اور اس طرف فردوس عقیدہ و ایمان کی گلگشت رحمت میں کھڑے ہونے والے میرے غلام اور میں خود، اب تلاوت کریں کتنے مزے کی یہ آیت ہے:

فَاِنْ حَآجُّوْكَ

فَقُلْ

اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ

وَمَنِ اتَّبَعَنِ

پس اگر وہ جھگڑا کریں

تو

فرمادو

میں نے اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دیا

اور ہر اُس نے

جس نے

میری پیروی کا قلادہ گلے میں ڈال لیا۔

مخاصمت، مجادلت اور مناظرت مسئلے حل نہیں کرتے۔ ارادت، استقامت، استنارت، استطابت اور استعجابت زندگی کا رخ متعین کرنے والی چیزیں ہوتی ہیں۔ اہل حق کو ایک نہ ایک دن جب ایمان و اسلام کی بنیاد پر حد بندی کرنی ہی ہوتی ہے تو انہیں اچھے اور بھلے وقت میں ''آر پار'' کر دینے والے حالات پیدا کر لینے چاہییں۔ زندگی ضائع ہونے سے بچ جاتی ہے اور بندہ محبتوں کے لگائے ہوئے درختوں کے سائے میں کچھ دیر خود بھی آرام کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

آیت کا دوسرا حصہ

آیت کے دوسرے حصے میں اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کی تمیز ختم کر دی جاتی ہے اور آیت کے مخاطبین میں ایک نیا طبقہ شامل ہو جاتا ہے اس طبقہ کو قرآن مجید ''اُمِّیّٖنَ'' کہہ کر پکارتا ہے۔ عامتہ المفسرین نے یہی کہا کہ ان سے مراد صحرائے عرب کے ناخواندہ بدو ہیں لیکن سوچ کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ ''اُوْتُوا الْكِتٰبَ'' سے وہ تمام اقوام مراد ہیں جن کا ربط کسی نہ کسی طرح آسمانی کتابوں سے رہا اور ''اُمِّیّٖنَ'' سے مراد وہ تمام اقوام ہیں جنہیں کسی آسمانی کتاب نے دعوتی اور تحریکی ہدف نہ بنایا اور وہ یوں عرفانی تعلیمات کی خوبیوں سے محروم رہ گئے۔ عرب کے عام لوگوں کی حالت بلاشبہ ایسی ہی تھی۔

اب اس آیت میں قرآن مجید میں سب کے سامنے اسلام قبول کرنے کی دعوت رکھ دی جاتی ہے کہ دعوت توحید کو سب تسلیم کرلیں اور جس زبان سے وہ دعوت کے شہامت فروغ کلمات سن رہے ہیں، ان کی خوبیوں، فضیلتوں اور کمالات کو بھی تسلیم کرنے میں کنجوسی نہ برتیں اور دل وجان سے ان کی اطاعت و انقیاد کو اپنی منزل بنالیں اور اپنے فیصلے قرآن حکیم کی روشنی میں کریں۔ اسلام کو ماننے میں فکر انگیز سیاست سے کام نہ لیں، خلوص سے قدم آگے بڑھائیں اور اسلامی زندگی کو اپنالیں۔ قرآن مجید نے کہہ دیا ہے کہ اس انداز میں اسلام قبول کروگے تو ہدایت پاؤ گے۔

اگر وہ روگردانی کریں

یہ جملہ کہ اگر وہ روگردانی کریں تو آپ پر پیغام اور دعوت کا صرف پہنچا دینا ہے۔ مفسرین کے مطابق اس فقرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے (115)۔ ان کے صفحۂ دل پر جو غم کا بوجھ پڑا اسے دور کیا جارہا ہے اور کہا جارہا ہے کہ محبوب آپ پر یہ لازم نہیں کہ آپ جن کو دعوت دیں ان سے قبول بھی کروائیں، آپ کا کام صرف بات کو کھل کر پہنچا دینا ہے۔ یہ ایک دوسری بات ہے کہ انبیاء کے ''وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ'' کہنے اور علماء کے کہنے میں فرق ہوتا ہے۔ انبیاء دعوت کو نکھار کر جب تک دوٹوک نہ کردیں وہ پیچھے نہیں ہٹتے اور اللہ کا پیغام تکرار کے ساتھ لوگوں کے دلوں اور روحوں میں اتارنے کی سعی کرتے ہی رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ قوم یا ادھر ہوجاتی ہے یا اُدھر ہوجاتی ہے۔ جس کشتی کا ملاح لوگ خود کشتی سے اتار دیں اس کشتی کے بے کنار اور بے منزل ہونے میں کوئی شک نہیں بچتا۔ آیت کے فہم میں اس اسلوب کا ادراک دو معانی کی نقاب کشائی کرتا ہے کہ یہ جملہ تسلی بھی ہے اور تنبیہ بھی ہے کہ لوگ مہلت سے فائدہ اٹھالیں اور سخاوت سے دعوت کو قبول کرلیں اس دعوت کو قبول نہ کرنا تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

آیت کا آخری حصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے معاملات سے اچھی طرح باعلم ہے۔ وہ کریم اور بے ہمتا ربّ تمام معاملات اپنے علم اور بصیرت ہی سے چلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں رکھتا۔ اللہ کے باغیوں اور نافرمانوں کا انجام ٹھیک نہیں ہے سو وقت ہے عبرت پکڑی جائے اور اسلامی دعوت کو قبول کرلیا جائے (116)۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ
يَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ
اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ
نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ
لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

(21) بے شک وہ لوگ جو انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے ہیں انبیاء کو ناحق اور اُن لوگوں کے قتل کے درپے ہو جائیں جو لوگوں میں انصاف کا حکم دیں تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں

(22) ایسے ہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت ہوئے اور ان کا کوئی مددگار نہیں

(23) کیا آپ نے دیکھ نہیں لیا ان لوگوں کو جنہیں کتاب میں سے ایک حصّہ دیا گیا کہ وہ بلائے جاتے ہیں اللہ کی کتاب کی طرف تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ دے تو ایک گروہ ان میں سے روگردانی کر لیتا ہے اصل میں وہ عادتاً پہلو بدلنے والے ہیں

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ
الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۖ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

''بے شک وہ لوگ جو انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے ہیں انبیاء کو ناحق اور اُن لوگوں کے قتل کے درپے ہو جائیں جو لوگوں میں انصاف کا حکم دیں تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں، ایسے ہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت ہوئے اور ان کا کوئی مددگار نہیں''۔

منکرین کو بے نقاب کیا جا رہا ہے۔ آیات الٰہیہ کا انکار کرنے والوں کا حتمی انجام قاریٔ قرآن اور صاحب یقین شخص کے سامنے لایا جا رہا ہے۔ ایسے لوگوں کی نشانیاں اور علامتیں کیا ہوتی ہیں، قرآن حکیم برملا اور واضح انداز میں کہتا ہے:

1۔ یہ آیات الٰہیہ کے ساتھ کفر کرتے ہیں
2۔ یہ اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں
3۔ اور تیسرا یہ کہ عدل اور انصاف کا حکم دینے والوں کو قتل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان دو آیتوں میں ان کے لیے تین ہی سزاؤں کا اعلان کرتا ہے:

- ان کے لیے دردناک عذاب ہے
- ان کے اعمال باطل اور بے اثر ہو جائیں گے
- اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

وہ لوگ جو انبیاء کو قتل کرتے تھے اس لیے کہ وہ قافلۂ انسانیت کو ایمان و عمل کی تعلیم دیتے ہیں، وہ ایمان و عمل جو تزکیہ و تطہیر کا سبب بنتا ہے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ ان کے گندے اعمال پر یہ قدسی لوگ روک ٹوک کیوں کرتے ہیں۔ یہ مجرموں کے ہاتھ کیوں پکڑتے ہیں اور گندگی کے ڈھیر انسانی آبادیوں سے اٹھا باہر پھینک دینے کا حکم کیوں دیتے ہیں۔ یہ بھنگی مزاج لوگ بدیوں کی بدبو کے بغیر جی نہیں سکتے تھے اس لیے انبیاء کے درپے ہو گئے اور انہیں ناحق قتل کرنا شروع کر دیا، صرف یہی نہیں وہ عدل و انصاف کا حکم دینے والوں کو بھی قتل کرتے اس لیے کہ وہ اس نظام کے قائل تھے، داعی تھے اور محافظ تھے جو اللہ نے اپنے بندوں کو دیا ہے اور اس میں قبیلہ پرستی نہیں، تعصّبات کی حفاظت نہیں بلکہ حق کا

مفردات

اِنَّ: بے شک
الَّذِيْنَ: وہ لوگ
يَكْفُرُوْنَ: کفر کرتے ہیں
بِاٰيٰتِ: آیتوں کا
اللّٰهِ: اللہ کی
وَيَقْتُلُوْنَ: اور قتل کرتے ہیں
النَّبِيّٖنَ: انبیاء کو
بِغَيْرِ حَقٍّ: ناحق
وَّيَقْتُلُوْنَ: اور قتل کرتے ہیں
الَّذِيْنَ: ان لوگوں کو
يَاْمُرُوْنَ: جو حکم دیتے ہیں
بِالْقِسْطِ: انصاف کے ساتھ
مِنَ النَّاسِ: لوگوں سے
فَبَشِّرْهُمْ: تو انہیں خبر ناک کر دیں
بِعَذَابٍ: عذاب کے متعلق
اَلِيْمٍ: دردناک
اُولٰٓئِكَ: یہ ہیں وہ
الَّذِيْنَ: جو لوگ
حَبِطَتْ: ختم ہو گئے، اکارت چلے گے
اَعْمَالُهُمْ: ان کے اعمال
فِي الدُّنْيَا: دنیا میں
وَالْاٰخِرَةِ: اور آخرت میں
وَمَا: اور نہیں
لَهُمْ: ان کے لیے
مِّنْ: سے
نّٰصِرِيْنَ: مدد کرنے والوں سے

ساتھ نبھایا جاتا ہے۔ بے شک یہ تخویف اور توبیخ یہود اور نصاریٰ کے لیے تھی لیکن قرآن نے اسلوب ایسا اپنایا کہ قیامت تک ایک نظام کو قوت دی گئی اور وہ نظام ہر زماں و ہر مکان کے لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے والا ہے۔ یقین رکھو وہ نظام اسلام کا نظام ہے اور مصطفیٰ کا نظام ہے۔

ابن جریر طبری نے ایک روایت نقل کی جسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے (117):

> ''بنو اسرائیل نے تین سو نبیوں کو شروع دن میں قتل کیا اور شام کو سبزی پالا بیچنے بیٹھ گئے۔ ان لوگوں کے اسی تکبر، نخوت اور سرکشی کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انہیں ذلیل کیا اور ان کے اعمال اکارت کر دیے، بروز محشر ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا''۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا:

یارسول اللہ!

سب سے سخت عذاب کسے ہوگا؟

اُسے جس نے کسی نبی کو مار ڈالا ہو

یا کسی ایسے شخص کو قتل کیا جو نیکی کا حکم دینے والا ہو اور برائی سے منع کرنے والا ہو۔

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور انکشاف فرمایا:

اے ابوعبیدہ!

> ''بنو اسرائیل نے تینتالیس (43) نبیوں کو دن کے پہلے حصے میں ایک ساعت میں قتل کیا، پھر ایک سو ستر بنی اسرائیلی قتل کر دیے جو انہیں ایمان اور بھلائی کی طرف بلاتے تھے اور برائی سے روکتے تھے۔ یہ اُسی دن کے آخری حصہ میں قتل کر دیے'' (118)۔

سوال یہ ہے کہ انبیاء اور عدل و انصاف کے پرچم برداروں کو شہید تو پرانے زمانے کے یہود و نصاریٰ نے کیا لیکن قرآن تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے زمانے کے اہل کتاب کو سنا رہے تھے۔ ان لوگوں نے تو نبیوں کو شہید نہیں کیا تھا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ نابکار لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے پر تلے

ہوئے تھے انہیں ان کے آباؤ اجداد کی ذلتیں اس لیے بتائی گئیں کہ وہ جو مذموم ارادے دل میں سجائے بیٹھے ہیں وہ عذاب الٰہیہ کو دعوت دینے والے ہیں اور دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ اپنے آباؤ اجداد کے گندے کرتوتوں کو محفلوں میں یاد کرتے تھے۔ قتل انبیاء کا شنیع فعل یاد کرنا حضور ﷺ کو شہید کر دینے کی دھمکی کے مترادف تھا، اس لیے انہیں سمجھایا گیا کہ اپنی موت کے سبب خود نہ تلاش کرو اور برباد نہ ہو۔

واللہ اعلم

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

''کیا آپ نے دیکھ نہیں لیا ان لوگوں کو جنہیں کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا کہ وہ بلائے جاتے ہیں اللہ کی کتاب کی طرف تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ دے تو ایک گروہ ان میں سے روگردانی کر لیتا ہے اصل میں وہ عادتاً پہلو بدلنے والے ہیں''۔

شان نزول کی چار روایات

- پہلی روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ یہود کے مذہبی مکتب دینی دعوت کے لیے تشریف فرما ہوئے۔ آپ نے اسلام قبول کرنے کی جب دعوت دی تو وہ لوگ کہنے لگے: آپ کس دین پر ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ملت ابراہیم پر ہوں''، یہودی کہنے لگے: ابراہیم تو یہودی تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم ذرا تورات تو لا کر مجھے دکھلاؤ''۔ انہوں نے انکار کر دیا اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی (119)۔
- دوسری روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب تورات مانگی تو فرمایا: لاؤ ذرا میں تمہیں دلائل نبوت بتاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے انکار پر حضور ﷺ کو تسلی دی اور فرمایا: یہ اپنی کتاب تورات پر ایمان نہیں لائے تو قرآن کیسے پڑھیں گے؟ یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی۔ اس روایت کے مطابق یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ حضور ﷺ کے دلائل نبوت تورات میں موجود تھے (120)۔
- تیسری روایت یہ ہے کہ تورات اور انجیل پر یہود و نصاریٰ ایمان رکھتے تھے لیکن جب مسلمان انہیں ان کتابوں کا کوئی حوالہ دے دیتے تو وہ انکاری ہو جاتے، اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی (121)۔

مفردات

اَلَمْ: کیا نہیں
تَرَ: آپ نے دیکھا
اِلَى: طرف
الَّذِيْنَ: ان لوگوں کے
اُوْتُوْا: جنہیں دیا گیا
نَصِيْبًا: ایک حصہ
مِّنَ: سے
الْكِتٰبِ: کتاب
يُدْعَوْنَ: وہ بلائے جاتے ہیں
اِلٰى: طرف
كِتٰبِ اللّٰهِ: اللہ کی کتاب
لِيَحْكُمَ: تاکہ وہ فیصلہ کرے
بَيْنَهُمْ: ان کے درمیان
ثُمَّ يَتَوَلّٰى: پھر جاتا ہے، گھوم جاتا ہے، برگشتہ ہو جاتا ہے
فَرِيْقٌ: ایک گروہ
مِّنْهُمْ: ان میں سے
وَهُمْ: اور وہی
مُّعْرِضُوْنَ: اعراض کرنے والے، پھر جانے والے

اور چوتھی روایت یہ ہے کہ خیبر کے یہودیوں میں بدکاری کا ایک وقوعہ ہوا۔ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کیا، آپ نے تورات کی تعلیمات کے مطابق محصنہ جوڑے کو سنگسار ہونے کی سزا دی لیکن یہودیوں نے نافذ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل پر نازل ہوئی (122)۔

آیت میں مخاطب کون؟

علامہ اسماعیل حقی نے لکھا کہ یہاں مخاطب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور یہ اسلوب تعجب دلانے کے لیے ہے (123) اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں مخاطب ہر دیکھنے والا شخص ہو لیکن یہ تفسیری احتمالی ہے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب والی تفسیر جمہور کی ہے۔ یہ بات اس لیے بھی یقینی ہے، جو وسعت نگاہی اللہ تعالیٰ نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی ہے وہ کسی اور کو نہیں دی۔ آپ اشرف مقبلاں ہیں، آپ کی نظر کا اعجاز کائنات کی نس نس میں رواں دواں ہے، ہاں اگر ہر دیکھنے والا مخاطب مان لیا جائے تو پھر مناسبتِ معنوی یہ ہوگی کہ اے دیکھنے والو! تم کتاب والوں کو جانتے ہی ہو اور ان کے لیل ونہار تمہارے سامنے ہیں، یہ کتنے بُرے لوگ ہیں اپنی کتاب کے فیصلوں کو بھی نہیں مانتے۔

''نَصِیْبًا'' پر تنوین

علامہ فخر الدین رازی نے لکھا کہ ''نَصِیْبًا'' پر تنوین حقارت کا معنیٰ پیدا کرنے کے لیے ہے کہ ان لوگوں کو علوم اور معارف کے مکمل جہاں نہیں دیے گئے تھے۔ علم کا ایک چھوٹا سا حصہ انہیں دیا گیا اس کی بھی یہ قدر نہ کر سکے (124) اور دیے گئے علم پر عمل سے محرومیاں ان کا مقدر بن گیا۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے لکھا کہ کتاب کوئی بھی ہو اُس کے بطون اور ظاہری علوم ہوتے ہیں۔ ''نَصِیْبًا'' سے اشارہ اس طرف ہے کہ ان لوگوں کو صرف ظاہری علوم سے نوازا گیا، کتاب کے اندر جو روحانی اور عرفانی خزانہ تھا وہ انہیں نہیں ملا تھا، یہ اعزاز تو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا کہ قرآن حکیم ''تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ'' کی فضیلتوں کا حامل ٹھہرا (125)۔

آیت میں کتاب

مفسرین نے ''اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ'' میں کتاب سے مراد تورات لی ہے اور ''یُدْعَوْنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ'' میں کتاب سے مراد قرآن حکیم لیا ہے، جب کہ رازی نے دونوں مقامات پر تورات ہی مراد لینا مناسب سمجھا ہے، معنوی مقاربت پہلے قول ہی میں ہے۔ قرآن مجید کتاب فقہ ہی نہیں کتاب دعوت بھی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ دونوں جگہ کتاب لفظ ہی سے آسمانی وحی کو تعبیر کیا گیا۔ جواب اس کا

اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا

یہ ہے کہ سب صحیفے علم ومعرفت کا ایک ہی سرچشمہ رکھتے ہیں اور سب ایک ہی شجر طوبیٰ کا برگ وبار ہیں۔ اس یکسانیت کی وجہ سے ان لوگوں کے لیے جو تورات اور انجیل کو جانتے ہیں اور مانتے ہیں، قرآن کا پہچاننا مشکل نہیں ہونا چاہیے تھا بشرطیکہ انہوں نے اپنی آنکھوں پر ضد اور تعصب کی پٹیاں نہ باندھ رکھی ہوں۔

لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ

آیت کا یہ دو لفظی شمامہ روحوں کو کھینچ لیتا ہے، اس لیے کہ قرآنی مقاصد کی خوشبو یہاں اپنے عروج پر دکھائی دینے لگ جاتی ہے کہ اس کتاب کی طرف جو ان کو بلایا جاتا ہے اس لیے نہیں کہ اس میں بلانے والے کا کوئی فائدہ ہے بلکہ سراسر انہی لوگوں کا فائدہ ہے جنہیں بلایا جارہا ہے، اس لیے کہ ان کے اختلافات رفع ہوں اور جو ہدایت انہوں نے ضائع کردی ہے وہ پھر اُس سے بہرہ مند ہوسکیں۔

ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ

یہاں ''ثُمَّ'' استعجاب کے لیے ہے کہ چاہیے تو یہ تھا کہ اہل کتاب سب سے آگے بڑھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں پکڑ لیتے اور قرآن پر ایمان لے آتے لیکن انہوں نے تفرقہ بازی کی۔ ہمارے نزدیک ''فَرِیْقٌ'' ایک چھوٹے گروہ پر دلالت کرنے والا لفظ ہے اور ''فَرِیْقٌ'' پر تنوین بھی حقارت کی ہے یعنی تعجب کا اظہار ہے کہ منہ موڑنے والے اہل کتاب ہیں اور حقارت کا معنیٰ مفہوم یہ پیدا کرتا ہے کہ سر پھٹولیاں جن لوگوں کا مقصد حیات ہوجائے وہ قابل تعریف لوگ نہیں ہوتے۔

وَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ

آیت کا تفسیری عمود یہ ہے کہ ''وَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تسلی اور تسکین ہے۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اعراض، تفریق اور برگشتگی ان کی فطرت ثانیہ اور قومی مزاج ہے۔ آپ کی دعوت اور ان کے لیے دردمندی اور شفقت میں کوئی کمی نہیں۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ
فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾
فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا
كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

(24) یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم تو وہ ہیں کہ آگ ہمیں چھوئے گی بھی نہیں سوائے چند دنوں کے اور انہیں دین کے معاملہ میں افترا بازی نے دھوکہ میں مبتلا کر دیا ہے

(25) پھر کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اس دن میں جمع کر لیں گے جس میں ذرہ برابر شک نہیں اور ہر نفس کو اس کا کمایا ہوا پورا پورا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

''یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم تو وہ ہیں کہ آگ ہمیں چھوئے گی بھی نہیں سوائے چند دنوں کے اور انہیں دین کے معاملہ میں افترا بازی نے دھوکہ میں مبتلا کر دیا ہے''۔

قوموں کو جس وقت بدفکری کا سرطان ہو جائے وہ خود بخود قعر مذلت میں خود کو پٹخ دیتی ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی بدقسمتی کہ ان کے علماء نے تورات اور انجیل کی تعلیمات کو خالص نہ چھوڑا۔ وہ من گھڑت باتوں کو شریعت اور اپنی دینی تعلیمات کا حصہ تصور کرنے لگ گئے اور جھوٹی آرزوؤں کی خوراک سے وہ قوت حاصل کرنے کے قائل ہو گئے۔ ان دل پسند، خود تراشیدہ اور من گھڑت باتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ہم تو برگزیدہ قوم ہیں۔ ہم کبائر کا ارتکاب بھی کریں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم کو آگ چھو بھی نہیں سکتی، دوزخ کو کیا ہے کہ ہمارے بال کو بھی توڑے جلائے۔ اگر فرض محال ہم گئے بھی تو گنتی کے دن ہوں گے، پھر ہمارے لیے برگزیدگی کا پروانہ جاری ہو جائے گا۔ قرآن مجید نے اس آیت میں اپنے نزول کے زمانے میں جو یہود مخاطبین میں سے تھے انہیں اور بعد میں آنے والوں کو ان کی اعتقادی اور عملی ذمہ داریوں کا احساس دلایا کہ یہ عقیدہ جو تم نے گھڑ لیا ہے اس سے تمہارے اندر سوچ بچار کے سوتے خشک ہو جائیں گے، تم اپنی تاریخ کھو بیٹھو گے اور کھو بیٹھے ہو، اب تم قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرو، یہ جو تم کہہ رہے ہو یہ تو نرا دھوکہ ہے، فریب ہے، بہتان ہے اور تہمت ہے اور ظلمت آرائی والی بات یہ ہے کہ یہ دھوکہ بھی دین کے بارے میں ہے۔ اُس نے کسی مقام پر بنی اسرائیل کو یہ پرمٹ نہیں دیا کہ وہ چند دن کی سزا کے بعد سیدھے جنت میں چلے جائیں گے۔ آیت کے اندر ایک ''غرہ'' ہے جس کا ذکر کیا گیا اور دوسرا ''افترا'' ہے۔ ''افترا'' اور تہمت تو ذہنی مالیخولیا کی علامت ہوتی ہے اور دین میں دھوکہ گرینڈ جرائم کا سبب بنتا ہے۔ بنی اسرائیل کی من گھڑت خوش فہمیوں نے انہیں اس پر بھی آمادہ کر لیا تھا کہ اہل حق کو شہید کر دینے سے بھی نہیں چوکتے تھے اور غلیظ اور گندے گناہوں کا ارتکاب تو اُن کے نزدیک کوئی بات ہی نہیں تھی۔

''غرہ'' اور ''افترا'' دونوں میں فرق یہ ہوتا ہے کہ غرور اُس چیز کی طمع کو کہتے ہیں جو حاصل نہ ہو سکے اور ''افتراء'' جھوٹ گھڑنے کو کہتے ہیں (126)۔ یہودیوں کا یہ کہنا ہمیں صرف سات دن یا چالیس دن عذاب ہوگا۔ ہم اللہ کے بیٹے ہیں، ہم اُس کے محبوب ہیں۔ محبوبوں کو عذاب تھوڑا ہی دیا

مفردات

ذٰلِكَ: وہ
بِاَنَّهُمْ: اس لیے کہ وہی
قَالُوْا: کہا یا جملے میں استعمال کی وجہ سے کہتے ہیں
لَنْ: ہرگز نہیں
تَمَسَّنَا: چھوئے گی ہمیں
النَّارُ: آگ
اِلَّآ: مگر
اَيَّامًا: ایام، دن
مَّعْدُوْدٰتٍ: گنے چنے
وَغَرَّهُمْ: اور دھوکے میں ڈال دیا ہے
فِيْ: میں
دِيْنِهِمْ: ان کے دین
مَّا: جو
كَانُوْا: تھے یا ہیں
يَفْتَرُوْنَ: تہمت گھڑنا، بے جابات کرنا، سفلی نیت سے الزام تراشی کرنا

جاتا ہے ان کی تو ہلکی سرزنش ہوتی ہے۔ اللہ کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرنا ''افتراء'' بھی ہے اس لیے کہ خدا کے لیے اولاد ثابت کرنا انسانیت تھوڑا ہی ہے (127)۔

فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۗ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

''پھر کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اس دن میں جمع کرلیں گے جس میں ذرہ برابر شک نہیں اور ہر نفس کو اس کا کمایا ہوا پورا پورا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا''۔

المحرر الوجیز میں ابن عطیہ نے لکھا کہ اس آیت میں توقیف اور تعجب کی جہت پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی اُمت کو خطاب ہے (128)۔

علامہ قرطبی نے اس کی تشریح یوں لکھی کہ کیا حال ہوگا ان کا ''یا'' وہ کیا کریں گے جب قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے، جب ان کے حسن مضمحل ہوجائیں گے جس کا وہ دنیا میں دعویٰ کرتے تھے (129)۔

یہ ایک خوفناک دھمکی ہے۔ اس سے دل کانپ اٹھتے ہیں، بدنوں پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے۔ اللہ کے سامنے پیشی کا منظر جو جوانوں کو خوف سے بوڑھا کردے، اس لیے کہ قرآن مجید کہتا ہے: وہ عدل کا دن ہوگا، عدل بے شک انصاف کا اعلان ہے لیکن انبیاء اور اس کے پیارے تو معصوم اور محفوظ ہیں۔ عام آدمی پر کیا گزرے گی۔ آیت میں سوال کردیا گیا لیکن اُس کا جواب نہیں دیا گیا، اس لیے کہ بندہ خود جواب دنیا میں عقیدہ وعمل کی صورت میں تلاش کرے۔ اس سوال کا جواب یہی ہے اللہ کو مان لو، اس کے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت وانقیاد کا قلادہ گلے میں ڈال لو، قرآن مجید کو شعور میں اتار لو، جب قیامت کے دن ہر نفس کو پورا پورا بدلہ ملے گا تو تمہیں یہ ثروت، یہ دولت اور یہ افتخار اجر وثواب کی کثرت کے ساتھ عطا کردیا جائے گا۔ قیامت کا دن ظلم کا دن نہیں عدل کا دن ہے، ظلمت کا دن نہیں نور کا دن ہے۔ ہاں یہ صرف اعمال کی روشنیاں ہوتی ہیں جو قیامت کو نور کا سویرا بنادیتی ہیں اور یہ صرف اعمال کی ظلمتیں ہوتی ہیں جو قیامت کو نور کی بجائے نار بنادیتی ہیں۔

❁❁❁❁❁

مفردات

فَكَيْفَ: پھر کیا ہوگا، تو کیفیت کیسی ہوگی
اِذَا: جب
جَمَعْنٰهُمْ: ہم انہیں جمع کریں گے
لِيَوْمٍ: ایک دن
لَا: نہیں
رَيْبَ: شک
فِيْهِ: اس میں
وَوُفِّيَتْ: اور پورے کا پورا دیا جائے گا
كُلُّ: ہر
نَفْسٍ: جان
مَا: جو
كَسَبَتْ: جو کمائی کی
وَهُمْ: اور وہ
لَا: نہیں
يُظْلَمُوْنَ: ظلم کیے جائیں گے

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ
مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ
اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾
تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۫ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ
الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۫ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾
لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ
وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

(26) عرض کیجیے اے اللہ! ہر ملک کا مالک تو ہی ہے جسے تو چاہتا ہے ملک نواز دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین بھی لیتا ہے اور تو عزت دے جسے چاہے اور ذلّت دے جسے چاہے، ہر بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے

(27) تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور جسے چاہتا ہے بغیر حساب عطا فرماتا ہے

(28) ایمان والے مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو نہ ہوگا وہ اللہ کی طرف سے ذرّہ برابر مرغوب البتہ تم ان سے اپنا بچاؤ کرنے کے لیے ایسا کر سکتے ہو اور اللہ تمہیں اپنی ہیبت سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۫ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۫ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

''عرض کیجیے اے اللہ! ہر ملک کا مالک تو ہی ہے جسے تو چاہتا ہے ملک نواز دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین بھی لیتا ہے اور تو عزت دے جسے چاہے اور ذلّت دے جسے چاہے، ہر بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور جسے چاہتا ہے بغیر حساب عطا فرماتا ہے''۔

آیت کی تفسیر میں سید قطب کے الفاظ عقیدہ ساز ہیں۔ اُن کا خامہ فرسا ذہن محبت کے موتی قرآن سیکھنے والوں کی جھولی میں انڈیل دیتا ہے:

> ''یہ نہایت دھیمی اور مشیت بھری آواز ہے۔ اسلوب دعائیہ ہے لیکن لفظوں میں شہامت اور معنویت گہری ہے اور نظم سے خشوع اور خضوع کی تلقینات جھرنے کی طرح ابل رہی ہیں۔ یہاں قرآن کائنات کی ایک ایک چیز پہلے قاری کے سامنے رکھتا ہے پھر بڑی نرمی اور محبت کے ساتھ انسانی شعور میں ڈالتا ہے کہ ذہن خود محبت سے جوش میں آجاتا ہے اور مان لیتا ہے کہ مدبر کائنات اللہ ہی ہے اور وہی انسان کا نگہبان ہے، وہی جو کائنات کا نگہبان ہے''(130)۔

شان نزول

شان نزول میں پانچ روایات مفسرین نے نقل فرمائی ہیں:

- پہلی روایت حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی ہے، فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ربّ کی بارگاہ میں عرض کی ان کی اُمت کے لیے فارس اور روم کے ملک مسخر کر دیے جائیں تو اللہ

مفردات

قُلِ: فرما دیجیے
اللّٰهُمَّ: اے اللہ
مٰلِكَ: مالک
الْمُلْكِ: سلطنت
تُؤْتِي: تو دیتا ہے
الْمُلْكَ: ملک
مَنْ: جسے
تَشَآءُ: تو چاہتا ہے
وَتَنْزِعُ: اور چھین لیتا ہے
الْمُلْكَ: سلطنت
مِمَّنْ: جس سے
تَشَآءُ: تو چاہتا ہے
وَتُعِزُّ: اور تو عزت عطا کرتا ہے
مَنْ: جسے
تَشَآءُ: تو چاہتا ہے
وَتُذِلُّ: اور تو ذلیل کرتا ہے
مَنْ تَشَآءُ: جسے تو چاہتا ہے
بِيَدِكَ: تیرے ہاتھ میں
الْخَيْرُ: سب خیر ہے
اِنَّكَ: بے شک تو
عَلٰى: پر
كُلِّ: سب
شَيْءٍ: چیز
قَدِيْرٌ: قدرت رکھنے والا
تُوْلِجُ: تو داخل کرتا ہے
الَّيْلَ: رات کو
فِي: میں

تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ محبوب تم اللہ سے یہ دعا مانگتے رہو اللہ تعالیٰ آپ کو یہ کرم عطا فرمادے گا (131)۔

- دوسری روایت بھی درمنثور کی ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں: جبرائیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ** الآیہ پڑھ کر اپنے ربّ سے سوال کیجیے۔ جبرائیل علیہ السلام کی دوبارہ حاضری ہوئی اور عرض کی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "**قل رب ادخلنی مدخل صدق**" پڑھ کر اپنے ربّ سے دعا کردیں، آپ نے دونوں آیتیں پڑھ کر دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دونوں دعائیں قبول فرمالیں (132)۔
- تیسری روایت تفسیر خازن کی ہے کہ یہود کہنے لگے کہ ہم اُس شخص کی نبوت کو ہرگز تسلیم نہیں کریں گے جس نے نبوت بنی اسرائیل سے دوسرے خاندان کی طرف منتقل کردی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہر شئی اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے جسے چاہے عطا فرمائے (133)۔
- چوتھی روایت یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح مکہ کا انعام جب اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اس موقع پر یہ خوشخبری بھی دی گئی کہ فارس اور روم بھی ایک دن پرچم اسلام کے نیچے ہوں گے۔ منافقین نے اسے مبالغہ سمجھا اور تعجب سے کہنے لگے: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ اور مدینہ کو کافی نہیں سمجھا اب فارس اور روم کی بھی خواہش ہوئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی (134)۔
- اور پانچویں روایت رازی نے لکھی کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر جب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خندق کھودنے کا اذن ملا تو ایک چٹان تھی جو ٹوٹنے نہیں پا رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کدال کی ایک ضرب لگائی تو چٹان ریت کے ٹیلے کی طرح ذرہ ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر بلند کی تو مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حیرہ کے محلات میرے لیے روشن کردیے گئے۔ دوسری ضرب پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: روم کی زمین پر سرخ ماڑیاں روشن کردی گئیں۔ تیسری ضرب لگائی تو فرمایا: صنعا کے محلات روشن کر دیے گئے، فرمایا: جبرائیل نے خبر دی ہے کہ آپ کی اُمت یہ سب مقامات فتح کرے گی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوں۔ منافقین نے جب مذاق اڑایا تو یہ آیات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینے پر نازل ہوئیں (135)۔

استدلال کا ایک منطقی پہلو

نجران کا وفد شہر نور میں حاضر ہوا تو ان کے رہبین نے کہا تھا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان تو لے آئیں

مفردات

وَتُوْلِجُ: اور داخل کرتا ہے
النَّهَارَ: دن کو
فِي: میں
الَّيْلِ: رات
وَتُخْرِجُ: اور نکالتا ہے
الْحَيَّ: زندہ کو
مِنَ: سے
الْمَيِّتِ: مردہ سے
وَتُخْرِجُ: اور نکالتا ہے
الْمَيِّتَ: مردہ کو
مِنَ الْحَيِّ: زندہ سے
وَتَرْزُقُ: اور تو رزق دیتا ہے
مَنْ: جسے
تَشَآءُ: تو چاہتا ہے
بِغَيْرِ حِسَابٍ: بغیر حساب کے

لیکن روم کا بادشاہ جو تکریم وخدمت کرتا ہے وہ سب کچھ تو پھر بند ہو جائے گا۔ اس آیت میں مناجات اور دعا کے رنگ میں جواب دے دیا گیا کہ جن بادشاہوں کی دی ہوئی عزتوں اور خدمات پر تم دیوانے ہو رہے ہو سمجھ لو کہ ملکوں اور سلطنتوں کا مالک اللہ کریم ہے، جس کو وہ چاہے جتنا چاہے عطا فرما دے اور جس سے وہ چاہے کہ سلب کرے وہ سلب کر لے۔ شبیر عثمانی کے الفاظ اچھے لگے کہ صرف اتنا ہی نہیں کہ فارس اور روم مسلمانوں کے حوالے کر دے بلکہ وعدہ ہے کہ ضرور حوالے کر دے گا۔ اس اسلوب کا انداز تعبیر اس ماحول سے بھی کامل ہم آہنگی رکھتا ہے جو نجران کے وفد کی آمد پر مباہلہ کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

فضیلت آیات

جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ مہر رسالت کی درخشندہ کرنوں نے مدینہ کو آماجگاہ نور وتجلیات بنا رکھا تھا۔ حضور ﷺ نے نماز کی امامت کر کے دلوں اور روحوں کو منور کر دیا۔ اچانک دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نظر نہ آئے۔ بخت معاذ کی ارجمندی کہ حضور ﷺ خود ان کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا معاذ! کیسا مسئلہ رہا کہ آج تم مسجد میں نہ پائے گئے؟ معاذ نے غلامانہ نیاز پیش کرتے ہوئے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! ایک یہودی کا میرے ذمہ ایک اوقیہ قرض تھا میں آپ کی خدمت میں حاضری کے لیے نکلا تو وہ دامن گیر ہو گیا، پھر ایسا رو کا کہ حاضری ممکن نہ ہو سکی۔ اس پر آقا ﷺ نے فرمایا: آؤ معاذ تمہیں ایک دعا سکھاؤں کہ اگر تمہارے ذمہ پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو تو اللہ تعالیٰ اسے ادا کر دے، پھر دو آیتیں آپ نے وہ پڑھیں جن کی تفسیر نذر قارئین ہو رہی ہے اور ساتھ ہی آپ نے یہ الفاظ بڑھا دیے(136):

رحمن الدنیا و الآخرہ ورحیمھما تعطی من تشاء منھما وتمنع من تشاء ارحمنی رحمتہ تغنی بما عن رحمتہ من سواک الھم اقض عنی الدین واعنی من الفقر وتوفنی فی عبادتک وجھاد فی سبیلک

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسم اعظم اسی آیت میں بتایا کرتے تھے(137)۔

توضیحات

1۔ آیات بینات لفظ ''قُلِ'' سے شروع ہو رہی ہیں، اس لیے کہ رب کریم نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنی ربوبیت کی برہان بنا کر مبعوث کیا۔ آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات بڑی بدیہیہ اور احسن اسلوب میں بیان ہوئیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے دعوے اپنے محبوب کی زبان سے کہلوائے تاکہ یقین افزائی کی نعمت قاریٔ قرآن کو میسر آ جائے۔

2۔ ''مٰلِكَ الْمُلْكِ'' میں اسلوب اور نظم میں صولت اور شوکت معجزہ محسوس ہو رہی ہے۔ لفظوں

کی ترکیب، طاقت اور قوت کے اظہار میں ہر غبارے سے ہوا نکال دیتی ہے۔ ''ملک'' کا لفظی معنیٰ ''قدرت'' ہوتا ہے اور ''مالک'' کا مطلب ''قادر'' ہوتا ہے۔ اب ''مٰلِكَ الْمُلْكِ'' کا مفہوم یہ ہوگا ''القادر علی القدرہ''۔ وہ جو ہر قدرت پر بھی قادر ہو یعنی مخلوق کو جہاں جہاں نظر آنے والی قدرت حاصل ہے وہ سب کچھ اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

3۔ آیت میں متعدد بار یہ کہا گیا ''تَشَآءُ، تو چاہے'' بات جو درس لینے والی ہے وہ اللہ کی مشیت پر یقین واعتماد ہے۔ قاریٔ قرآن کی تربیت کی جارہی ہے کہ اُسے جو کچھ نظر آرہا ہے اور سکرین پر جو ہوتا دیکھ رہا ہے وہ سمجھے کہ یہ سب کچھ عاریتاً ہے۔ نہ کسی کی بادشاہی مستقل ہے اور نہ یہاں کسی کے تاج دائمی ہیں۔ عصر جدید میں وہ قومیں جن کے میزائیل فضاؤں کو چیرتے انسانی زندگی کو کھوپڑیوں کا ڈھیر بنا دیتے ہیں وہ بھی ''مٰلِكَ الْمُلْكِ'' کی دسترس سے باہر نہیں، اللہ نے جس کو جو دے رکھا ہے وہ شروط وقیود کے ساتھ ہے۔ آیت میں دینے اور لینے تک نظر اور ذہن کو روک نہ لیا جائے، روحانی سفر کو ''تَشَآءُ'' تک پہنچایا جائے۔ اس کی چاہت سے باہر کچھ نہیں، اس کی مشیت کے اندر ہی ہے۔ وہ لوگ جو اپنے مجازی اور خدا کے دیے ہوئے ملک میں تصرف بیجا کر رہے ہیں مسلمانوں کو چاہیے کہ نہ اُس سے خوف کھائیں اور نہ بزدل ہوں، ایسے بے وقوفوں کے خدائیوں کے دعوے مسترد کر دیں اور سب کچھ اللہ کے سپرد کر کے باطلین کی کوششوں کے مقابلے میں اللہ کے اذن سے مستحکم، سریع اور مدبرانہ کوشش کریں۔ اللہ مظلوموں کی گردن ظالموں کے شکنجے سے نکالنے میں ضرور مدد فرمائے گا۔ یزید پلید بھی تو اللہ نے ختم کر ہی دیا، فرعونیت اور نمرودیت کے تابوتوں میں بھی کیلیں ٹھونس دی گئیں۔ اللہ کرے گا مسلمانوں پر آگ برسانے والا شیطان ایک نہ ایک دن خود بھسم ہو جائے گا۔

4۔ قرآن مجید اپنے قاری کو افکار عالیہ اور اعمال صالحہ کی تعلیم دیتے ہوئے کائنات کی کھلی کتاب کو بھی اپنے قاری کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ یہاں انقلاب تکوینی کی ایک مثال دے دی گئی جو سائنسی دور میں بھی چشم کشا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہ مشاہدہ صرف ماہرین فلکیات ہی نہیں کر سکتے ہر عام آدمی بھی دیکھ سکتا ہے۔ رات اور دن کروڑوں سال سے ایک دوسرے کو دھکیل رہے ہیں۔ ''ولوج'' کا لفظ دلچسپ ہے۔ راغب نے لکھا کہ ''ولوج'' کسی تنگ جگہ میں داخل ہونے کو کہتے ہیں۔ وہ دلی اور جگری دوست ''ولیج'' ہوتا ہے جسے خاندان سے بھی زیادہ اہمیت دی جائے۔ زمان ومکان میں ''تولیج'' اور ''ولوج'' کے سلسلے عجیب ہیں۔

قرآن مجید اصل میں تجربہ اپنے قاری کو کراتا ہے کہ اٹھانے گرانے کے سلسلے جو تم رات دن کی صورت میں دیکھ رہے ہو یقین جان لو اللہ سے کوئی حاکم بڑا نہیں۔ سب کچھ اس کے قبضۂ قدرت میں ہے، سب اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کا ہے۔

5۔ لیل ونہار کے روحانی مشاہدے کے بعد قاریٔ قرآن کے سامنے زندگی اور موت کا عجوبہ رکھ دیا جاتا ہے۔ زندگی موت کی طرف بڑھتی ہے اور موت سے زندگی نمودار ہوتی ہے اور یہ کام بڑے پرسکون انداز میں کوئی مخفی ہاتھ سرانجام دے دیتا ہے۔ لہلہاتی فصلوں کی طرح زندگیاں جب مسکراتی ہیں تو موت انہیں نگل لیتی ہے اور موت ہی کی وحشت سے کوئی ہے جو مسکراتی زندگی کو جنم دے دیتا ہے۔ کتنا بڑا تجربہ ہے، کتنی واضح نصیحت ہے، کتنا روشن انقلاب ہے، کتنی مدبر سکیم ہے اور کتنی روح پرور دلیل ہے، صرف اس لیے کہ بندہ سمجھ جائے کہ اس تبسم کناں تارے نے بھی ایک دن بجھ جانا ہے اور ان دیکھتی آنکھوں نے بھی بالآخر موت کی وادی میں اتر جانا ہے۔ جب سب کچھ یہی ہے تو پھر لینا کیا ہے اور دینا کیا ہے۔ اپنا کیا ہے اور کیا نہیں بس اللہ اللہ اللہ اللہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

6۔ قاریٔ قرآن سے رات دن کی تسبیح اور مالا پر اللہ اللہ کرانے کے بعد اور موت وحیات کے آئینہ میں بہت کچھ سکھلانے کے بعد قرآن پڑھنے والوں کی روحوں، دلوں اور ذہنوں کو اس آیت کے آخر میں نور سے چھوا جاتا ہے، اس طرح کہ حقیقت کبریٰ منکشف کر دی جاتی ہے کہ کائنات میں ہر ایک کو اُس کا حکیم ومدبر مالک بغیر حساب کے روزی دیے جا رہا ہے۔ دنیا بھی واہ واہ کھلونا ہے۔ بادشاہ بھی چھوٹے چھوٹے بچوں کی طرح فطرت کے معطی کی آغوش میں چوسنیاں لیے خوراک کشید رہے ہیں۔ یہاں کون بادشاہ اور کون فقیر۔ جب مالک وہ، اقتدار اُس کے ہاتھ میں، زندگی نواز ہونا اس کی صفت اور روزی بھی وہ دے، پھر کلمہ کس کا اور ترانے کس کے نام کے، آیت سکھلاتی ہے مان لو اور پھر کہہ دو: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

لَا يَتَّخِذِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡكٰفِرِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ‌ ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَلَيۡسَ مِنَ اللّٰهِ فِىۡ شَىۡءٍ اِلَّاۤ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً‌ ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفۡسَهٗ‌ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُ ﴿۲۸﴾

''ایمان والے مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو نہ ہوگا وہ اللہ کی طرف سے ذرہ برابر مرغوب البتہ تم ان سے اپنا بچاؤ کرنے کے لیے ایسا کر سکتے ہو اور اللہ

مفردات

لَا: نہ
يَتَّخِذِ: بنائیں
الۡمُؤۡمِنُوۡنَ: مومنین
الۡكٰفِرِيۡنَ: کافروں
اَوۡلِيَآءَ: دوست
مِنۡ: سے
دُوۡنِ: چھوڑ کر
الۡمُؤۡمِنِيۡنَ: ایمان والوں کے
وَمَنۡ: اور جو
يَّفۡعَلۡ: کرے گا
ذٰلِكَ: ایسا وہ یہ
فَلَيۡسَ: تو نہیں
مِنَ اللّٰهِ: اللہ کی جانب سے
فِىۡ شَىۡءٍ: کسی شئی میں
اِلَّاۤ: مگر یہ معاف ہے
اَنۡ تَتَّقُوۡا: کہ تم ان سے بچنا چاہو
مِنۡهُمۡ: ان سے
تُقٰىةً: بچنا
وَيُحَذِّرُكُمُ: وہ تمہیں ڈراتا ہے
اللّٰهُ: اللہ
نَفۡسَهٗ: اپنے آپ سے
وَاِلَى اللّٰهِ: اور اللہ کی طرف
الۡمَصِيۡرُ: لوٹ کر جانا

تمہیں اپنی ہیبت سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''۔

گزشتہ آیت میں تربیت یہ دی گئی تھی کہ مسلمانوں کو یہ عقیدہ پختہ رکھنا چاہیے کہ تمام امور اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور رزق بھی وہی دینے والا ہے۔ اب اہل ایمان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ وہ کافروں کے ساتھ کس غرض سے دوستیاں قائم کرتے ہیں۔ مومن کا دل دو طرف وفا نہیں کر سکتا۔ اس کی دوستیوں، محبتوں اور وفاؤں کا رشتہ اللہ ہی سے قائم رہ سکتا ہے۔ اتنا اہم قرآنی اعلان مسلمان کی حیثیت، عقیدے، مقام اور طرز فکر ہر شئی کو واضح کر دینے والا ہے۔ آیت کا اگلا حصہ انتظامیات میں ان روابط کو مستثنیٰ کر دیتا ہے جو مسلمانوں کی قومیت، ریاستی استحکام اور مصالح انسانیت کے لیے ضروری ہوں لیکن کفر کو دل سے پسند کرنا اور اُسے قوت دینا اور اسلامی ریاستوں میں اس کا شیوع قطعاً درست نہیں۔ ولایت اور محبت دلوں اور ضمیروں کے ساتھ تعلق رکھنے والی چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو محتاط اور ہوشیار بن کر جینا سکھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے وہ ڈرنا سکھاتا ہے جس میں احتیاط ہو، مطلب یہ ہے اللہ نے تمہاری مٹھی میں جو رکھا ہے اگر آپ اُسے سنبھال کر کسی سے رابطہ کرتے ہیں تو اس کی اجازت ہے لیکن اگر آپ دولت ضائع کر دینے والے ہیں تو پھر اللہ سے ڈریں اُس راہ نہ چلیں جو تمہیں بربادیوں کی طرف لے جائے۔

تفہیمات وتوضیحات

1۔ شان نزول میں ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول نقل کیا ہے کہ کچھ قریشیوں نے کعبہ کے اندر بت نصب کیے تھے اور ان پر شتر مرغ کے انڈے آویزاں کیے اور ان کے کانوں میں بالیاں پہنائی تھیں اور ان کے سامنے سجدے کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ دیر کے لیے توقف فرمایا اور پھر آپ نے قریشیوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ''تم نے اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے طریقہ کی مخالفت کی''۔ قریش کہنے لگے: ہم جو کچھ کرتے ہیں محبت خدا میں کرتے ہیں اور اس لیے کرتے ہیں کہ یہ بت ہمیں قرب الٰہ میں پہنچا دیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ بھی کہا گیا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ انہوں نے وہ بعض گفتگو کی جس کا مشرکین نے ان سے ارادہ کیا (138)۔

2۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ کی خوشنودی کے لیے دوستی اور دشمنی ایمان کا ایک عظیم الشان دروازہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ یَعْلَمُ مَا فِی
السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾
یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۚۖ وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ
سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَ بَیْنَهٗۤ اَمَدًۢا بَعِیْدًا ؕ وَ یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ
نَفْسَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ ع
قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ
ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾

(29) فرمادیں اگر تم چھپاؤ جو تمہارے سینوں میں ہے یا اُسے ظاہر کرو اللہ اسے جانتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے

(30) جس دن کہ پائے گا ہر نفس سامنے موجود جو بھی اُس نے بھلائی سے کیا ہوگا یا جو بھی برائی کر رکھی ہوگی، چاہے گا کہ اے کاش! اس کے درمیان اور اُس کی کمائی ہوئی برائی کے درمیان دور کا فاصلہ ہوتا اور اللہ تمہیں اپنے بارے میں احتیاط سے رہنا سکھاتا ہے اور اللہ اپنے بندوں کے لیے بے حد رحمت والا ہے

(31) محبوب! فرمادو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تمہیں محبوب بنالے گا اور بخش دے گا تمہارے گناہوں کو اور اللہ بڑا بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے

مفردات

قُلْ: فرمادو
اِنْ: اگر
تُخْفُوْا: تم چھپاؤ
مَا: جو
فِيْ: میں
صُدُوْرِكُمْ: تمہارے دلوں میں ہے، یہاں صدر بمعنی قلب ہے
اَوْ: یا
تُبْدُوْهُ: تم اُسے ظاہر کرو
يَعْلَمْهُ: اُسے وہ جانتا ہے
اللّٰهُ: اللہ
وَيَعْلَمُ: اور وہ جانتا ہے
مَافِي: جو بیچ میں ہے
السَّمٰوٰتِ: آسمانوں
وَمَا: اور جو
فِي الْاَرْضِ: زمین میں
وَاللّٰهُ: اور اللہ
عَلٰى: پر
كُلِّ: ہر ایک
شَيْءٍ: چیز
قَدِيْرٌ: قدرت رکھنے والا

يَوْمَ: دن
تَجِدُ: پائے گا
كُلُّ: ہر
نَفْسٍ: شخص، جان
مَّا: جو
عَمِلَتْ: اُس نے عمل کیا

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٩﴾

''فرمادیں اگر تم چھپاؤ جو تمہارے سینوں میں ہے یا اُسے ظاہر کرو اللہ اسے جانتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے''۔

تہدید اور ڈراوا یہاں ایک اور رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ خدا خوفی کے جذبہ کو مزید تحریک دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ پر یقین میں جوش پیدا کیا جاتا ہے اور ایمان کو محکم کرنے کے لیے جمالیاتی ادب کا اسلوب اپنا کر اپنے محبوب ﷺ سے کہا جاتا ہے کہ آپ فرمادو سمجھا دو اور اس بات کو واشگاف انداز میں بیان کر دو کہ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے تم اُسے مخفی رکھو یا ظاہر کرو اللہ بہر حال اُسے جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمینوں میں ہے، تخصیص نہیں ہے وہ شئی چھوٹی ہے یا بڑی، نظر آنے والی ہے یا نظر نہ آنے والی، وہ مادے کی صورت میں یا حرارت کی صورت میں ہے، اس کی سمت اسفل کی طرف ہے یا اعلیٰ کی طرف، سب کچھ اللہ جانتا ہے اس کے علم کے احاطہ سے کوئی باہر نہیں، پھر بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ کوئی چیز نظر آ رہی ہوتی ہے اور علم میں ہوتی ہے لیکن دسترس میں نہیں ہوتی۔ آسمان زمینی آنکھ میں نظر آ رہا ہوتا ہے لیکن آسمان مسخر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ علم ہی نہیں رکھتا بلکہ وہ ہر شئی پر قدرت بھی رکھتا ہے۔

علمائے تفسیر لکھتے ہیں کہ آیت میں اللہ کا اسم پاک صریح لایا گیا ہے۔ صرف ضمیر پر اکتفا نہیں کیا گیا اس لیے کہ آیت میں رعب اور ترغیب بڑھ جائے۔ وہ ذہن جن تک بات کا ابلاغ ہو رہا ہے وہ ہدایت سے زیادہ قریب ہو جائیں (140)۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْۗءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾

''جس دن کہ پائے گا ہر نفس سامنے موجود جو بھی اُس نے بھلائی سے کیا ہوگا یا جو بھی برائی کر رکھی ہوگی، چاہے گا کہ اے کاش! اس کے درمیان اور اُس کی کمائی ہوئی برائی کے درمیان دور کا فاصلہ ہوتا اور اللہ تمہیں اپنے بارے میں احتیاط سے رہنا سکھاتا ہے اور اللہ اپنے بندوں کے لیے بے حد رحمت والا ہے''۔

آیۂ کریمہ میں آخرت پر یقین کو متحرک، فعال اور عمیق بنایا گیا ہے تا کہ نیکی کے کاموں میں رغبت بڑھ جائے اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو جائے۔ علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ لفظ ''مُّحْضَرًا''

کے معنیٰ میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ وہ اپنے اپنے نامۂ اعمال سامنے حاضر پائیں گے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ اپنے عمل کی جزا کو اپنے سامنے حاضر پائیں گے (141)۔

آیت میں دوسری چیز جو قابل توجہ ہے وہ ''اَمَدًا بَعِیْدًا'' کا معنیٰ ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں غیر محدود زمانہ کی اگر مدت ہو تو اُسے ''ابد'' کہا جاتا ہے اور مدت اگر مجہول ہو اور منزل بعید ہو تو اُسے ''اَمَدًا'' سے تعبیر کر دیتے ہیں جب کہ علامہ آلوسی نے اس کا معنیٰ مسافت بعیدہ سے کیا ہے (142)۔

آیت میں تیسری قابل غور چیز یہ ہے کہ ''وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ'' کا تکرار ہے۔ بعض مفسرین نے کہا کہ تکرار پہلے معنیٰ ہی کی تاکید کے لیے کیا گیا ہے یعنی کفار سے دوستیاں نہ جوڑو لیکن آلوسی وغیرہ نے لکھا کہ تکرار میں معنیٰ کا بھی تجدد ہے یعنی پہلے تو اللہ نے ڈرایا کہ کافروں سے دوستیاں نہ کرو اور اب اس لیے ڈرایا کہ نیک اعمال کی طرف رغبت سے بڑھو (143)۔

قرآن مجید کی یہ آیت اور اس سے پہلی آیت قرآن سننے والوں کے تعلقات اور روابط پر نظر ڈالتی ہے اور کڑی ہدایات دیتی ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ اسلامی تحریک پر یہ دور فیصلہ کن موڑ کی طرف بڑھ رہا تھا اسی لیے ضرورت تھی کہ لوگوں میں فکری، عملی اور تحریکی یکسوئی پیدا کی جائے اور ہر تعلق کو نظریۂ حیات کی بنیاد پر استوار کر دیا جائے۔

حضرت علی المرتضےٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد گرامی ہے (144):

''جاہل کے ساتھ دوستی قائم نہ کر تو اس سے دور رہ اور وہ
تجھ سے دور رہے کتنے ہی جاہل بردبار لوگوں کو ہلاک کر
دیتے ہیں جب وہ ان سے بھائی چارہ قائم کرتے ہیں''۔

الحمدللہ یہاں تک مدینہ شریف میں لکھنے کی توفیق ہوئی 17-1-11 بمطابق 13 ربیع الثانی

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾

''محبوب! فرما دو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تمہیں محبوب بنا لے گا اور بخش دے گا تمہارے گناہوں کو اور اللہ بڑا بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے''۔

کلمہ ''قُلْ'' معیار دستور

قرآن مجید کی یہ آیت انقلاب حق کا معیار واضح کرتی ہے کہ حضرت محمد ﷺ ہی وہ عالی مقام شخصیت ہیں جو اعلیٰ و بالا کمالات کی روشنیوں سے جگمگا رہی ہے۔ لفظ ''قُلْ'' رسول اکرم ﷺ کے

مفردات

مِنْ: سے
خَیْرٍ: بھلائی
مُّحْضَرًا: حاضر، روبرو، اپنے آمنے سامنے
وَّمَا: اور جو
عَمِلَتْ: کیا ہوگا
مِنْ سُوْٓءٍ: برائی سے
تَوَدُّ: آرزو کرے گا
لَوْ اَنَّ: کاش، تحقیق
بَیْنَھَا: اُس کے درمیان
وَبَیْنَہٗٓ: اور اُس کے درمیان
اَمَدًا: مدت دراز، لمبا فاصلہ، گہرا فرق وغیرہ
بَعِیْدًا: دور کا
وَیُحَذِّرُکُمُ: اور ڈراتا ہے تمہیں
اللّٰہُ: اللہ
نَفْسَہٗ: خود سے
وَاللّٰہُ: اور اللہ
رَءُوْفٌ: مہربان
بِالْعِبَادِ: بندوں پر

قُلْ: فرما دو
اِنْ: اگر
کُنْتُمْ: تم ہو
تُحِبُّوْنَ: محبت رکھتے
اللّٰہَ: اللہ سے
فَاتَّبِعُوْنِیْ: تو میری پیروی کرو
یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ: محبت کرے گا تم سے اللہ
وَیَغْفِرْ لَکُمْ: اور تمہیں بخش دے گا
ذُنُوْبَکُمْ: تمہارے گناہ

منفرد اندازِ تکلم کی معجزانہ تاثیر کی خوشبو کو ارزاں کر رہا ہے۔ آپ ﷺ کے لبوں کو چھو کر جب وحی کی روشنیاں بکھریں تو صحرائے عرب میں پڑا ریگ کا ذرّہ ذرّہ رنگ و نور میں ڈوبا ہوا محسوس ہونے لگ گیا، چونکہ انسانی زبانیں، لہجے اور انداز نصاب ادب کا مقام و مرتبہ متعین کرتے ہیں اس لیے اللہ نے اپنے محبوب سے فرمایا: ''آپ فرما دو'' تاکہ آپ کی زبان کی تازگی، لطافت، طہارت، تاثیر اور شہامت دستور قرآن کا معیار بن جائے اور کلام الٰہی ادائیگی کے ساتھ ہی روحوں میں اترنے لگ جائے۔

نادانوں کی بے روح منطق

قرآن حکیم کے دلآویز اور ایمان آفرین کلمات جب لہجۂ رسول اور آواز اصطفا کی مٹھاس لیے سماعتوں کے پردوں سے ٹکرائے، چاہتوں کی پیاسی دنیا کو چشمۂ فیض مل گیا اور عقیدتوں اور محبتوں کے معیارات امتیازات کے رنگ بانٹنے لگ گئے۔ مذاہب کے پرانے پاپیوں کو اپنے بت دھڑام سے گرتے محسوس ہونے لگ گئے۔ انہوں نے کہنا شروع کر دیا ہم اللہ کے لاڈلے ہیں، ہم ہی اللہ سے محبت کرنے والے ہیں، ہم یہ ہیں اور ہم وہ ہیں، اللہ نے اعلان فرما دیا: ''محبوب فرما دو'' تم جو بھی ہو دعویٰ محبت میں اگر سچے ہو تو میری پیروی کرو، اب محبّیت اور محبوبیت کا معیار اللہ نے مجھے ہی بنا دیا ہے۔

اب تم سب میرے پیچھے ہو جاؤ

دنیا ساری بھر بھری پگڈنڈی پر کھڑی ہے۔ کوئی ذہنوں کی تفسید کر رہا ہے لیکن اُسے نیکی تصور کر بیٹھا ہے۔ کوئی صنم گری اور صنم پرستی کی آگ میں جل رہا ہے لیکن خود کو محسن انسانیت قرار دے رہا ہے۔ کوئی فلسفے کی یبوست سے دل کی نازک دھڑکنوں کو فنا کر رہا ہے لیکن دعویٰ قاسم حیات ہونے کا کیے جا رہا ہے۔ کوئی ملکۂ ایسا غوجیت کا ٹھرکی ہے لیکن شیخ الحدیث ہونے کی روحانیت کا دعوے دار بنا ہوا ہے۔ کوئی صرف ڈھولکی بجا کر ''روح محمد'' ہونے کی لاہوت تلاش کرنے کا راہی بنا بیٹھا ہے۔ کوئی خالق شر و شرارت کا ہے لیکن ماما صالحین کا بنا بیٹھا ہے کوئی کیڑوں کی طرح زندگی گزارتا ہے لیکن تقدس کے بت خوابوں سے تراشتا ہے، کوئی الف مدآ ہے اور آتمیت کا صنم گر بنا ہوا ہے، کوئی عین سے عیسائی ہے لیکن شرک کی ظلمت میں الجھا ہے اور کوئی یا سے یہودی ہے لیکن حیلہ گر فسوں زادہ قافلۂ آدمیت کو تباہ کر رہا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت سب کو دھکیل کر پیچھے کر رہی ہے۔ پیچھے پیچھے پیچھے، نورِ رحمت کے پیکر حضرت محمد ﷺ سے پیچھے ہو کر ان کے نقوش قدم پر چلتے بڑھو، اللہ تم سے محبت کرنے لگ جائے گا۔ محبت کی یہ مسرت ہی تمہارے لیے روحانی سوغات نہیں ہوگی بلکہ تمہارے گناہوں کی بخشش کا انعام بھی مل جائے گا۔

❁❁❁❁❁

مفردات

وَیَغْفِرْ لَکُمْ: اور تمہیں بخش دے گا
ذُنُوْبَکُمْ: تمہارے گناہ
وَاللّٰہُ: اور اللہ
غَفُوْرٌ: بخشنے والا
رَّحِیْمٌ: مہربان

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾
اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ۙ
ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ۚ
اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا
فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾

(32) فرمادیں اطاعت کرو اللہ اور اُس کے رسول کی پھر اگر وہ روگردانی کریں تو بے شک اللہ کفر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

(33) بے شک اللہ نے فضیلت کے ساتھ چُن لیا آدم اور نُوح اور آل ابراہیم اور عمران کی اولاد کو تمام جہانوں میں

(34) اولاد ہیں ایک دوسرے کی اور اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے

(35) جب کہا عمران کی اہلیہ نے میرے ربّ میں تو خالص تیرے لیے منّت مان چکی ہوں کہ جو کچھ میرے پیٹ میں ہے وہ تیرے ہی نام پر خاص ہوگا سو مجھ سے قبول فرمالے، بے شک تو ہی خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے

مفردات

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

''فرمادیں اطاعت کرو اللہ اور اُس کے رسول کی پھر اگر وہ روگردانی کریں تو بے شک اللہ کفر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

اس آیۂ نافعہ میں خوبصورت مکمل اور مستحکم زندگی کا ٹھوس اور مضبوط لائحہ عمل دے دیا گیا۔ صرف یہی کافی نہیں کہ انسان وقت کے سمندر میں تخیلاتی کشتیاں بناتا رہے اور آخر کار طلسمات کے سمندر میں ڈوب کر خودکشی کر لے۔ کامیابی کا یہ راستہ بتایا جا رہا ہے کہ معرفتِ رسول، اقرارِ رسول، تصدیق رسول، عشقِ رسول اور اطاعت رسول سے مستفید ہو کر خوبصورت زندگی کا سراغ لگایا جائے۔ وہ لوگ جو اس منشورِ حق سے روگردانی کرتے ہیں، وہ اپنے لیے زندگی کی ہواؤں اور فضاؤں کو خود پریشانیوں کی آگ سے آتشیں بنا لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے رحمت اور برکت کی مسکان نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناپسندیدگی کا عذاب ہوتا ہے۔ وہ چیختے ہیں، بلبلاتے ہیں اور فریاد کرتے ہیں لیکن راہ رسالت سے ان کا بھگوڑا پن اُنہیں بے چینیوں اور نفرتوں کے قعرِ مذلت میں پٹخ دیتا ہے۔ اطاعت رسول ﷺ بھی کیا دولت ہے، بندہ لحظوں کے سمندر سے محبتوں کے چمن میں جا اترتا ہے، جہاں خوشبوئیں اور روشنیاں ہی اس کا استقبال کرتی ہیں۔ وہ گلاب کی پتیوں میں اپنے آقا ﷺ سے ملاقات کرتا رہتا ہے۔ عاشقِ رسول سچی بات ہے بے کار تمناؤں کے لایعنی دیس میں نہیں رہتا۔ نام محمد ﷺ کی مالا جپنا اُسے اس قافلے کا ہم حوش بنا دیتا ہے جس کا مقتدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہوتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾

''بے شک اللہ نے فضیلت کے ساتھ چُن لیا آدم اور نُوح اور آل ابراہیم اور عمران کی اولاد کو تمام جہانوں میں''۔

''اصْطَفٰٓى'' کیا ہے؟

خالص چیز کو اہل عرب ''اصْطَفٰٓى'' سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ صاف اور شفاف پتھر ''صفا'' ہوتا ہے۔ المفردات میں راغب نے لکھا کہ ''اصْطَفٰٓى'' کا معنیٰ کسی چیز کا ہر قسم کی آمیزش سے پاک ہونا ہوتا ہے (145)۔ ''یوم صاف'' وہ خوشگوار اور خنک دن ہوتا ہے جس میں نہ بادل ہوں اور نہ ہی فضا غبار آلود ہو۔ کسی عمدہ، خوبصورت اور اوصاف حمیدہ رکھنے والی شخصیت کا انتخاب کر لینا بھی ''اصْطَفٰٓى'' ہوتا ہے۔ تاج العروس نے لکھا (146) کہ مال غنیمت کی وہ چیز جسے امیر اپنے لیے رکھ لے وہ بھی ''اصْطَفٰٓى''

قُلْ: فرما دیجیے
اَطِيْعُوا: اطاعت کرو
اللّٰهَ: اللہ
وَالرَّسُوْلَ: اور رسول معظم کی
فَاِنْ: پھر اگر
تَوَلَّوْا: وہ روگردانی کر دیں
فَاِنَّ: تو بے شک
اللّٰهَ: اللہ
لَا يُحِبُّ: پسند ہی نہیں کرتا
الْكٰفِرِيْنَ: انکار حق کرنے والوں کو

اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
اصْطَفٰٓى: چن لیا
اٰدَمَ: آدم علیہ السلام
وَ: اور
نُوْحًا: نوح علیہ السلام
وَّ: اور
اٰلَ: آل
اِبْرٰهِيْمَ: ابراہیم علیہ السلام
وَاٰلَ: اور آل
عِمْرٰنَ: عمران
عَلَى: پر
الْعٰلَمِيْنَ: جہانوں

ہوتی ہے۔انبیائے کرام مصطفین ہوتے ہیں اس لیے کہ اللہ نے انہیں نبوت اور رسالت کے لیے چن لیا ہوتا ہے۔لسان العرب کے مطابق ''اصْطَفٰی'' ترجیح اور فضیلت دینا ہوتا ہے(147)۔

سورہ محمد میں ''عسل مصفٰے'' کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے اس کا مطلب صاف کیا ہوا شہد ہوتا ہے(148)۔

آیت کا واشگاف اعلان

قاریٔ قرآن کو یہ امر بخوبی سمجھ لینا چاہیے کہ سورۂ ال عمران میں نجران کے عیسائیوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مباہلہ مذکور ہوا ہے۔اس میں مذہبی عقائد کو کچھ روحانی شخصیات کے ساتھ جوڑنے اور مربوط کرنے کی بعض توثیقات ہیں اور بعض تردیدات ہیں اس لیے ان خاندانوں کی تاریخی حیثیت کا بیان کرنا ضروری تھا اور قرآن اگر بحث کو مابعد الطبعیات کے دائرہ میں داخل کر دیتا تو سوائے خشکی اور یبوست کے قرآن پڑھنے والے کے ہاتھ کچھ نہ لگتا اس لیے قرآن نے اپنا دعوتی اسلوب اختیار کیے رکھا اور کچھ خاندانوں کی فضیلتیں اور اوصاف کھل کر بیان کیے۔حقیقت آگاہی کے بغیر حقیقت گیری ممکن نہیں ہوسکتی اس لیے آیتِ زیرِ تفسیر میں آدم اور نوح علیہما السلام کے ''اصْطَفٰی'' کا ذکر قدرے وسعت کے ساتھ کیا گیا اور آل ابراہیم اور آل عمران کا تذکارِ رحمت محبت کے ساتھ کیا گیا۔یہ ایسے ہی ہے کہ درختوں کے برگ وثمر کی رونق اسی صورت میں سمجھ آتی ہے جب ان کی جڑوں پر یقین حاصل ہو۔مباہلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ علی اور فاطمہ اور حسن وحسین علیہم السلام تھے ۔ اب اس آیت کو آئینہ بنا کر ''اصْطَفٰی'' کی اگلی پچھلی تصویروں کا حسن دیکھا جا سکتا ہے۔قاریٔ قرآن کی مرضی وہ چاہے تو بات آدم سے شروع کرلے اور چاہے تو مطالعہ پنج تن پاک سے شروع کرلے،راستے میں اُسے ہر خاندان سے حقیقت کی خوشبو محسوس ہوجائے گی اور شرک سے بچنے کی اذان بھی سماعتوں میں رس گھولنے لگ جائے گی۔

''اٰل'' کا معنیٰ کیا ہے؟

علامہ راغب لکھتے ہیں(149) کہ ''اٰل'' لفظ ''اھل'' ہی سے ماخوذ ہے اور ان دو میں یہ فرق بھی لکھا گیا ہے کہ ''اٰل'' عام طور پر بزرگی اور شرافت میں منتہیٰ تک پہنچ جانے والے افراد کے قریبی رشتہ داروں اور اولاد ذریت کے لیے استعمال ہوتا ہے، جب کہ ''اھل'' میں وسعت ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''اٰل'' کی اضافت انسانوں کی طرف ہوتی ہے، جب کہ ''اھل'' کی اضافت زمان و مکان اور ہر قسم کی چیز کی طرف ہوسکتی ہے مثلاً ''آل مدینہ'' نہیں کہا جا سکتا ''اہل مدینہ'' کہا جا سکتا ہے، ''آل بیت'' نہیں کہا جا سکتا ''اہل البیت'' کہا جا سکتا ہے۔بعض لوگ لفظوں کے خالی کشکول

بھرنے کے لیے ریت جمع کرتے رہتے ہیں، صرف اس لیے کہ لوگوں کا رخ شاہ والا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد سے پھر جائے۔ ان کے کاغذی جہاز ان کی امانی اور خواہشات کے بھنور میں الجھے ہی رہتے ہیں۔ وہ ''آل محمد'' میں گھسنے کے لیے ''آل فرعون'' کی قرآنی اصطلاح کا سہارا لیتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں آل لفظ میں عموم ہے اس میں تقی نقی سب شامل ہیں۔ سوچنے میں کیا حرج ہے کہ تقی نقی بھی انہی کے ہیں یا پھر یہ کہ تقی نقی بننے کے لیے بھی دروازہ انہی کا چاہیے۔ قرآن فہمی کا ایک اور میزان پیش نظر رہے کہ وحی لفظ سہ جہتی ہے، شہد کی مکھی کے لیے بھی استعمال ہوا۔ شیاطین کے لیے کہا گیا کہ ان کے بعض بعضوں کی طرف وحی کرتے ہیں اور وحی اللہ کی طرف سے رسولوں کے لیے مختص پیغام کے لیے بھی استعمال ہوا لیکن مدارِ تخصیص ایک ہی ہوگا اور وحی لفظ کو دیکھ کر نبوت کے معنیٰ میں تعمیم نہیں ہوگی۔

مودت لفظ قرآنی ہے جو خاص ہے ولائے رسالت رکھنے والوں کے لیے، کوئی یہ کہے کہ ''ود'' اور ''یعود'' تو کافروں کے لیے بھی استعمال ہوا لہٰذا مودت کی وہ چادر پھاڑنا شروع کرے تو یہ درست نہیں ہوگا، آل آل ہی ہوگی، نہ اُن میں کسی کو شامل کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان سے کسی کو نکالا جا سکتا ہے۔ اکابر نے ہمیشہ آل رسول کا مخصوص مفہوم سمجھتے ہوئے اولاد رسول کو عزت دی اور ان سے وابستگی کو اپنے لیے ذریعۂ نجات تصور کیا۔

ایک نقطۂ تحقیق

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل میں جہاں اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام شامل ہیں ایسے ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل بھی خانوادۂ کریمہ میں شامل ہے بلکہ ''اصْطَفٰی'' کا اصل اشارہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل کی طرف ہے البتہ عمران سے مراد کون ہیں؟ جمہور مفسرین کے مطابق عمران سے مراد جناب مریم کے والدِ گرامی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گرامی مرتبت نانا لگتے ہیں۔ شجرۂ رحمت دادا ہونے کی جڑ سے پھوٹے یا نانا ہونے کی تاریخ یاد کروائے بات تو فضیلت و اصطفا کی حقیقت پر یقین رکھنا ہے لیکن ایک طرف آل ابراہیم کہنا اور دوسری طرف آل عمران کہنا روشنیوں اور خوشبوؤں کے دو طرحی کنبے قاریٔ قرآن کے سامنے لاتے ہیں جن میں دادا جان اور نانا جان کی نسبتیں مہک رہی ہیں۔ حسنین کریمین کے دادا جان ابراہیم پر بھی سلام اور نانا جان پر بھی سلام، مزے کی بات یہ ہے کہ جناب ابو طالب کا ایک نام عمران بھی تھا۔ اہل البیت ''اصْطَفٰی'' کی تاریخی روشنیاں رکھتی ہے۔

ذُرِّیَّۃًۢ بَعْضُہَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾

''اولاد ہیں ایک دوسرے کی اور اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے''۔

اس آیت میں ایک چراغ تہِ داماں یاد کرایا گیا ہے۔ وہ قوم جو ذریت کا خیال نہیں رکھتی خود فریبی

مفردات

ذُرِّیَّۃً: اولاد
بَعْضُہَا: بعض اس کا
مِنْ: سے
بَعْضٍ: بعض
وَاللّٰہُ: اور اللہ
سَمِیْعٌ: بہت سننے والا
عَلِیْمٌ: جاننے والا

میں مبتلا ہوتی ہے۔ قدرداں لوگ تو پھولوں، پھلوں اور اناج کے بیج بھی ضائع نہیں ہونے دیتے، وہ لوگ جن کے پاس ابراہیم وعمران کی آل وذریت موجود ہو وہ ان کی فکری، روحانی اور عملی تاریخ سے کیسے دستکش ہوسکتے ہیں۔ وہ لوگ جو ''مقام ذریت'' اور تاریخ ذریت سے ناآگاہ ہیں وہ اپنے نفسوں کے اندر چھپے ہمزادوں کی بدتر شرارتوں کی حفاظت کررہے ہوتے ہیں۔ صحراؤں کے پیٹ میں جنگلی وحشیوں کی صحبت میں مے نوشی کرنے والے یزیدوں کو کربلا میں دشمنی کس سے تھی؟ جی ہاں ذریت ہی کا وہ شکاری تھا۔ معصوم علی اصغر رضی اللہ عنہ نے کسی کا کیا بگاڑا تھا۔ قرآن مجید میں آل آل اور ذریت ذریت کی تکرار میں انسانیت کی حقوق آشنائی کا دعویٰ رکھنے والوں کو آئینۂ حقیقت بتلانا ہی مقصود ہے اور ذریت میں بعض کا بعض سے ہونا فکری یکسوئی اور ہم نشینی کا درس دینا ہے کہ نسلوں کی تعمیر کی فکر رکھنے والوں کو کوشش سے خود کو اُن اعلیٰ فکری نسلوں سے ہم آہنگ کرلینا چاہیے جن کی تاریخ سے عدل وایمان کی خوشبو آرہی ہے اور اللہ سمیع وعلیم ہے یعنی ہر وہ آواز جو تعمیر ذریت کے لیے اٹھتی ہے اُس آواز کا سننے والا اللہ ہے اور نیکی کا ہر نیٹ ورک اللہ کے علم سے باہر نہیں، وہ شریفوں اور شریروں سب کو اچھی طرح اور خوب جاننے والا ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾

''جب کہا عمران کی اہلیہ نے میرے ربّ میں تو خالص تیرے لیے منّت مان چکی ہوں کہ جو کچھ میرے پیٹ میں ہے وہ تیرے ہی نام پر خاص ہوگا سو مجھ سے قبول فرمالے بے شک تو ہی خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے''۔

اور یاد کرو

قرآن مجید کی یہ آیت مذہبی پیشوایت اور روحانی تاریخیت میں شخصی عظمتوں اور فضیلتوں کی عطر افشانی کرتی ہے اور بات یہاں سے شروع کرتی ہے کہ یاد کرو جب عمران کی عورت نے کہا۔ قابل ملاحظہ اس عورت کا جذبہ ہے جو اس کے لفظوں میں تڑپ رہا ہے۔ یہ عظیم عورت جناب عیسیٰ علیہ السلام کی نانی حنّہ تھیں۔ حنّہ حنین سے ہے، کثرت سے رو رو کر مناجات کرنے والی خاتون، نام میں اور دعائیہ عزم میں کتنی گہری مطابقت محسوس ہوتی ہے۔ بہرحال ان کے لبوں کے لمس سے جو عزم پھوٹ رہا ہے وہ ''رَبِّ'' لفظ میں عشق کا آتشیں اظہار ہے ''اے میرے ربّ''، ضمنی طور پر یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مریم علیہا السلام کے والدِ گرامی کا نام عمران تھا۔

مفردات

اِذْ: جب
قَالَتِ: بولیں
امْرَاَتُ: بیوی، عورت
عِمْرٰنَ: عمران کی
رَبِّ: اے میرے پروردگار
اِنِّیْ: بے شک میں
نَذَرْتُ: میں نے نذر مانی ہے
لَكَ: تیرے لیے
مَا: جو
فِیْ: اندر
بَطْنِیْ: میرے پیٹ کے
مُحَرَّرًا: وہ آزاد ہوگا یعنی عبادت کے لیے مختص ہوگا
فَتَقَبَّلْ: تو قبول کر
مِنِّیْ: میری طرف سے
اِنَّكَ: بے شک تو
اَنْتَ: تو
السَّمِیْعُ: خاص سننے والا
الْعَلِیْمُ: بہت جاننے والا

ابن کثیر لکھتے ہیں (150):

''حنہ نے ایک دن ایک چڑیا دیکھی کہ وہ اپنے ننھے ننھے بچوں کو بھرا رہی ہے، دانے توڑ کر بچوں کے منہ میں ڈالنے کا جمالیاتی منظر حنہ کی روح کو تڑپا گیا۔ خلوص کے ساتھ انہوں نے اپنے ربّ کو پکارا اور جستجو پروردگار کے سامنے رکھ دی، اسی رات کام ہو گیا اور مایوسیوں کو رجا کی منزل مل گئی اور نذر مان لی، اے مجھے پالنے والے میرے پیٹ میں جو ہے وہ تیرے نام کی نذر ہے، وہ تیرے لیے وقف ہوگا، سو تو مجھ سے وہ نذرانہ قبول فرمالے''۔

''مُحَرَّرًا'' کا مفہوم

بی بی حنہ نے اپنی دعا میں اس جذبے کو ایسا سجایا کہ نذر کا غنچہ چٹک کر لطافت گل میں ڈھل گیا کہ میں جو کچھ پیٹ میں رکھتی ہوں اُسے قدس کی خدمت اور عبادت کے لیے وقف کر دوں گی۔ خدمت اور عبادت کے لیے ''مُحَرَّرًا'' کا لفظ لایا گیا، یہ تحریر کے مادہ سے لایا گیا ہے۔ اس کا اساسی معنیٰ آزاد کرنا ہوتا ہے۔ قدس کے خدمت گاروں کو ''مُحَرَّرًا'' اس لیے کہتے تھے کہ وہ ماں باپ کی ہر قسم کی خدمت سے آزاد ہو جاتے تھے اور ان کے لیے معبد میں رہنا ہی باعث افتخار ہوتا تھا۔

''مُحَرَّرًا'' لفظ میں بے قید نذر کی تعبیر نہایت ہی معنیٰ خیز ہے، اس لیے کہ صحیح معنوں میں آزاد شخص وہی ہوتا ہے جو اللہ کا ہو جائے اور ہر طرف سے کٹ کر اللہ ہی کی پناہ میں آجائے۔ اللہ کی بندگی کا مفہوم بھی یہی ہوتا ہے کہ بندہ ہر چیز، ہر شخص، ہر طاقت اور ہر قدر کی غلامی سے نجات پالے۔ حنہ کی نذر خوبصورت تھی، بامعنیٰ تھی اور عرفان سے لبریز تھی۔ بے شک ان کی دعا کی ہر لہر اور ارادت میں روحانی خوشبوئیں تحلیل ہو چکی تھیں۔ یہ صرف لفظ نہیں تھے۔ دل کی دھڑکنوں سے اٹھنے والی معنوی ہُوک تھی جسے آج بھی کوئی خلوص سے سنے تو اس کا خاکی پیکر سنورنے لگ جاتا ہے۔ حنہ کی دعا بلاشبہ ایسا بیج تھا جس سے زندگی نے تخلیق پائی تھی۔

آیت کے آخر میں یہ کہنا کہ بے شک تو ہی بہت سننے والا اور جاننے والا ہے، صدیوں کے پرانے منظروں کو فہم اور ہدایت کا رنگ دینے والا جملہ ہے۔ یہ عقیدہ ہی نہیں مسحور کن اور جہاں ساز آواز بھی ہے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا
وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ
اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾
فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا
زَكَرِیَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ
قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ
مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

(36) پس جب جنم دیا اسے تو عرض کرنے لگیں میرے ربّ! میں نے تو لڑکی جنم دے دی ہے اور اللہ تو بہت جاننے والا ہے اُسے جو اس نے جنم دیا، نہیں ہوسکتا کوئی بچہ اس برگزیدہ لڑکی ایسا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اُسے اور اس کی اولاد کو مردود شیطان سے

(37) تو قبول فرمایا اُسے اس کے ربّ نے بڑی اچھی چاہت کے ساتھ اور اسے نہایت اچھے طریقے سے پروان چڑھایا اور اسے ذکریا کی کفالت میں دے دیا اور جب بھی ذکریا محراب میں اس کے پاس داخل ہوتے تو اس کے پاس بڑی شان والے رزق کا اہتمام پاتے فرماتے اے مریم! تیرے پاس یہ کہاں سے آیا فرماتیں وہ اللہ کی طرف سے ہے بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب نوازتا ہے

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾

''پس جب جنم دیا اسے تو عرض کرنے لگیں میرے ربّ! میں نے تو لڑکی جنم دے دی ہے اور اللہ تو بہت جاننے والا ہے اُسے جو اس نے جنم دیا، نہیں ہوسکتا کوئی بچہ اس برگزیدہ لڑکی ایسا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اُسے اور اس کی اولاد کو مردود شیطان سے''۔

آیت کا تفسیری پس منظر

مفسرین نے لکھا کہ حضرت مریم کی والدہ نے اس لیے یہ نذر مانی تھی کہ نومولود کو قدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیا جائے گا کہ یہ بشارت ان کے خاندانی مبشرات کا حصہ تھا کہ ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو مریضوں کو شفا دے گا، مُردوں کو زندہ کرے گا لیکن جب حنّہ کے ہاں بچی پیدا ہوگئی تو آپ استعجاب میں مبتلا ہوگئیں کہ اب نذر کیسے پوری ہو، پیدا ہونے والی تو بچی ہے، اب اسے قدس میں کیسے وقف کیا جا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے آیت میں تسلی کروادی کہ اس بچی ایسا کوئی مذکر نہیں ہے اس لیے کہ اُس مبشرات کے پیکر بچے کی ماں یہی نومولود بچی بنے گی۔

شوخیاں مناسب نہیں

یہ جو سوچا گیا کہ حضرت حنّہ کی زبان سے جو جملہ نکلا کہ لڑکا لڑکی کی طرح نہیں، انہیں کہنا تو یہ چاہیے تھا کہ لڑکی لڑکے کی طرح نہیں کیونکہ انہوں نے تو لڑکی کو جنم دیا تھا نہ کہ لڑکے کو، ممکن ہے کہ جملے میں تقدیم تاخیر ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وضع حمل کے وقت تکلیف اور پریشانی کی وجہ سے آپ نے بے سمجھے کہہ دیا ہو، اس لیے کہ وہ لڑکے کی آس لگائے بیٹھی تھیں اور اللہ نے عطا لڑکی کر دی تھی، میرے نزدیک اس تفسیری شوخی کی بجائے یہ سوچ لینا زیادہ اقرب ادب ہے کہ حنّہ کے ذہن پر تو مُردے زندہ کرنے والا بچہ چھایا ہوا تھا۔ اُنہیں اسی کا انتظار تھا لیکن وہ یہ سوچ نہ سکیں کہ مقدر کا نور ان کی نومولود بچی کا حصہ ہوگا اور وہ درست تھا کہ اُس بچے ایسی تو کوئی بچی نہیں ہوسکتی تھی۔ قرآن مجید کے اس جملے میں بڑی لطافتیں ہیں کہ لڑکے ایسی تو لڑکی نہیں ہوسکتی۔ اس کا قرینہ حنّہ کی دعا ہے کہ میں بچی کا نام مریم رکھتی ہوں اور اسے اور اس کی ذریت کو شیطان سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

مفردات

فَلَمَّا: پس جب
وَضَعَتْهَا: اُس بچی کو جنا
قَالَتْ: وہ بولی
رَبِّ: اے میرے ربّ
اِنِّيْ: تحقیق میں نے
وَضَعْتُهَآ: میں نے اس بچی کو جنا
اُنْثٰى: بچی
وَاللّٰهُ: اور اللہ
اَعْلَمُ: بہت زیادہ جاننے والا
بِمَا: کس چیز کو
وَضَعَتْ: اُس نے جنا
وَلَيْسَ: اور نہیں ہے
الذَّكَرُ: کوئی مذکر
كَالْاُنْثٰى: بچی جیسا
وَاِنِّيْ: اور میں نے
سَمَّيْتُهَا: اس کا نام رکھا
مَرْيَمَ: مریم
وَاِنِّيْٓ: اور تحقیق میں
اُعِيْذُهَا: اسے پناہ میں دیتی ہوں
بِكَ: تیری
وَذُرِّيَّتَهَا: اور اس کی اولاد کو
مِنَ: سے
الشَّيْطٰنِ: شیطان
الرَّجِيْمِ: دھتکارا ہوا، سنگسار کیا ہوا، ملامت زدہ

مفردات

فَتَقَبَّلَهَا: تو اُسے قبول کرلیا
رَبُّهَا: اس کے پروردگار نے
بِقَبُوْلٍ: قبول کرنا
حَسَنٍ: خوشی سے
وَّاَنْۢبَتَهَا: اور پروان چڑھایا اُسے
نَبَاتًا: اس کی پودکو، اس کی اٹھان کو
حَسَنًا: نہایت اچھا
وَّكَفَّلَهَا: اور اس کا کفیل بنادیا
زَكَرِيَّا: زکریا کو
كُلَّمَا: جب کبھی بھی
دَخَلَ: داخل ہوتا
عَلَيْهَا: اُس پر
زَكَرِيَّا: زکریا
الْمِحْرَابَ: محراب، عبادت کی جگہ
وَجَدَ: وہ پاتا
عِنْدَهَا: اُس کے پاس
رِزْقًا: رزق
قَالَ يٰمَرْيَمُ: بولے اے مریم
اَنّٰى: کہاں سے
لَكِ: تیرے لیے
هٰذَا: یہ
قَالَتْ هُوَ: بولیں وہ ہے
مِنْ: سے
عِنْدِ اللّٰهِ: اللہ کے ہاں سے
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
يَرْزُقُ: روزی دیتا
مَنْ يَّشَآءُ: جسے چاہتا ہے
بِغَيْرِ حِسَابٍ: بغیر حساب کے

ابوبکر جصاص رازی کی باتیں

علامہ جصاص فرماتے ہیں کہ حضرت مریم کے والد عمران مریم کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے، اس لیے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی کفالت کا بوجھ ماں پر ہی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بچی کا نام آپ نے خود رکھا۔ معلوم ہوا کہ اولاد کے نام باپ کی طرح ماں بھی رکھ سکتی ہے خصوصاً جب باپ کی کفالت سے بچے محروم ہوں (151)۔

ابن کثیر کے تفسیری اظہارات

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ آیت بتاتی ہے کہ بچے کا نام پیدائش والے دن ہی رکھا جاسکتا ہے، تاہم ساتویں دن بال اتارنا، عقیقہ کرنا اور نام رکھنا بھی درست ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی کی ولادت ہوئی، اُسی دن انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچے کو گُھٹی دی اور عبداللہ نام رکھا۔ خود اللہ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے بیٹا عطا کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جدِ اعلیٰ کے نام پر ان کا اسم مبارک ابراہیم رکھا۔ ابن کثیر نے لکھا کہ ان مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے دن نام رکھا جاسکتا ہے (152)۔

اس پر میں عرض کرنا چاہوں گا کہ پیدائش سے پہلے ہی اگر کسی روحانی اور سائنسی طریقے سے معلوم ہو جائے کہ مولود بچہ ہوگا یا بچی تو ولادت سے پہلے ہی نام رکھا جاسکتا ہے۔ جیسے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی احمد پہلی کتابوں میں مرقوم ملتا ہے۔

مادر مریم علیہا السلام کی دردمندانہ دعا

حضرت حنہ کے دعائیہ اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے خاص تخلیہ حاصل تھا۔ آپ نے نیازمندانہ آرزو بے تکلف اللہ کے سامنے رکھ دی۔ سید قطب نے صحیح لکھا کہ اللہ والوں کے تعلق باللہ کی یہی کیفیت انہیں مراتب خصوصی سے نوازتی ہے (153)۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ مریم کے ساتھ ان کی ماں کو ان کی اولاد کی فکر ہوتی ہے، یہ روحانی بات ہے جسے روحانی لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

”تو قبول فرمایا اسے اس کے ربّ نے بڑی اچھی چاہت کے ساتھ اور اسے نہایت اچھے طریقے سے پروان چڑھایا اور اسے زکریا کی کفالت میں دے دیا اور جب بھی زکریا محراب

میں اس کے پاس داخل ہوتے تو اس کے پاس بڑی شان والے رزق کا اہتمام پاتے فرماتے اے مریم! تیرے پاس یہ کہاں سے آیا فرماتیں وہ اللہ کی طرف سے ہے بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب نوازتا ہے''۔

اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے جناب مریم علیہاالسلام پر اپنی روحانی، عرفانی اور مادی نعمتوں کا ذکر لسان قدس سے فرمایا۔ مریم بچی تھیں لیکن اللہ نے لڑکوں سے بڑھ کر انہیں رحمتوں اور شفقتوں سے نوازا۔ ماں کے دل میں اخلاص اور خداداری کا جذبہ موجزن ہونا بھی تو اللہ ہی کا کرم تھا۔ اچھا خاندان مل جانا اور نیک شہرت کا حامل ہونا اللہ کی وہ کرم گستریاں تھیں جن کا بے پایاں ہونا لفظوں میں مقید نہیں کیا جاسکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جناب مریم کو آنے والے حالات کے لیے روحانی تربیت کے یہ تقاضے تھے جو اللہ نے پورے فرمائے۔ بیت المقدس کے مجاورین کے دلوں میں ڈال دیا کہ عام دستور سے ہٹ کر اس بچی کو وہ قبول کرلیں۔ ''تقبل'' قبول سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہاالسلام کو قبول حسن اور نبات حسن کی دولت سے نوازا۔ ماں کی دعاؤں کا قبول ہونا، صورت کا قبول ہونا، سیرت کا قبول ہونا، روحانی نعمتوں کا قبول ہونا، معنوی خدمتوں کا قبول ہونا، نذر انذار کا قبول ہونا، روحانی آماجگاہ کا قبول ہونا، بدن، روح اور مناجات کا خوشبوؤں میں ڈوبا رہنا، الہامات کے تحفوں کا تحمل ہونا، خاندانی وجاہت کا قائم رہنا، عبادات کی رونقوں کا میسر رہنا، اس پر مزید کفیل و مرشد اللہ کے نبی کا ہوجانا سب ''قبول حسن'' کی صورتیں تھیں جن سے اللہ نے مریم کو نوازا۔ صرف اتنا ہی نہیں اللہ تعالیٰ نے مریم علیہاالسلام کے لیے ''نبات حسن'' کی اصطلاح بھی استعمال فرمائی۔ ''نبات'' اور ''انبات'' اگنا اور اُگانا ہوتا ہے۔ اس لفظ سے اللہ تعالیٰ نے مریم میں روحانی، اعتقادی، ایمانی، عرفانی، معنوی اور اخلاقی پہلوؤں کے تکامل اور ارتقا کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ایک مفسر نے خوب لکھا:

> ''پھولوں اور پودوں کے بیج میں جیسے اہلیت اور استعداد مخفی ہوتی ہے۔ وہ باغبان کی نگرانی میں پرورش پاتے ہیں اور خود کو آشکار کرتے ہیں۔ اسی طرح انسانی وجود میں بھی ہر قسم کی بلند ترین انسانی صلاحیتیں رکھ دی گئی ہیں۔ اگر انسان اپنے تئیں تربیت کے لیے اللہ کے بندوں اور باغ انسانیت کے محافظوں کے سپرد کردے تو وہ بہت جلد تربیت حاصل کرلیتا ہے۔ یوں ''انبات'' کا مفہوم حقیقت

کا روپ دھار لیتا ہے''(154)۔

کفالت کا لغوی اور تفسیری معنیٰ

کفالت کا لغوی معنیٰ کسی ایک چیز کو دوسری چیز میں ضم کر دینا ہوتا ہے۔ بدن کا نچلا حصہ ''الکفل'' کہلاتا ہے۔ بدوی عورتیں اپنے چھوٹے بچوں کو کپڑے میں لپیٹ کر پیچھے باندھ لیتی ہیں، یہ ''تکفیل'' ہے۔ راغب نے لکھا کہ کسی کو پیچھے پیچھے چلانا اور اس کو نشوونما دینا یہ ''کفالت'' ہے۔ ''کفیل'' ذمہ دار اور ضامن شخص ہوتا ہے۔ لسان نے لکھا کہ کسی کی خبر گیری کرنا اور اس پر پیسے خرچ کرنا ''کفل'' ہوتا ہے۔ ملکیت میں دے دینا اور سپرد کر دینا بھی ''تکافل'' ہوتا ہے۔ ''کِفل'' کاف کی کسرہ کے ساتھ ''حصہ'' ہوتا ہے۔ نعمت میں تسلسل بھی ''کفل'' کہلاتا ہے ''ذوالکفل'' کا معنیٰ ہوگا وفور نعمت کی مالک شخصیت، بعض اوقات روحانی مرشد کو بھی ''کفیل'' لکھ دیا جاتا ہے(155)۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے نام قرعہ انتخاب

حضرت زکریا علیہ السلام کے کفیل بننے پر علامہ سید آلوسی نے قدرے تفصیل لکھی ہے(156) کہ بی بی مریم کی ولادت پر علماً، صالحین اور مذہبی پیشوا آرزو کرنے لگے کہ وہ مریم کی نشوونما اور تربیت میں سعادتوں کے طلب گار ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی دلیل محکم ہوگئی، آپ نے فرمایا: میری اہلیہ اس نومولود بچی کی خالہ لگتی ہے اس لیے وراثت اور تکافل کے مسلّمہ اصول ہیں کہ میں مریم کا کفیل بنوں لیکن علماء نے قرعہ اندازی کے ذریعے فیصلہ چاہا کہ سب لوگ اپنا اپنا قلم لے آئیں اور زکریا علیہ السلام بھی اپنا قلم یہیں لا کر رکھیں اور پھر کسی چھوٹے بچے سے کہا جائے کہ وہ ایک قلم اٹھا لے، وہ قلم جس کا ہو وہی مریم سلام اللہ علیہا کا کفیل بن جائے۔ ایک بچے نے زکریا علیہ السلام کا قلم اٹھا لیا لیکن علماء رنگ بدلتے رہتے ہیں، کہنے لگے یہ قرعہ ڈالنے کا کمزور طریقہ ہے، نہر اردن میں سب قلم پھینکتے ہیں جن کے قلم ڈوب گئے ان کی کفالت گویا ڈوب گئی اور جس کا قلم ڈوبنے سے بچ گیا وہ کفیل مریم ہوگیا۔ فیصلہ اللہ کی طرف سے پھر ہوا اور زکریا علیہ السلام کا قلم پانی کے اُوپر آ گیا لیکن علماً نے پھر ضد فرمائی کہ تیسری بار پھر دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ اب فیصلہ اُس کے حق میں ہوگا جس کا قلم دریا کے بہاؤ کی اُلٹی جانب رواں دواں ہوا وہ کفیل مریم ہوں گے۔ اللہ کی مدد ہوئی قلم زکریا علیہ السلام ہی کا پانی کے بہاؤ کے خلاف تیرنے لگ گیا اس طرح زکریا علیہا السلام بی بی مریم علیہا السلام کے کفیل مان لیے گئے۔

محراب کی تعبیر

محراب لفظ حرب سے ہے۔ اس کے لغوی اور اساسی مطلب ویرانی، تباہی، بربادی، تلف اور سلب و

نہب کے ہیں۔ کہا جاتا ہے عربی میں جس لفظ کے اندر ''حا'' اور ''را'' اکٹھے آئیں وہاں سختی اور مشقت کا مفہوم ہوتا ہے (157)۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ محراب مفعال کے وزن پر آتا ہے اور مبالغہ کا معنیٰ پیدا کرتا ہے۔ محراب کا معنیٰ ہوگا بہت زیادہ لڑائی کرنے کا مقام۔ محراب عبادت کے حجرے کو اس لیے کہہ دیتے ہیں کہ وہاں انسان عبادت کے ذریعے گویا نفس اور شیطان سے لڑائی کرتا ہے اس کی ہر شیطانی کو برباد کر دیتا ہے (158)۔

مرقات میں ہے کہ مسجد کی محراب کو اس لیے محراب کہتے ہیں کہ اس میں امام تنہا اور اکیلا ہوتا ہے۔ بادشاہ کی مجلس کو بھی محراب کہہ دیتے ہیں اس لیے کہ اس میں تفرد ہوتا ہے (159)۔ تاج وغیرہ ائمہ لغت نے لکھا کہ بالا خانہ اور بلند جگہ، صدر مکان اور قلعے کو بھی محراب کہہ دیتے ہیں اس لیے کہ یہاں امور حرب کی مشاورت ہوتی ہے۔ اشرف و اعلیٰ جگہ جہاں عبادت کی جائے محراب ہوتی ہے (160)۔ آیت مذکورہ میں محراب سے وہ خاص کمرہ مراد ہے جو مریم علیہا السلام کے لیے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کا دروازہ دیوار کے وسط میں بنایا گیا (161)۔

واللہ اعلم

ایک خاص نکتہ

قرآن مجید کی یہ آیت ایک روحانی راز آشکار کرتی ہے کہ زکریا علیہ السلام کا معمول تھا کہ آپ مریم سلام اللہ علیہا کی زیارت کرنے کے لیے بلا ناغہ تشریف لاتے۔ وہاں ایک خاص کیفیت، جذبہ، اُمنگ اور ذکاوت کا جلوہ دیکھتے۔ مریم سلام اللہ علیہا نے خود کو اللہ کے لیے قفل در قفل دروازوں کے عقب میں واقع ایک حجرے میں رکھا ہوا تھا۔ آپ کو عبادت اور یاد الٰہیہ میں استغراق حاصل تھا۔ آپ نو سال کی ہوئیں تو روزہ سے رہنے لگیں۔ رات قیام میں گزرتی۔ قرآن مجید نے اسی حوالے سے زکریا علیہ السلام کے جوش، جذبہ اور محبت کا ذکر کیا کہ آپ تقدس مریم کو پیغمبرانہ فراست سے محسوس کر گئے اس لیے وہیں دعائیں مانگنا آپ کا معمول بن گیا۔ اگلی آیت میں قرآن نے خود بیان کیا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرزند ہونے کی دعا وہیں کی، ثابت ہوا کہ عبادت اور دعا تو ہر جگہ اثر رکھتی ہے لیکن اللہ کے ولیوں کے ڈیرے پر اس کا اثر اور رنگ ہی الگ ہوتا ہے۔ صحبت، زیارت اور دعا میں بڑے اور چھوٹے کی تخصیص نہیں جہاں حسن نیت کا عمل ہوگا اثر ہوگا۔

''رِزْقًا'' سے مراد کیا ہے؟

حضرت زکریا علیہ السلام جب بھی مریم سلام اللہ علیہا کے پاس تشریف لاتے وہاں خاص خاص غذاؤں،

پھلوں اور مشروبات کا وفور ہوتا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے ایک دن مریم سلام اللہ علیہا سے پوچھ ہی لیا:

اے مریم یہ غذا کہاں سے آتی ہے؟

مریم بولیں!

''یہ اللہ کی طرف سے ہے وہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے''۔

مفسرین نے لکھا کہ مریم سلام اللہ علیہا کے پاس گرمیوں میں سردیوں کے اور سردیوں میں گرمیوں کے پھل آتے، اللہ سے کوئی بعید نہیں وہ اپنے بندوں پر اپنے تشرفات اور انعامات کا یوں ہی ہبوط فرماتا ہے، یہ غذائیں جنتی ہوتیں (162)۔

''رِزْقًا'' کا نکرہ ہونا

حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے پاس تشرّفات، تکرّمات، تکریمات اور انعامات کا رنگ اللہ تعالیٰ نے ''رِزْقًا'' نکرہ کی صورت میں بیان فرمایا، اس سے چند باتیں سمجھ میں آئیں:

- وہ پھل اور غذائیں عام قسم کی نہیں تھیں خاص قسم کی تھیں۔
- غذائیں دیکھ کر زکریا علیہ السلام کا حیرت میں پڑ جانا بتاتا ہے کہ وہ پھل زکریا علیہ السلام کے لیے اجنبی قسم کے تھے۔
- ''رِزْقًا'' کی تفہیم کی طرف مریم علیہا السلام کا قول بھی اشارہ کرتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔
- اللہ کی طرف سے کہنے میں عقیدہ کا استحکام اور محبت کا جوش بھی ظاہر کر رہا ہے۔ یہ شوق و محبت کی کثرت ملنے والی روزی ہی کا فیض بار چشمہ تھا جو اللہ کی رضا پر دلالت کر رہا تھا۔
- حضرت زکریا کا ''رِزْقًا'' دیکھ کر عجز و نیاز کا پیکر بن جانا بتاتا ہے کہ وہ عام قسم کی روزی نہیں تھی۔ یہ دلائل بتاتے ہیں کہ رشید رضا، ابن جریر طبری اور اس قسم کے دوسرے مفسرین بے جا اسرائیلی روایات میں پڑ گئے کہ یہ پھل نجار نامی شخص پہنچاتا ہے۔ آیت کا اسلوب سراسر روحانی ہے جو یقین، ایمان، توکل اور اللہ کی ربوبیت پر اٹل عقیدہ مستحکم کرتا ہے (163)۔

زہرا پاک کی کرامتیں

حافظ ابو یعلیٰ روایت کرتے ہیں: رسول انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دنوں کے دن گزر گئے لیکن آپ نے طعام چکھا تک نہ، انہی مشقت انگیز ایام میں آپ ازواج مطہرات کے گھروں میں بھی تشریف لے گئے

لیکن فاقہ اپنی جگہ رہا، پھر آخر میں آپ کاشانۂ زہرا پر تشریف لائے اور فرمانے لگے:

''جگر کے ٹکڑے گھر میں کچھ کھانے کے لیے ہے، میں بھوک سے ہوں۔۔۔۔''

بی بی پاک نے اظہار عجز کیا

رشتوں کا تقدس آپ پر فدا، خانہ عشق خالی ہو کر اظہار فدویت کر رہا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے نکلے ہی تھے کہ پڑوسن نے دو روٹیاں اور ایک گوشت کی بوٹی ہدیہ کیں۔ رشک حیا بیٹی نے حسنین کریمین کو شاہِ کونین کی خدمت میں بھیجا کہ بیٹی کا گھر کرم کے قدموں کا ہبوط چاہتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے کشتۂ عشق بیٹی نے مرحبا کہہ کر اظہار فدویت کیا اور کھانے کا توشۂ امروز جان رحمت کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے برتن کشائی فرمائی تو وہ روٹیوں اور گوشت سے بھرا پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں سمجھ گیا اللہ کی اس میں برکت آ گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹی کی زبان سے حمد اور بابا پر درود سنا تو فرمایا: یہ اس قدر زیادہ کھانا کہاں سے آ گیا۔ بی بی نے عرض کی ''مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ'' اللہ کے ہاں سے ہے۔ حدیث شریف میں ہے پنج تن پاک، ازواج مطہرات اور مسلمانوں، سب نے کھایا لیکن کھانا ابھی اسی طرح موجود تھا پھر آپ نے شہر میں باقی کھانا بانٹ دیا(164)۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً
طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾
فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ
بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ
الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾
قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ
قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾

(38) وہی مقام تھا کہ ذکریا نے اپنے پروردگار سے دُعا مانگی عرض کی میرے ربّ! مجھے اپنی طرف سے نہایت پاکیزہ اولاد عطا فرما بے شک تو سب دعاؤں کا خوب سننے والا ہے

(39) پس فرشتوں نے انہیں آواز دی جبکہ وہ محراب میں کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے بے شک اللہ آپ کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو اللہ کی طرف سے ایک حکم کی تصدیق کرنے والے اور سردار اور نظم وضبط کے مالک اور خاص برگزیدہ نبیوں میں سے ہوں گے

(40) آپ نے عرض کی اے میرے پروردگار! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جبکہ پہنچ گیا مجھے بڑھاپا اور میری بیوی بھی بانجھ ہے فرمایا اللہ جو چاہتا ہے اسی طرح کرتا ہے

مفردات

هُنَالِكَ: وہیں پر، ''ھنا'' اگرچہ قریب کے لیے ہوتا ہے لیکن بیضاوی نے لکھا یہاں مجازاً معنوی عدول متصور ہوا، دونوں معنوی صورتیں درست ہوں گی

دَعَا: پکارا، دعا کی

زَكَرِيَّا: زکریا علیہ السلام

رَبَّهٗ: اپنے ربّ کو

قَالَ: عرض کی

رَبِّ: اے میرے ربّ

هَبْ: ہبہ کر، عطا کر یا عنایت فرما

لِيْ: مجھے

مِنْ: سے

لَّدُنْكَ: خاص اپنی جناب سے

ذُرِّيَّةً: اولاد

طَيِّبَةً: پاکیزہ

اِنَّكَ: بے شک تو

سَمِيْعُ: بہت سننے والا

الدُّعَآءِ: دعاؤں کا

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾

''وہی مقام تھا کہ زکریا نے اپنے پروردگار سے دُعا مانگی عرض کی میرے ربّ! مجھے اپنی طرف سے نہایت پاکیزہ اولاد عطا فرما بے شک تو سب دعاؤں کا خوب سننے والا ہے''۔

حضرت زکریا علیہ السلام اپنی کفالت میں تربیت پانے والی بچی کی روحانی آماجگاہ میں ظاہر ہونے والے جلوے دیکھ کر اس درجہ متاثر ہوئے کہ دل کی دھڑکنیں دعا بن گئیں، لفظوں کو منزل مل گئی، چاہت کی معراج ہوگئی۔ آپ نے زمانی اعتبار سے ان نور بار گھڑیوں کی خوشبو سونگھ لی، مکانی اعتبار سے حجرۂ مریم کی فضیلت کا اندازہ لگا لیا اور مریم کے عبادت میں انہماک، اشغال اور حیرت انگیز حکمت سے بھانپ لیا کہ یہ مقام، حال، کیفیت اور وقت دعا کی قبولیت کا ہے، سو آپ نے اپنے ربّ کو پکارا اور یہ ندا نوے سالہ بڑھاپے کی آواز تھی اور پیغمبرانہ یقین کے ساتھ تھی اور پُرسوز اور پُردرد تھی۔

عرض کی اے میرے ربّ! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، تو ہی دعا سننے والا ہے۔ دعا اتنی برموقع، برحال، بردر، بااثر، باعجز، باعرفان اور باادب تھی کہ فوراً قبول ہوگئی۔ دعا کیا ہوئی نظام معتاد طریقے سے ہٹ گیا۔ مریم کی کرامتیں ظاہر ہوئیں، زکریا کے معجزے تاریخ بن گئے اور معبود کے حریم محبت میں دعائیہ زمزمے کو قبولیت کی سند مل گئی اور دل سے نکلنے والے جلوہ بہ حرف حرف لفظوں کو قبول کرلیا گیا۔

آیت میں پاک ذریت کے لیے آرزو معنیٰ رکھنے والے لفظ ہیں۔ پاک ذریت کی اپنی ایک تاریخ ہے وہ بشارت مریم بھی ہوسکتی ہے، نوید عیسیٰ بھی بن سکتی ہے، مژدۂ یحییٰ کا روپ بھی دھار سکتی ہے، ابتلائے ابراہیم کا راز بھی ہوسکتا ہے، سپاس اسماعیل کا جلوہ بھی اس میں دیکھا جاسکتا ہے، آغوش آمنہ کا شعلۂ مستور بھی ہوسکتا ہے، حجر خدیجہ کی معصوم آواز بھی ہوسکتی ہے اور کاشانۂ فاطمیہ کا ''حسن'' بھی ہو سکتا ہے اور کربلا کا حسین بھی ہوسکتا ہے۔ سبحان اللہ ''هَبْ لِيْ'' میں حسن طلب بھی دیکھیں اور اجابت دعا کی سرعت بھی ملاحظ ہو، رنگ سارے تو ''سَمِيْعُ الدُّعَآءِ'' کے ہیں۔

آیت مختصر ہے لیکن قاریٔ قرآن کی روحانی ضیافت کے صد ساماں اس میں مضمر ہیں:

غور کریں ''هُنَالِكَ'' میں کیا کچھ نہیں، جیسے زمانے کو اور اوقات کو نچوڑ لیا گیا ہو اور مقامات مقدسہ کے تقدس کا غازہ خاک فلسطین کو عطا کر کے زائرین کی جھولی بھر دی گئی ہو۔ بیضاوی اور شیخ زادہ نے

حقیقت اور مجاز کی خوبصورت بحث کی ہے (165) لیکن حقیقت کی آنکھ مچولی میں مزہ کوئی روحانی آنکھ رکھنے والا شخص ہی لے سکتا ہے۔

''دَعَاۡ زَکَرِیَّا'' میں ''مشاہدۂ حق'' کو قرینۂ خانقاہ کے رنگ دیے گئے، فضیلتیں، کرامتیں، عظمتیں، بزرگیاں اور منصب اعتبار اُسی وقت پاتے ہیں جب ربّ کے سامنے التجا کے ہاتھ اٹھتے رہیں اور دعائیں تڑپتی رہیں۔ آیت پڑھ کر فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے کہ طلب اور تڑپ میں لذت زیادہ ہوتی ہے یا عطا اور صلہ یافتی کی منزل حسین زیادہ ہوتی ہے۔

آیت کا تیسرا معہ نور ''ھَبْ لِیْ'' میں ہے۔ دعا کی جبیں پر ربّ کہنے کا سہرا بھی بڑا خوبصورت لگ رہا ہے۔ زکریا علیہ السلام کی دعا پڑھ کر دل کرتا ہے صدیاں بیت جائیں، بندہ میرے ربّ، میرے ربّ اور میرے ربّ ہی کرتا رہے، پھر اس کے بعد ''ھَبْ لِیْ'' کہنا ''ھَبْ'' میں عطاؤں کی بارات سُوئے معبود رواں دواں نظر آ رہی ہے اور ''ھَبْ'' کے بعد ''لِیْ'' کہنے میں بھی بڑا مزا ہے۔

اولادیں سب کی ہوتی ہیں لیکن وہ سب کے لیے نہیں ہوتیں۔ پیدا کوئی کرتا ہے، خواہشیں وہ کسی کی پوری کرتی ہیں۔ زکریا علیہ السلام نے صرف یہ نہ کہا اولاد عطا کر بلکہ یہ فرمایا: پاکیزہ اولاد عطا کر جو ''لِیْ'' میرے لیے ہو کر رہے۔

''ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً'' پاکیزہ اولاد کی خواہش زندگی کی لذیذ منطق ہے۔ اس ترکیب کی خوشبو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت کا عاشق ہی سونگھ سکتا ہے، اس لیے کہ پلید اولادیں اپنے شجرے اور حوالے رکھتی ہیں اور پاکیزہ اولادوں کے اپنے شجرے، نسب اور حسب ہوتے ہیں۔ آنکھ والا تیرے جلووں کا تماشہ دیکھے، بے قدروں ہی کے لیے یہ آیت اتری ''صُمٌّۢ بُکْمٌ عُمْیٌ'' کو رذوقی بھی عذاب سے کم نہیں۔

''مِنْ لَّدُنْکَ'' بھی آیت کا شفاف آئینہ ہے۔ پیغمبر ایک طرف اپنے بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ ہونے کا نقشہ دیکھ رہے تھے اور دوسری طرف مریم پر غیر معتاد کرامتوں کی بارش مشاہدہ فرما رہے تھے اور تیسری طرف پُریقین مسکراہٹوں کی حیرت ناکیاں انہیں مجسم نظر آ رہی تھیں لیکن ''اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ'' کا جملہ ان کے لیے الہامی قوس قزح کے رنگ بانٹ رہا تھا اور انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ ایک بوڑھے طالب کی جھولی بھری جا رہی ہے اور ایک بانجھ خادمہ کی گود ہری ہونے لگی ہے۔ جلووں کے یہ لمحات ''مِنْ لَّدُنْکَ'' میں پوری طرح عیاں محسوس ہوتے ہیں۔

واللہ اعلم

اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

''پس فرشتوں نے انہیں آواز دی جبکہ وہ محراب میں کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے بے شک اللہ آپ کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو اللہ کی طرف سے ایک حکم کی تصدیق کرنے والے اور سردار اور نظم وضبط کے مالک اور خاص برگزیدہ نبیوں میں سے ہوں گے''۔

زکریا علیہ السلام قدس کی روحانی آماجگاہ میں کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے۔ آپ کی کی ہوئی دعا قبول ہو گئی اور عرش رحمت فیض بار ہوا۔ آپ کو نماز کے اندر فرزند ارجمند کی بشارت مل گئی۔

قرآن مجید نے نقشہ کھینچا کہ فرشتوں نے صدا دی کہ اللہ آپ کو بشارتِ یحییٰ سے نواز رہا ہے۔ قرطبی اور طبری نے لکھا (166) کہ ضروری نہیں کہ آوازِ خوش کن سے نوازنے والے فرشتے ہوں، ایک فرشتہ بھی ہو سکتا ہے جمع کا صیغہ اسم جنس کا بھی کام دے سکتا ہے۔ عربوں میں یہ اسلوب مستعمل ہے، ایک فرشتے کی آواز کو اعزازاً جمع کی تعبیر دی جا سکتی ہے، میں کہتا ہوں ایک فرشتے کے ساتھ بہت سارے فرشتوں کا جلوس بھی تکریماً حاضر خدمت ہو کر خوشیوں کا گلدستہ پیش کر سکتا ہے۔ اس تعبیر سے جمع کے صیغے کا معنیٰ جمع ہی رہتا ہے اور معانی میں تکاثر اور تحاسن کا وفور بھی متصور ہو سکتا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا اسم گرامی عہد جدید کے صحیفوں میں ''یوحنا'' لکھا گیا ہے۔ ''یحییٰ'' حیات کے مادہ سے ہے جس کا معنیٰ ہوتا ہے۔ ''وہ زندہ رہتا ہے''۔ یہاں جس زندگی کا ذکر نام میں سمو یا گیا ہے وہ مادی اور معنوی دونوں طرح کی زندگی ہے۔ حضرت یحییٰ کی جو صفات قرآن نے بیان کیں وہ ان کا حضرت مسیح پر ایمان لانا اور تصدیق سے ان کو تقویت اور تائید کا تحفہ دینا ہے۔ علم وعمل کے لحاظ سے لوگوں کی رہبری اور سیادت ہے۔ نبوت کے اعتبار سے پیغامات الٰہیہ کی تبلیغ ہے اور جنسی اعتبار سے خود کو محافظت کے قلعے میں رکھنا ہے تاکہ شہوات کے طوفان دامن کو آلودہ نہ کر سکیں اور پیغمبرانہ معصومیت اور منصب ان کی حیات اقدس میں دعوات خیر کے خزانے بانٹتا رہے۔

واللہ اعلم

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾

''آپ نے عرض کی اے میرے پروردگار! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جبکہ پہنچ گیا مجھے بڑھاپا اور میری بیوی بھی بانجھ ہے فرمایا اللہ جو چاہتا ہے اسی طرح کرتا ہے''۔

مفردات

فَنَادَتْهُ: تو ندا دی اُسے
الْمَلٰٓئِكَةُ: فرشتوں نے
وَ: درآں حالے کہ
هُوَ: وہ
قَآئِمٌ: کھڑے تھے
يُّصَلِّيْ: نماز پڑھتے ہوئے
فِي: میں
الْمِحْرَابِ: حجرہ عبادت میں
اَنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
يُبَشِّرُكَ: خوشخبری دیتا ہے تجھے
بِيَحْيٰى: یحییٰ علیہ السلام کی
مُصَدِّقًا: گواہی دینے والا
بِكَلِمَةٍ: کلمہ کی، حکم کی، اعجاز کُن کی
مِّنَ اللّٰهِ: اللہ کی طرف سے
وَسَيِّدًا: اور سردار
وَّحَصُوْرًا: اور عورتوں سے بچنے والا
وَّنَبِيًّا: اور نبی
مِّنَ: سے
الصّٰلِحِيْنَ: صالحین سے
قَالَ: کہا
رَبِّ: اے میرے ربّ
اَنّٰى: کہاں سے
يَكُوْنُ: ہوگا
لِيْ: میرے لیے
غُلٰمٌ: بیٹا
وَّ: اور

مفردات

قَدْ: بے شک
بَلَغَنِيَ: پہنچ چکا ہے مجھ پر
الْكِبَرُ: بڑھاپا
وَامْرَاَتِيْ: اور میری بیوی
عَاقِرٌ: بانجھ
قَالَ: فرمایا
كَذٰلِكَ: یوں ہی
اللّٰهُ: اللہ
يَفْعَلُ: کرتا ہے
مَا يَشَآءُ: جو چاہتا ہے

حیرتوں کی انتہا

زکریا علیہ السلام کو بشارت دی گئی۔ روشنیوں کی صبحیں مہکنے لگ گئیں، دل میں تنویر بشارت چمکنے لگی، ماحول میں رازوں کے ظہور نے ٹھنڈک، برودت، اطمینان اور مٹھاس گھول دی۔ ذہن پانی کی طرح صاف شفاف منزہ اور تروتازہ ہوگیا۔ بڑھاپے کی عمر میں نوید یحییٰ نے اسرار زندگی کا ایک اور دروازہ کھول دیا۔ زباں پر بے اختیار یہ لفظ رواں ہوگئے، میرے پروردگار! بچہ کہاں سے پیدا ہوگا؟ بڑھاپا پہنچ چکا ہے، عمر کے اس حصہ میں جب کہ عورت بھی مایوسی کی عمر میں ہو بچہ کس طرح پیدا ہوگا۔ ''اَنّٰى'' میں اعتقاد اور یقین کا استبعاد نہیں حیرتوں کا ورود ہے اور اس نوعیت کی حیرتیں اُس وقت زندگی میں لرزاں وفرحاں ورود کرتی ہیں جب سوال بندہ چھت کا کرے اور گھر کے آنگن میں آسمان اتر آئے۔ کلام میں یہ تہہ داری اور معنیٰ آفرینی اُس وقت ٹپکتی ہے جب بدن کو سکوت وجمود کی بجائے خوشیوں کا تحرک اور اظہار مطلوب ہو۔ زکریا علیہ السلام پیغمبر ہیں اُن کی ذات کے بارے میں لفظوں میں ''تادب'' نے جکڑا ہوا ہے وگرنہ تحرک کے ساتھ مَیں خوشیوں میں ترقص کی ترکیب سمو دیتا۔ میں کہہ سکتا ہوں آیت میں خوشیوں کے اظہار کے لیے حیرتوں کے نگینے چنے گئے ہیں۔

سدّی کی باتیں اچھی ہیں

سدّی معروف مفسر ہیں، وہ ''اَنّٰى'' پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے رنگ بکھیرتے ہیں (167) کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو اللہ کے وعدہ اور عطا میں شک نہیں تھا بلکہ آپ کا سوال پیدائش کی کیفیت کے بارے میں تھا کہ پیدا ہونے کا طریقہ کیا ہوگا، کیا دونوں میاں بیوی جوان ہوجائیں گے؟ یا بڑھاپا ہی معجزۂ فیض بار ہوجائے گا یا کسی اور بیوی سے اولاد کی عنایت ہوگی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آیت کی تفسیر میں یوں ہی سوچا ہے۔

''عَاقِرٌ'' کی تعبیر

تاج العروس نے ''عقر'' کا معنیٰ کھجور کے درخت کا بالائی حصہ گابھے کے ساتھ کاٹ دینا لکھا ہے (168)۔

''عقر'' کا معنیٰ جڑ اور بنیاد بھی ہوتا ہے۔ راغب نے پھل دار درخت کو جڑ سے کاٹ دینا بھی ''عقر'' کے مفہوم میں شامل کیا ہے (169)۔

لسان العرب نے ''العقرہ'' کا مطلب رحم کا بانجھ ہونا بیان کیا ہے۔ ''ناقہ عقیر'' زخمی اونٹنی کو کہتے ہیں (170)۔

قرآن حکیم نے اُونٹنی کی کونچیں کاٹ دینا بھی ''عقور'' کے مفہوم میں شامل کیا۔

آیت کا اسلوبی رنگ

کسی نعمت کے دفعتہً ملنے پر جو کیفیت دل اور روح میں بنتی ہے۔نعمت پانے والا شخص تاثیر اور کیفیت کو شیئر کرنا چاہتا ہے۔عام طور پر زبان سے تکرار، حیرت کا اظہار اور باطنی کیفیت کے لفظی نزول اور سوال جواب سے غرض یہی ہوتی ہے۔ باطن کے موسم کا بیرونی موسموں میں بدل دینا۔اگر آپ سوگوار ہیں تو چاندنی، روشنی اور خوشبو کا بھی اداس ہو جانا اور آپ اندر سے خوش ہیں تو اُس خوشی کا باہر کی ہر شئی میں نظر آنا نقد شعر کی معروف اصطلاح ہے۔آیت کے اندر حضرت زکریا علیہ السلام کا یہ کہنا کہ بچہ کیسے پیدا ہوگا؟ مَیں بڑھاپے کے آثار میں ہوں اور بیوی بانجھ ہے۔حضرت کی عمر بانوے، تنانوے یا ایک سو بیس سال تھی اور بیوی کی عمر اٹھانوے برس تھی (171) تو باطن کی وہ خوشی جو حیرتوں میں ڈوبی تھی حضرت زکریا علیہ السلام کی زبان سے قدس کی فضاؤں میں چھائی محسوس ہوتی ہے اور وہ خوشبو قاریٔ قرآن اب بھی سونگھ رہا ہے۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ
اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع
وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ
عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾
يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾
ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ
اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

(41) عرض کی ''اے میرے ربّ! میرے لیے کوئی نشان مقرر فرما'' فرمایا تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن تک گفتگو نہ کرسکو گے مگر اشارے سے اور اپنے ربّ کا کثرت سے ذکر کیجیے اور شام اور صبح تسبیح کرتے رہو

(42) اور جب کہا فرشتوں نے اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے فضیلت کے ساتھ چُن لیا اور تجھے خوب طہارت سے نواز دیا اور جہاں بھر کی عورتوں پر تجھے منتخب کر کے فضیلت عطا فرمادی

(43) اے مریم! اپنے ربّ کے سامنے ادب سے جھکتی رہو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہو

(44) یہ ہیں غیب کی خبریں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں، آپ اُن کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ مریم کی کفالت اُن میں سے کون کرے اور نہ آپ اُن کے پاس تھے جب وہ جھگڑتے تھے

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

''عرض کی ''اے میرے ربّ! میرے لیے کوئی نشان مقرر فرما'' فرمایا تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن تک گفتگو نہ کرسکو گے مگر اشارے سے اور اپنے ربّ کا کثرت سے ذکر کیجیے اور شام اور صبح تسبیح کرتے رہو''۔

یقین کی روحانی بنیادیں

مذہبی کتابوں کا مرکز ''خیال'' نہیں ہوتا یقین ہوتا ہے۔ اضمحلال نہیں ہوتا قوت ہوتی ہے اور وسوسہ نہیں ہوتا یقین ہوتا ہے۔ یہاں فلسفے نہیں بُنے جاتے ہیں، اوامر ہوتے ہیں اور نواہی ہوتے ہیں۔ ان کا انداز مادی نہیں رکھا جاتا ہے، روحانی رکھا جاتا ہے۔ یہاں یقین کی آنکھ صاف کردی جاتی ہے، کیوں نہ اس کے لیے کرامتیں ظاہر کرنی پڑیں اور معجزوں کا ظہور کرنا پڑے۔ سچی روحانیت کے تین اجزاء ہوتے ہیں، عقیدے کی مرکزیت، عمل صالح کا تسلسل اور رمزیت کی تکنیک۔ ویسے بھی ادبی دنیا میں تقلیب کی تکنیک تحریر اور ابلاغ کی جان سمجھی جاتی ہے۔ یہاں مضامین میں عدول ہوتا ہے۔ باتوں کو باتوں کی طرف پھیرا جاتا ہے۔ ذہنوں میں نئے نئے خاکوں کی تخلیق ہوتی ہے۔ قرآن مجید کا جو حصہ ہم پڑھ رہے ہیں وہاں روحانیت کے پانچ دریا ہیں جو ایمان کے سمندر میں آکر گر رہے ہیں اور پھر افکار و اعمال کے اُس متلاطم سمندر سے کئی آب جوئیں نکلتی ہیں اور دنیا بھر میں چھائی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

زیر تفسیر آیت سے تھوڑا پیچھے دیکھیں اور قدرے آگے جھانکیں۔ عمران اور ان کی اولاد، زکریا، حضرت یحییٰ، جناب مریم اور عیسیٰ علیہم السلام رحمت و برکت کے ان پانچ دریاؤں میں مذاہب کی تاریخ کا ہر موتی چمکتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ یہی پانچ دریا سیدھے ''محمدیت'' کے بحر بے پایاں کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اس سورت میں پھر آیت مباہلہ بتلائے گی کہ پانچ ہی کا فکری شباب افکار و اعمال کا رہتی دنیا تک عنوان بن جائے گا۔ قاریٔ قرآن متعصب نہ ہو تو اُسے ہر دولت قرآن سے مل جائے گی۔ جس آیت کی تفسیر لکھی یا پڑھی جارہی ہے۔ روحانی یقین اور مذہبی اعتقاد کے بغیر اس سے روشنی پانا قدرے مشکل ہوگا اس لیے کہ آیت کا عمود رمزیت ہے۔

رمزیت کیا ہے؟

آیت میں استعمال ہونے والے لفظ ''رَمْزًا'' پر بحث کی جاتی ہے۔ محیط نے لکھا کہ ''رَمْزًا''

مفردات

قَالَ: کہا، عرض کی یعنی زکریا علیہ السلام نے عرض کی
رَبِّ: میرے پروردگار
اجْعَلْ: کردے، بنادے
لِّيْٓ: میرے لیے
اٰيَةً: نشانی
قَالَ: ربّ نے فرمایا
اٰيَتُكَ: نشانی تیرے لیے
اَلَّا: یہ کہ نہ
تُكَلِّمَ: تم بات کروگے
النَّاسَ: لوگوں سے
ثَلٰثَةَ: تین
اَيَّامٍ: یوم کی جمع، کچھ دنوں تک
اِلَّا: مگر
رَمْزًا: اشارے سے
وَاذْكُرْ: اور ذکر کیجیے
رَّبَّكَ: اپنے ربّ کا
كَثِيْرًا: کثرت سے
وَّ: اور
سَبِّحْ: تسبیح کریں
بِالْعَشِيِّ: دن جب ڈھل جائے
وَالْاِبْكَارِ: اور صبح کے وقت

کا معنیٰ حرکت اور جنبش ہوتا ہے۔ کثیر الحرکت شخص کو ''رمیز'' کہتے ہیں (172)۔

راغب وغیرہ ائمہ لغت نے ہونٹوں سے اشارہ کرنے کو ''رَمْزٌ'' لکھا ہے۔ آہستہ آہستہ گفتگو کرنا ''رمزہ'' ہوتی ہے (173)۔

تاج العروس نے لکھا ہے کہ اب کا ناپھوسی کرنے کو بھی ''رَمْزٌ'' کہہ دیتے ہیں۔ جدید ادب میں اشارہ کسی بھی قسم کا ہو جس میں مقاصد کا اظہار غیر صریح اور مخفی ہو ''رمز'' کہلاتا ہے (174)۔

قرآن پڑھنے والوں کے ذہن میں ایک بات رہنی چاہیے کہ احکام اور اوامر کے بیان میں صراحت ہوتی ہے اور وہ مقامات جہاں جوش محبت عروج پر ہو وہاں رمزیت ہوتی ہے، یہ اس لیے کہ بعض چیزیں صرف طالب و مطلوب کے جاننے کے لیے ہوتی ہیں اور بعض کا تعلق دعوت و ارشاد سے ہوتا ہے۔ جہاں دونوں چیزیں مقصود ہوں وہاں رمز و صراحت دونوں کا ورود ہوتا ہے۔

ماحاصل تفسیر

جناب زکریا علیہ السلام کے دل میں اُمید کی جگہ یقین سما گیا۔ وہ سمجھ گئے کہ اللہ نے بہر حال انہیں اولاد نرینہ سے نوازنا ہے۔ اب وہ سپاس گزاری میں مگن رہنے کی ریاضتوں میں پڑ گئے۔ خیال ہوا کہ بچے کی آمد کا معین وقت اگر پتہ چل جائے، دینی، روحانی اور دنیوی ذمہ داریوں سے نباہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ آپ نے فرشتہ سے پوچھ ہی لیا، بچے کی آمد کا وقت کیا ہوگا، کم از کم نشانی ہی معلوم ہو جائے تاکہ مشیت ربانی کی تکمیل کے جلوے شکر کی آنکھ سے دیکھ سکوں۔ یہ درخواست بھی زکریا علیہ السلام نے ربّ ہی کے سامنے رکھی تاکہ توجہ کا سکون درہم برہم نہ ہو۔ ربّ کریم نے فرمایا: اس کی علامت یہ ہوگی کہ ایسا ہونے پر تین دن تک خود بخود مخلوق سے ہم کلام ہونے سے زبان رک جائے گی اور سوائے یاد الٰہیہ کے کوئی اور مصروفیت نہیں بچے گی۔ زبان اور دل اللہ کے ذکر سے سرشار ہو جائیں گے۔

مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ بغیر کسی طبعی عامل کے تین دن کے لیے زبان رک جائے گی۔ یہ بھی ایک روحانی تمثیلیہ تھا کہ گوشت کا چھوٹا سا ٹکڑا دیکھیے اللہ کے ذکر کے لیے تو چل پڑتا ہے لیکن دنیا کا کلام کرنا چاہو تو وہ بے جان لوتھڑا بن جاتا ہے۔ عورت بھی جب اللہ چاہے بانجھ ہونے کی عمر میں بھی بچے دے اور جب اللہ نہ چاہے تو جوانی بھی بے اُمیدی میں بسر ہو جائے۔

یوں نہیں یوں

ایک مفسر لکھتے ہیں (175):

''ممکن ہے اس نشانی میں ایک اور نکتہ پنہاں ہو اور وہ یہ

مفردات

کہ اس مسئلے میں جناب زکریا علیہ السلام کا زیادہ اصرار اور
نشانی کا تقاضا اگرچہ حرام اور مکروہ نہ تھا بہر حال ترک
اولیٰ سے کچھ مشابہت ضرور تھی اس لیے اللہ کی طرف سے
نہ بول سکنے کی نشانی دی گئی جو قدرت نمائی بھی تھی اور
ترک اولیٰ پر تنبیہ بھی تھی''۔

اسی سے ملتی جلتی بات بغوی نے لکھی (176) لیکن ان توضیحات کی بجائے یوں کہنا مناسب نہ ہوگا کہ اللہ کے نبیوں اور رسولوں کو اس طرح رہنا ہوتا ہے کہ ان کی مرضی کا دخل وحی میں بالکل بھی نہیں ہوتا، وہ اسی کی مرضی سے بولتے ہیں اور اُسی کی رضا سے چپ ہوتے ہیں۔ یہاں بھی زبان کا سکوت اور حسب وقت ذکر فریضۂ نبوت کے ادا ہونے کے اکمال کی طرف اشارہ ہے۔ نبی پر عتاب وغیرہ کی بات سمجھ سے بالا کہانی ہے۔

وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ كَثِيۡرًا

ہر منطق اور ہر خیال ثمر بار اللہ کے ذکر ہی سے ہوتا ہے، آیت کے آخر میں حکم دیا گیا:

1۔ اپنے ربّ کا کثرت سے ذکر کیجیے۔
2۔ اور صبح شام تسبیح پر زور رکھیں۔

زبان چلے تو جہراً اس کے نام کی مالا جپیں اور نہ چلے تو دل کی دھڑکنوں میں اس کا نام اتار لیں۔ بدن ہمہ دم اطاعت میں لگا رہے۔ جب بشری تقاضوں سے کمزوری آئے تو رمز و اشارہ سے محبوب و معبود کے نام کا چرچا کریں۔

کثرت ذکر وظیفۂ شکر ہے اور تسبیح اس کی طاقت و قدرت کے قلعے میں قدم رکھنا ہے۔ مقصود تو یہ ہے کہ اللہ اللہ ہوتی رہے اور سبوحیت کا زمزمہ شوق پروری کرتا رہے۔

وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصۡطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۲﴾

''اور جب کہا فرشتوں نے اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے فضیلت کے ساتھ چُن لیا اور تجھے خوب طہارت سے نواز دیا اور جہاں بھر کی عورتوں پر تجھے منتخب کر کے فضیلت عطا فرما دی''۔

قرآن مجید کی یہ آیت عربوں کے ناگاہ ماحول میں عرفان و صدق کی روشنیاں برساتی ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کی فضیلت اور برگزیدگی کو پوری طرح عیاں کرتی ہے۔ ان کی طہارت اور پاکیزگی کو پوری

وَاِذۡ: اور جب
قَالَتِ: کہا
الۡمَلٰٓئِكَةُ: فرشتوں نے
يٰمَرۡيَمُ: اے مریم
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
اصۡطَفٰىكِ: چن لیا تجھے
وَطَهَّرَكِ: اور خوب پاک کر دیا تمہیں
وَاصۡطَفٰىكِ: اور چن لیا تجھے
عَلٰى: پر
نِسَآءِ: عورتوں
الۡعٰلَمِيۡنَ: سارے جہاں کی

مفردات

دنیا پر کھولتی ہے، اس لیے کہ آپ کے بطن مقدس سے عیسیٰ علیہ السلام نے غیر معتاد طریقے سے پیدا ہونا تھا، اس لیے یہ صرف قدس کی تاریخ نہیں تھی تمام عوالم اور جہانوں کی تاریخ تھی، اس لیے قرآن حکیم نے بات اٹھائی ہی دنیا بھر کی عورتوں پر فضیلتِ مریم کے مسلّم ہونے سے ہے۔ یہ تھوڑی بڑی بات تو نہ تھی کہ اللہ براہ راست مریم کے وجود میں اپنی روح ڈالنے والا تھا جس طرح آدم علیہ السلام کے جسد خاکی میں سب سے پہلے روح ڈالی تھی۔ وہاں نہ باپ تھا اور نہ ماں اور یہاں عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تھی لیکن باپ نہ تھا۔ تاریخ انسانیت کی یہی وہ منفرد برگزیدگی اور اصطفا تھا جس میں دنیا کی کوئی عورت شریک تھی اور نہ قیامت تک ہوگی۔ مریم علیہا السلام کی حیات مطہرہ کا یہی وہ تفرد تھا جسے قرآن نے بیان کیا اور کہا دنیا بھر کی عورتوں پر اس معاملہ میں آپ کو برتری اور فضیلت حاصل ہوگی۔ علامہ قرطبی نے نیک بختگی کی اور اپنے چند پیش رو مفسرین کی اتباع میں جناب مریم کو نبیہ تسلیم کر لیا (177) حالانکہ اس قسم کی بات تو بنی اسرائیل کے بارے میں بھی ہے۔ ان کے ہر خاص و عام کو تھوڑا ہی نبی تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ ویسے بھی قرآن حکیم نے انہیں صدیقہ کے لقب سے نوازا ہے۔ اچھا نہیں لگتا کہ اس موقع پر فضلیتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بات چھیڑ دی جائے اس لیے کہ قرآن مجید جس موضوع کو اُٹھاتا ہے ہمیں اُس عنوان کو گرانا نہیں چاہیے، وہ باتیں کسی اور موقع پر ہوں گی۔ فی الحال ذہن کو اسی تسلیم کے لیے آمادہ و ایستادہ کرنا چاہیے کہ اللہ نے حضرت مریم علیہا السلام کو اعلیٰ رتبوں اور مرتبوں سے نوازا تھا اس لیے کہ ان کے بطن اطہر سے اس دن کی ہدایت کا چاند ہو رہا تھا۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

''اے مریم! اپنے ربّ کے سامنے ادب سے جھکتی رہو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہو''۔

يٰمَرْيَمُ: اے مریم
اقْنُتِيْ: عبادت کر
لِرَبِّكِ: اپنے ربّ کی
وَاسْجُدِيْ: اور سجدہ کر
وَارْكَعِيْ: اور رکوع کر
مَعَ: ساتھ
الرّٰكِعِيْنَ: رکوع کرنے والوں کے

حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی تربیت شروع ہوگئی۔ روحانی عنایات کے دروازے کھل گئے۔ کرم کے جلووں نے حجرۂ مریم کو اپنے حصار میں لے لیا۔ زکریا علیہ السلام ایسے مربی کی توجہ کیفیات نوازی کی اساس ٹھہری۔ اس نورانی، وجدانی اور عرفانی ماحول میں بارِ تحمل اٹھانے کی تربیت دینے کے لیے ہاتف غیبی نے صدا دی، مریم خلوص اور نیاز مندی کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو جا۔ ''قنوت'' پوری نیاز مندی، یکسوئی، توجہ، دردمندی اور عاجزی کے ساتھ اللہ کی طرف جھک جانا ہے۔ مجاہد نے ''قنوت'' کا معنیٰ پر خلوص عبادت روایت کیا ہے جب کہ قتادہ نے اطاعت اور عبادت پر دوام برتنا ''قنوت'' کا معنیٰ لکھا ہے (178)۔ اوزاعی لکھتے ہیں کہ مریم علیہا السلام نے جب اللہ کا حکم سنا تو نماز میں کھڑی ہوگئیں یہاں تک

کہ ان کے قدم ورم آلود ہو گئے اور پاؤں سے خون اور پیپ بہنے لگ گئی (179)۔

حضرت معدان بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔ حضور کوئی ایسا عمل تلقین فرما دیں جو جنت میں پہنچا دے۔ ثوبان رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ یہی سوال ایک مرتبہ میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کے حضور سجدوں میں کثرت برتو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سجدہ کی وجہ سے تمہارے درجے بلند کرتا ہے اور گناہ معاف فرماتا ہے (نور القرآن)

مسلم شریف کی حدیث ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ سے قرب سب سے زیادہ سجدے کی وجہ سے عطا ہوتا ہے (نور القرآن)۔

علامہ الجزائری نے قرآن مجید کے اس مقام پر ہدایت روحانی کے یہ پانچ پہلو نقل کیے ہیں (180):

1۔ اللہ تعالیٰ سے قریب اہل اطاعت ہی ہوتے ہیں۔ عبادت اللہ سے قریب ہونے کا ذریعہ ہے۔ الجزائری کے اس قول سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ اہل وسیلہ ہی اہل قرب ہوتے ہیں۔

2۔ ملکوت اعلیٰ کی طرف نماز کا قیام سیڑھی کی حیثیت رکھتا ہے۔

3۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر انبیاء کی بھی ہاتف کے ذریعے رہنمائی ہوتی ہے یہی الہام کہلاتا ہے۔

4۔ حضرت مریم کی فضلیت اور کمال کا گواہ قرآن ہے۔

5۔ جن امور میں فیصلہ مشکل ہو قرعہ اندازی کے ذریعہ فیصلہ مشروع ہے۔

علامہ الجزائری نے تو نہیں لکھا ہے لیکن سمجھ آتی ہے کہ کفیل، مربی اور پیر کامل ہو تو مرید کامل نکل سکتا ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

''یہ ہیں غیب کی خبریں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں، آپ اُن کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ مریم کی کفالت اُن میں سے کون کرے اور نہ آپ اُن کے پاس تھے جب وہ جھگڑتے تھے''۔

یہ غیب کی خبریں ہیں

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول پر اپنی خاص خاص نعمتیں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی نعمت یہ ہے کہ ہم نے آپ کو غیب کی خبروں میں حقیقت سے آگاہ کر دیا ''اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ'' رسولوں اور نبیوں کے

مفردات

ذٰلِكَ: یہ ہیں
مِنْ: سے
اَنْۢبَآءِ: خبریں
الْغَيْبِ: غیب کی
نُوْحِيْهِ: کہ وحی کی ہم نے
اِلَيْكَ: آپ کی طرف
وَمَا: اور نہیں
كُنْتَ: تھے
لَدَيْهِمْ: ان کے پاس
اِذْ: جب
يُلْقُوْنَ: ڈالتے تھے
اَقْلَامَهُمْ: اپنی قلمیں
اَيُّهُمْ: کون ان میں سے
يَكْفُلُ: کفالت کرے
مَرْيَمَ: مریم کی
وَمَا: اور نہیں
كُنْتَ: تھے
لَدَيْهِمْ: ان کے پاس
اِذْ: جب
يَخْتَصِمُوْنَ: وہ جھگڑتے تھے

ساتھ متخصص نعمت ہے۔ جناب مریم اور عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت، پرورش اور نشوونما کے سلسلہ میں پرانی کتابیں علم حقیقت سے آگاہ کرنے میں ساکت ہیں، جب کہ قرآن حکیم اپنے پڑھنے والوں کو ایسا صائب علم دیتا ہے جس سے خود بخود محرکات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

وحی کے ذریعہ آگاہی

قرآن مجید کہتا ہے کہ محبوب ہم نے آپ کو وحی سے نوازا یعنی اپنی طرف سے طریق وحی سے تبلیغ احکام کا مناط اور منہاج دیا۔ انسانوں کے ساتھ فرشتے دو طرح ہم کلام ہوتے ہیں: ایک طریق وحی ہے یہ صرف رسولوں اور نبیوں کے ساتھ خاص ہے۔ دوسرا جیسے مادرِ موسیٰ اور مریم سے فرشتوں کا ہم کلام ہونا ہے۔ اس سے نبوت ثابت نہیں ہوتی انہیں شرعی اصطلاح میں محدث کہہ دیا جاتا ہے۔ اُمت مصطفوی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عمران بن حصین ایسے چند نفوس قدسیہ ہیں لیکن اس بات کو قطعی جانا جائے کہ نبوت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہے۔ آپ ہی خاتم النبین ہیں۔ یہ دوسری نعمت ہے جسے اللہ نے اس آیت میں بیان فرمایا۔

تردید ظاہری ذرائع سے علم کی ہے

قرآن مجید کی اس آیت سے روحانی ذرائع کا اعجاز بیان کرنا ہے کہ دیکھیے کہ رسول کے پاس مادی دنیا میں براہ راست ان عظیم تر واقعات سے آگاہ ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، اس لیے کہ کتابوں کے اندر تو اُن لوگوں نے ردوبدل کر دی تھی اور بعض چیزیں ان کے سینوں کے دفینے تھے۔ وہ لوگ اپنی مرجعیت اور مشیخت کو نقصان سے بچانے کے لیے کتمان علم پر فخر کرتے تھے۔ قرآن مجید نے وحی کے ذریعے اور روحانی علوم کے القا کے ذریعے سب کچھ الم نشرح کر دیا اور اسے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تیسری نعمت قرار دیا۔ بیان میں تقدم تاخر بھی نعمت باطنیہ کا روحانی اعجاز ہے۔

اندھے کو اندھیرے میں

بعض لوگوں نے ''وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ'' میں خسیس بحث شروع کر دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو کہا گیا کہ آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حاضر و ناظر نہ ہونے کی دلیل ہے۔ علماء کے جسکے بھی عجیب تر ہوتے ہیں، یا وہ اللہ کی شان گھٹانے میں لگے ہوتے ہیں اور یا پھر ناموس رسالت کو موضوع سخن بنا کر رکیک تحقیق کو مطمع نظر بنا لیتے ہیں۔ قرآن پڑھتے ہوئے ہمیں شانیں بڑھا کر عملیت اور روحانیت تک رسائی حاصل کرنی چاہیے، نہ کہ شان گھٹا کر دوزخ میں مقام و مرتبہ کی تگ و دو کرنی چاہیے۔ آیات قرآنیہ کے مقاصد جگمگاتے ہوتے ہیں ہمیں ان ہی سے مستفیض ہونا چاہیے۔

قرآن مجید تو انبائے غیبیہ اور وحی کو محل مدح میں لا رہا ہے اس سے شان نبوت سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اقلام کے ذریعے قرعہ اندازی

عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں:

> ''ہیکل سلیمانی کی خدمت اور نگہداشت کے لیے خادموں کی ایک بڑی جماعت وہاں رہتی تھی جیسے کہ بڑی مسجدوں کی خدمت کے لیے جاروب کشوں، فراشوں، دربانوں اور مؤذنوں وغیرہم کو مسجدوں میں رہنا پڑتا ہے۔ حضرت مریم کے والد حضرت عمران اس زمانے میں ان خادمین حرم کے سردار تھے۔ ان کی وفات پر سوال یہ پیدا ہوا اب مریم کا سرپرست کون ہو؟ رشتہ کے اعتبار سے حضرت زکریا علیہ السلام سب سے زیادہ قرب رکھتے تھے، اس لیے کہ آپ مریم علیہا السلام کے خالو لگتے تھے۔ طے یہ پایا کہ سوال کا حل فال کے ذریعے نکالا جائے۔ فال کو اشارہ غیبی کے قائم مقام سمجھا گیا۔ طریقہ اس کا یہ تھا کہ نے کے قلم ہوتے جن پر بعض توریت کی عبارتیں لکھی ہوتیں انہیں دریا برد کر دیا جاتا اور قلم عموماً دریا ہی کے رخ بہتے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا کہ قلم اُلٹی سمت جاری ہو جاتا، جیت اسی قلم کے مالک کی سمجھی جاتی، یہی صورت یہاں ہوئی اور قرعہ کا قلم زکریا علیہ السلام کے نام الٹے رخ بہنے لگ گیا'' (181)۔

قرآن حکیم کا مقصود قصہ بیانی نہیں اس بات کو مؤکد کرنا ہے کہ دیکھو میرے محبوب اس وقت وہاں موجود تو نہیں تھے لیکن واقعات کس طرح بیان فرما رہے ہیں، یہ دلیل ہے کہ اُن کا رشتہ اللہ سے مربوط ہے اور وہ ہمہ دم وحی کے ذریعے ان کی رہنمائی کرتا ہے اور اس وقت انسانی قافلوں کی رہبری کا ذمہ انہی کو سونپ دیا گیا ہے۔ استحکام یقین کے لیے آیات اور واقعات کا عمود چند لفظوں میں بیان کر دیا گیا۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ
الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ
الْمُقَرَّبِيْنَ ۙ﴿۴۵﴾
وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾
قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ
يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾

(45) اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمے کی بشارت دیتا ہے اُس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا خوبرو معزز دنیا اور آخرت میں اور اللہ کے خاص قرب والوں میں سے ہوگا

(46) اور لوگوں سے کلام کرے گا گہوارۂ مادر میں بھی اور پکی عمر میں بھی اور نیکوں میں سے ہوگا

(47) مریم نے عرض کی میرے پالنہار! کہاں سے میرا بچہ ہوگا مجھے تو کسی آدمی نے چُھوا تک نہیں، فرمایا یوں ہی اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے جب فیصلہ فرمالیتا ہے کسی کام کا تو نہیں ہے سوا اُس کے کہ فرماتا ہے اُس کے لیے ''ہوجا'' سو وہ فوراً ہوجاتا ہے

مفردات

اِذْ: جب
قَالَتِ: کہا
الْمَلٰٓئِكَةُ: فرشتوں نے
يٰمَرْيَمُ: اے مریم
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
يُبَشِّرُكِ: تجھے خوشخبری دیتا ہے
بِكَلِمَةٍ: ایک کلمہ کے ساتھ
مِّنْهُ: خاص اپنی طرف سے
اسْمُهُ: اُس کا نام
الْمَسِيْحُ: مسیح ہے
عِيْسَى: عیسیٰ
ابْنُ: بیٹا
مَرْيَمَ: مریم کا
وَجِيْهًا: خوبصورت اور معزز ہوگا
فِي الدُّنْيَا: دنیا میں
وَالْاٰخِرَةِ: اور آخرت میں
وَمِنَ: اور سے
الْمُقَرَّبِيْنَ: قرب رکھنے والوں میں سے

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۙ﴿۴۵﴾

''اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمے کی بشارت دیتا ہے اُس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا خوبرو معزز دنیا اور آخرت میں اور اللہ کے خاص قرب والوں میں سے ہوگا''۔

قرآن مجید مقاصد کے اعتبار سے سپنوں کی کتاب نہیں حقیقتوں کا صحیفہ ہے۔ فکری جھول کی تائید کا قرآن حکیم میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ دنیا میں وحی کی عظمتوں اور تقدیس کے اصولی حامی تین مذاہب کے لوگ ہیں: یہودی، عیسائی اور اسلامیانِ عالم۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تمام مذاہب کے حاملین کی قرآن حکیم مدد کرتا ہے اور حقائق بے نقاب اور بے حجاب کرتا ہے۔

بشارت عیسیٰ ابن مریم

یہ آیت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی نوید سناتی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف حمیدہ اور کمالات مجیدہ قارئین کے سامنے لاتی ہے۔ یہ وہ اصلاحی مقدمہ ہے جس میں تمام اظہارات عیسیٰ علیہ السلام کے مخلوق ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ استدلال کا اسلوب نفسیاتی ہے مجادلاتی نہیں، جو پیدا ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا، اس کی تخلیق خالق کا عرفان دیتی ہے اور یہ وہ مبادیات ہیں جن سے کسی دین کا راسخ ہونا پہچانا جاسکتا ہے۔

فرشتوں کا نزول

یہ انسانی بدقسمتی ہے کہ وہ لوگ اپنے رہبر پہچاننے میں ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ کبھی تو اتنا بڑھانا کہ الوہیت میں شریک گردانے لگ جانا اور کبھی اتنا گھٹانا کہ انہیں اوصاف کے بغیر صرف ڈاکیے کی حیثیت دے دینا۔ قرآن مجید کی یہ آیت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دعویٰ کرتی ہے، یہ بھی نہیں اور یہ بھی نہیں آپ کی عظمت یہ کہ فرشتے آپ سے ہم کلام ہوتے، آپ کی ماں جی سے ہم کلام ہوتے۔ ماں اور بیٹا دونوں تقدیسات کے مرقعے تھے لیکن دونوں خدا نہیں تھے۔ ماں صدیقہ تھیں اور بیٹا اللہ کا نبی اور مرسل تھا۔ دونوں میں اوصاف عظیمہ موجود تھے۔ خوشخبری اللہ کی طرف سے تھی اور لوح ہبوط ماں کا دل تھا۔ نوری فرشتے ماحول کو منور کیے ہوتے تھے اور یہ سب کچھ حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت کی خوشبو لیے ہوئے تھا۔ ماحول کا منظر نامہ شخصیات کی تقدیسی کہانی بیان کرنا نہیں، ہدایت کے سرچشمے کی تعیین ہے تاکہ انسانی قافلے ٹھوکر کھانے سے بچ جائیں۔

پرتو اعجاز کی جلوہ نمائی

قرآن حکیم عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر جب بھی کرتا ہے مادری نسبت سے کرتا ہے۔ ہر جگہ بیان کی یہ قدرت اور اعجاز کی یہ ندرت عیسیٰ علیہ السلام کے ''ابن اللہ'' ہونے کا رد کرتی ہے اور اس طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ عیسیٰ بن باپ پیدا ہوں گے وگرنہ باپ کی طرف آپ منسوب ہوتے۔ یہ شان اللہ کی ہے کہ اس کے کلام میں ایسی رعایت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں شریک ہونے سے بھی برأت موجود ہے۔

اللہ کا کلمہ

قرآن مجید نے علم وادب کے سابق روحانی ریکارڈ کی تصدیق کی اور اس آیت میں جہاں عیسیٰ علیہ السلام کے اور اوصاف نقل کیے وہاں آپ کو اللہ کی طرف سے کلمہ قرار دیا۔ لغوی اعتبار سے تو جہاں اللہ کے کلمہ ''کن'' کی اعجاز کاری مشاہد ہو، وہاں ''کلمہ'' میں وفور نور کا مستفہم ہونا بعید نہیں رہتا۔ عیسیٰ علیہ السلام کیسے اللہ کا کلمہ تھے؟

مفسرین کی اکثریت اسی طرف گئی ہے۔ آپ کی غیر معمولی پیدائش یعنی بن باپ پیدا ہونے کی وجہ سے آپ کو کلمہ کہا گیا لیکن اس وجہ کے علاوہ بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا کہ آپ کی ولادت سے پہلے چونکہ آپ کی والدہ کو کلام کے ذریعے یہ بشارت دے دی گئی تھی کہ بن باپ ان کے ہاں بیٹے کا تولد ہوگا اس لیے انہیں کلمہ کہا گیا، پیشگی جن کی بات کر دی گئی ہو۔

تیسری تعبیر یہ بھی ہوسکتی ہے جہاں تحیر معنوی قریب الفہم نہ ہو وہاں تعبیر کو الہامی لفظوں کا جامہ پہنا دیا جاتا ہے تاکہ انسان اپنی کمزوری کا احساس کرے۔ قرآن مجید میں آیت کا مفہوم اسی حیرت کا کلمہ پڑھا رہا ہے:

> ''کہہ دیجیے میرے ربّ کے کلمات لکھنے کے لیے اگر
> سمندر روشنائی بن جائیں تو وہ ختم ہو جائیں گے لیکن
> میرے ربّ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے اگرچہ انہی
> جتنے اور سمندر بھی ان میں شامل ہو جائیں'' (182)۔

مسیح ہونے کا مفہوم

تفسیر مراغی میں لکھا گیا ہے کہ ''مسیح'' لفظ عبرانی لفظ ''مشیحا'' کا معرب ہے۔ اس کا معنیٰ ''مبارک'' ہونا ہے۔ یہ بھی تفاسیر میں مرقوم ہوا ہے کہ مسیح بادشاہوں کا لقب تھا، اس لیے کہ ان کے ہاں

جو شخص بھی اقتدار سنبھالتا کاہن اُس کے جسم پر مقدس تیل ملتے ۔اس اعزاز کی وجہ سے وہ بادشاہ ''مسیح'' کہلاتا (183)۔کم از کم ہمارے ایسے مفسرین کو انکار نہیں ہوسکتا کہ کاہن تو پاکیزگی سے دور کی چیز ہوتے ہیں۔عیسیٰ علیہ السلام کے وجود کو مریم کے ہاتھوں کا لمس حاصل تھا۔فرشتوں نے انہیں نوری پروں سے چھوا تھا۔آخر زکریا نبی نے بھی تو اٹھانے کے مزے لیے ہوں گے۔اللہ کی رحمتوں نے بھی تو انہیں ہجوم عنایت کی چادر پہنائی ہوگی۔وہ مسیح نہ ہوتے تو کون ہوتا۔رحمت کے آستانوں اور کرم کے دامانوں کو چھونے کی رسم ممکن ہے یہیں سے چلی ہو۔

یہ بات بھی قرین تسلیم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نا قابل علاج بیماروں کو فقط چھوتے تھے تو اللہ انہیں شفاء نصیب فرما دیتا تھا۔قرآن مجید کہتا ہے کہ اس افتخار اور سعادت کی سند جناب عیسیٰ کو پیشگی عطا کر دی گئی اور آپ کو مسیح کہہ دیا گیا۔

اگر یہ لفظ سیاحت سے ہو تو اللہ کی راہ میں دعوتی سرگرمیاں لفظ کی معنوی لپیٹ میں آسکتی ہیں لیکن یہاں قادیانیوں کے لیے معنوی سرقہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

وَجِيۡهًا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ

ایسا شخص جو مرتبہ والا ہو۔اس کی شرافت مسلّمہ ہو اور معاشرہ میں وہ صاحب قدر و منزلت سمجھا جاتا ہو۔بعض ائمہ لغت نے ''الوجیہ'' کا معنیٰ الکریم لکھا ہے۔''الوجہ'' سے ''وجیہ'' ہے جیسے چہرہ تمام اعضاء میں اشرف ہوتا ہے۔''وجیھہ'' شخص سب سے زیادہ رتبے والا ہوتا ہے۔

آخرت میں ''وجیہ'' کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ اپنے غلاموں کی شفاعت فرمائیں گے اور شفاعت قبول بھی کی جائے گی اور مقربین سے ہوں گے۔البحر المحیط میں ابوحیان اندلسی نے لکھا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ کے ہاں خصوصی شرف حاصل ہوگا اور مراتب میں بلندی ان کے لیے خصوصی انعام ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں خصوصی توجہ حاصل ہوگی (184)۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الۡمَهۡدِ وَكَهۡلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۴۶﴾

''اور لوگوں سے کلام کرے گا گہوارۂ مادر میں بھی اور پکی عمر میں بھی اور نیکوں میں سے ہوگا''۔

اس سے پہلی آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کی پُرعظمت شخصیت کے اوصاف بیان ہو رہے تھے۔اب اس آیت میں ان کے اوصاف کا معاشرتی اور روحانی رنگ بتایا جا رہا ہے کہ وہ آغوش مادر ہی میں پختہ کلام فرمائیں گے۔یہ معنیٰ بھی مفسرین نے کیا کہ وہ پنگوڑے ہی میں کلام فرمائیں گے،رنگ آمیزی کا اسلوبی حسن ملاحظہ ہو کہ ''پنگوڑا'' ماں جی کی شفقتوں ہی سے پیار بانٹتا ہے،وہ منظر کیسا ہوگا؟ جب کا کل

مفردات

وَ: اور
يُكَلِّمُ: بات کریں گے
النَّاسَ: لوگوں سے
فِي: اندر، میں
الۡمَهۡدِ: آغوش مادر، پنگوڑے میں
وَكَهۡلًا: بڑی عمر میں، پختہ عمر میں
وَّ: اور
مِنَ: سے
الصّٰلِحِيۡنَ: نیکوں

مشکیں کو چادر میں ڈھانپے اور روئے عنبریں جھکائے مریم گہوارۂ عیسیٰ کو جھول رہی ہوں گی اور جناب عیسیٰ علیہ السلام فضائے قدس میں انوار کے رم جھم ماحول میں شیریں کلام سے بحر اوقات میں مدو جزر پیدا کر رہے ہوں گے۔ علامہ آلوسی نے لکھا کہ آپ نے پہلے اپنی والدہ کی برأت بیان کی اور ان کی عفت اور پاکیزگی کے گواہ بنے، پھر آپ نے عام بچوں کی طرح بولنا شروع کر دیا۔ روح المعانی نے یہ بھی لکھا کہ آپ نے اُسی وقت اپنی عبدیت اور نبوت کا بھی اعلان فرما دیا (185)۔

کہولت کی عمر بڑی عمر ہوتی ہے۔ فخر الدین رازی نے لکھا (186) کہ بڑی عمر میں تو ہر شخص گفتگو کرتا ہے۔ یہاں اشارہ اس طرف مقصود ہے کہ کلام نبوت جو توحید کے اسرار و رموز پر مبنی ہوگا وہ آغوش مادر کی طرح کہولت کی عمر میں بھی آپ کی زبان سے عیاں ہوگا یعنی آپ کا بچپن اور آپ کی کہولت کی عمر فیضاں رسی میں برابر ہوگی۔

آیت نے یہ بھی لکھا کہ آپ صالحین سے ہوں گے۔ علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں انسان کی تاریخ میں صالح ہونے سے بڑا کوئی رتبہ نہیں ہوسکتا۔ صالح وہی ہوتا ہے جس کے تمام افعال خواہ ان کا تعلق عمل کرنے سے ہو، یا عمل کے چھوڑنے سے ہو جب بہتر اور کامل طریقہ پر ہوں اُسے صالح کہہ دیا جاتا ہے۔ کسی کو صالحین میں سے ہونے کا لقب دینا بہت بڑی تعریف ہے۔

عمر کے لحاظ سے اطوار اور رواتب

''جنین''	:	وہ بچہ جو ماں کے پیٹ میں ہو۔
''ولید''	:	وہ بچہ جو پیدا ہو گیا ہو۔
''صدیع''	:	ایک ہفتہ تک کی عمر کا بچہ۔
''رفیع''	:	جو بچہ ماں کا دودھ پیتا ہو۔
''فطیم''	:	وہ بچہ جو دودھ پینا چھوڑ دے۔
''جحوش''	:	دودھ چھوڑنے کے بعد کی حالت۔
''دارج''	:	وہ بچہ جو زمین پر گھسٹ کر چلتا ہو۔
''مثغر''	:	بچے کے دودھ دانت جب گر جائیں۔
''مثعر''	:	دودھ دانت گرنے کے بعد جب دانت دوبارہ نکل آئیں۔
''مترعرع''	:	بچہ جب دس سال کی عمر سے تجاوز کر جائے۔
''یافع''	:	بچہ بالغ ہو جائے اسے ''مراھق'' بھی کہتے ہیں۔

مفردات

''محزور'' : پکا بالغ۔
''باقل'' : جب مونچھیں رخساروں کی طرف لپک آئیں۔
''شارخ'' : جب داڑھی ٹھوڑی پر نکل آئے۔
''مجتمع'' : جب داڑھی پوری ہو جائے۔
''شاب'' : تیس سال کا جوان۔
''کھل'' : اگلی عمر کہولت کی ہوتی ہے۔

سراج منیر، معالم التنزیل وغیرہ میں مفسرین نے یہ روایت نقل کی کہ حضرت مریم فرماتی ہیں:

''جب میں اکیلی ہوتی تو عیسیٰ میرے پیٹ میں میرے ساتھ کلام کرتے اور میں ان سے کلام کرتی اور اگر کوئی اور شخص میرے پاس ہوتا تو عیسیٰ علیہ السلام میرے پیٹ میں تسبیح پڑھتے جسے میں سن رہی ہوتی'' (187)۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ؕ قَالَ کَذٰلِکِ اللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ﴿۴۷﴾

''مریم نے عرض کی میرے پالنہار! کہاں سے میرا بچہ ہوگا مجھے تو کسی آدمی نے چھوا تک نہیں، فرمایا یوں ہی اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے جب فیصلہ فرما لیتا ہے کسی کام کا تو نہیں ہے سوا اُس کے کہ فرماتا ہے اُس کے لیے ''ہو جا'' سو وہ فوراً ہو جاتا ہے''۔

قرآن مجید کا یہ جملہ کہ میرے ربّ کیسے ہوگا میرا بچہ؟

علامہ آلوسی نے لکھا (188) کہ پہلا احتمال یہ ہے کہ یہ استفہام مجازی ہو، مفہوم یہ ہے کہ مریم علیہا السلام نے شادی تو کی نہیں تھی اس لیے عادۃً بچہ ہونے کو بعید تصور فرمایا اور تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: بچہ کیسے پیدا ہوگا؟ یہ ایسے ہی ہے جس شخص نے پہلی بار سمندر دیکھا ہو تو وہ حیرت سے جب کنارا نہیں پاتا اور دوسری طرف اللہ کی قدرت پر یقین ہوتا ہے۔ مریم علیہا السلام بھی حیرت اور ''کن'' کے اعجاز پر یقین کے درمیان کھڑی تھیں، اس لیے بشری نفسیات کے مطابق آپ کی زبان سے یہ لفظ نکل گئے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ''اَنّٰی'' استفہام واقعیہ ہے کہ یہ سوال حقیقی طور پر تھا کہ یہ بچہ نتیجۂ نکاح میں ہوگا یا قدرت باری سے پیدا ہوگا (189)۔

قَالَتْ: عرض کی
رَبِّ: اے میرے ربّ
اَنّٰی: کہاں سے؟ کیسے؟ کس طرح؟
یَکُوْنُ: ہوگا
لِیْ: میرے لیے
وَلَدٌ: بیٹا
وَّلَمْ: اور نہیں
یَمْسَسْنِیْ: چھوا مجھے
بَشَرٌ: کسی انسان نے
قَالَ: فرمایا
کَذٰلِکِ: یوں ہی
اللّٰہُ: اللہ
یَخْلُقُ: تخلیق فرماتا ہے
مَا یَشَآءُ: جو وہ چاہتا
اِذَا: جب
قَضٰی: وہ فیصلہ کر لیتا ہے
اَمْرًا: کسی کام کا
فَاِنَّمَا: تو نہیں سوا اس کے
یَقُوْلُ: فرماتا ہے
لَہٗ: اس سے
کُنْ: ہو جا
فَیَکُوْنُ: تو وہ ہو جاتا ہے

اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ استفہام کیفی ہو۔ اس میں سوال کیفیت کے بارے میں ہوتا ہے کہ بچہ پیدا ہونے کی کیفیت کیا ہوگی؟ بچہ کیسے پیدا ہو سکے گا حالانکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے(190)۔

حالانکہ کسی بشر نے مجھے چھوا تک نہیں

تفسیر ابی السعود میں اس جملہ کو حالیہ تسلیم کیا گیا ہے جو مابعد کو ثابت کر رہا ہے یعنی میں ابھی کنواری ہوں مجھے کسی انسان نے مَس تک نہیں کیا تو بچہ پیدا ہوگا اور ایسا بھی ہے کہ میں غلط کار عورت نہیں ہوں(191)۔

البحر المحیط میں علامہ اندلسی نے لکھا جب صبح کی روشنی ظاہر ہو جائے تو کہتے ہیں ''تباشیر الصبح'' ''تبشیر'' مخفی چیز کا ظاہر ہو جانا ہوتا ہے۔ بشر کو بشر اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا چمڑا ظاہر ہوتا ہے۔ تفسیر خازن میں ہے کہ مریم نے یہ جملہ تعجب کے طور پر کہا تھا کہ عادتہً ایسے ہی ہوتا ہے کہ بغیر باپ کے اولاد نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ کی قدرت میں آپ کو ذرہ برابر بھی شک نہیں تھا(192)۔

قرآن مجید کے اگلے حصے میں حیرتوں کے ہر غبار کو دور کر دیا گیا کہ اللہ جب کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے اس کے لیے اس کا ''کن'' کہنا ہی کافی ہوتا ہے وہ کام اس کی قدرت سے ہو جاتا ہے۔

❁❁❁❁❁

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ ﴿۴۸﴾
وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ
اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ
وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ ﴿۴۹﴾

(48) اور اُسے وہ تعلیم دے گا کتاب اور حکمت کی اور تورات اور انجیل کی

(49) اور وہ رسول ہوگا آل یعقوب کی طرف، یہ فرماتے ہوئے کہ میں لایا ہوں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے ایک نشانی، یہ کہ بناتا ہوں میں کیچڑ سے پرندے کی صورت پھر پھونکتا ہوں اُس میں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور میں تندرست کر دیتا ہوں پیدائشی اندھے اور کوڑھ کے مریض کو اور میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں اور بتائے دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ چھوڑتے ہو بے شک اس میں تمہارے لیے بہت بڑی نشانی ہے اگر تم ایماندار ہو

مفردات

وَيُعَلِّمُهُ: اور سکھائے گا اُسے
الْكِتٰبَ: کتاب
وَالْحِكْمَةَ: اور حکمت
وَالتَّوْرٰىةَ: اور توریت
وَالْاِنْجِيْلَ: اور انجیل

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾

''اور اُسے وہ تعلیم دے گا کتاب اور حکمت کی اور تورات اور انجیل کی''۔

آیت میں ''الْكِتٰبَ'' سے مراد کیا ہے؟

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں (193) کہ اللہ تعالیٰ نے الہام اور وحی کے ذریعے کتابت یعنی قلم کے ساتھ لکھنا سکھایا اور خط کے اعتبار سے آپ اپنے زمانے میں سب سے خوبصورت لکھنے والے تھے اور یہ بھی ہے کہ آپ اپنی تمام انگلیوں کے ساتھ قلم باندھ کر لکھتے۔ اس طرف علماء گئے ہیں کہ ''الْكِتٰبَ'' میں الف لام جنسی ہے کہ آپ اپنے قلم سے کتب الٰہیہ لکھتے۔ آگے آیت میں تورات اور انجیل ''الکتاب'' ہی کا بیان ہے۔

حکمت سے کیا مراد ہے؟

علامہ عبدالرزاق بھترالوی لکھتے ہیں (194):

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے ''الحکمت'' سے مراد فقہ اور حلال اور حرام کا علم ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے تمام امور دینیہ کے علم کو آیت میں حکمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تیسرا یہ قول بھی ہے کہ انبیاء کی سنتوں پر چلنا حکمت ہوتا ہے۔

علامہ آلوسی نے لکھا کہ صحیح کام کرنا حکمت ہوتا ہے (195) اور علوم عقلیہ اور نقلیہ میں پختہ یقین کو حکمت کہہ دیا جاتا ہے۔ روح البیان میں تہذیب اور اخلاق کو حکمت کہا گیا ہے (196)۔

تورات اور انجیل کی تعلیم سے مراد یہ ہے کہ آپ دونوں کتابیں زبانی یاد کرلیں گے۔ علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ تعریفی جملے لانے سے مریم خوش ہوگئیں اور ملامت کا خوف ان کے دل سے زائل ہوگیا جو اندیشہ عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے کی وجہ سے لاحق تھا، اس لیے کہ کتاب وحکمت اور تورات وانجیل سے یہ وابستگی روحانی لحاظ سے یقین افزائی کررہی تھی کہ وہ نبی ہوں گے اور یہ یقین مریم علیہا السلام کے لیے تسکین قلب کا ذریعہ ثابت ہوا (197)۔

عیسیٰ علیہ السلام کے کلمات حکمت اور درمنثور

جلال الدین سیوطی نے چند روایات نقل کیں جن سے عیسیٰ علیہ السلام کے حکمت بھرے کلمات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے (198):

''کوئی شخص ایمان کی حقیقت نہیں پاسکتا جب کھانے میں

حلال اور حرام کی تمیز نہیں کرتا''۔

آپ ہی کا مبارک ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ سے خشیت اور جنت الفردوس کی محبت سے
مصیبتوں پر صبر کرنا آجاتا ہے اور دنیا کی زیب و زینت
جنت سے دوری کا سبب بنتی ہے''۔

درمنثور ہی میں مروی ہے، آپ نے فرمایا:

''آدم کے کمزور بیٹے!
تُو جہاں بھی ہو اللہ سے ڈر
اور لقمہ رزق حلال سے حاصل کر
مسجد کو اپنا گھر بنا
دنیا میں کمزور اور چھوٹا بن کر جی
اور اپنے آپ کو دردمند بنا اور رونے کا خوگر ہو، اللہ کی یاد
میں فکرمند ہو، جسم کو صبر پر قائم رکھ!!!
کل کے رزق کے بارے میں فکرمند نہ ہو نہیں تو گناہ گار
لکھا جائے گا''۔

جلال الدین سیوطی مزید آپ کی حکمت بھری باتیں نقل فرماتے ہیں:

''دنیا سے گزر جا اور اس کی آبادی کی فکر نہ کر، دنیا کی محبت
ہر خطا کی جڑ ہے، دنیا کی طرف دیکھنے سے باطل خواہشات
دل میں پیدا ہوتی ہیں''۔۔۔۔۔!!

آپ کا ارشاد ہے:

''لوگو! تم میں دو خصلتیں جہالت ہیں: ہنسنا بغیر تعجب کے
اور صبح کرنا بغیر بیدار ہونے کے''۔

ایک عورت آپ کے پاس سے گزری اور کہا کہ کتنی
مبارک ہے وہ ماں جس نے تجھے دودھ پلایا اور اپنی گود
میں پالا۔

آپ نے سن کر فرمایا:

''خوشی اور برکت اس کے لیے ہے جس نے اللہ کی کتاب پڑھی اور پھر اس پر عمل کیا''۔

عیسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

''تمام خطاؤں کی اصل دنیا کی محبت ہے اور شراب پینا ہر بدی کی کنجی ہے اور عورتیں شیطان کا جال ہیں''۔

آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

''اہلیت رکھنے والوں میں حکمت رکھو وگرنہ بصورت دیگر یہ ضائع ہو جائے گی اور یہ بھی کہ اگر تم نے اہلیت رکھنے والوں سے حکمت کو دور رکھا تو تم نے پھر بھی حکمت ضائع کر دی تم طبیب کی طرح ہو جاؤ جو دوا کو مناسب جگہ پر رکھتا ہے''۔

علماء کو آپ نے نصیحت فرمائی:

''تم لوگوں کے لیے چور بھیڑیے کی طرح نہ ہو جاؤ، دھوکہ باز لومڑی کی طرح نہ بنو اور اچک لینے والے گدھ کی طرح نہ ہو جاؤ''۔

آپ کا حکیمانہ ارشاد ہے:

''جیسے پانی کے دریا پر گھر نہیں بنایا جا سکتا ایسے ہی دنیا پر قرار اور سکون حاصل نہیں کیا جا سکتا''۔

مزید تفصیل کے لیے درمنثور کا مطالعہ کر لیا جائے، خوبصورت خزانہ ہے جو سیوطی نے حکمت کی قدر کرنے والوں کے لیے چھوڑا ہے۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٤٩﴾

مفردات

وَرَسُوْلًا: اور رسول
اِلٰى: کی طرف
بَنِيْٓ: اولاد
اِسْرَآءِيْلَ: یعقوب علیہ السلام
اَنِّىْ: بے شک میں
قَدْ: تحقیق
جِئْتُكُمْ: آیا میں تمہارے پاس
بِاٰيَةٍ: نشانی اور معجزے کے ساتھ
مِّنْ: سے
رَّبِّكُمْ: تمہارے پروردگار
اَنِّىْٓ: تحقیق میں
اَخْلُقُ: بناتا ہوں
لَكُمْ: تمہارے لیے
مِّنَ: سے
الطِّيْنِ: مٹی سے، کیچڑ سے
كَهَيْـَٔةِ: شکل وصورت میں مثال
الطَّيْرِ: پرندے
فَاَنْفُخُ: تو پھر پھونک مارتا ہوں
فِيْهِ: اس میں
فَيَكُوْنُ: تو وہ ہو جاتا ہے
طَيْرًا: پرندہ
بِاِذْنِ: اذن
اللّٰهِ: اللہ کے ساتھ
وَاُبْرِئُ: اور صحیح کر دیتا ہوں
الْاَكْمَهَ: مادرزاد اندھے کو
وَالْاَبْرَصَ: اور کوڑھی کو
وَاُحْيِ: اور زندہ کرتا ہوں

''اور وہ رسول ہوگا آل یعقوب کی طرف، یہ فرماتے ہوئے کہ میں لایا ہوں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے ایک نشانی، یہ کہ بناتا ہوں میں کیچڑ سے پرندے کی صورت پھر پھونکتا ہوں اُس میں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور میں تندرست کر دیتا ہوں پیدائشی اندھے اور کوڑھ کے مریض کو اور میں اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کرتا ہوں اور بتائے دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ چھوڑتے ہو، بے شک اس میں تمہارے لیے بہت بڑی نشانی ہے اگر تم ایماندار ہو''۔

آیت کی تشریح میں ''رَسُوْلًا'' سے پہلے ایک فعل محذوف ہے یعنی ''یبعثه رسولا'' اس سے اشارہ اس طرف کرنا مقصود ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تھا ایسے ہی سیدنا مسیح کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اس جملہ سے یہ بات بھی کھل گئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امور رسالت جن کی تبلیغ پر وہ مامور تھے، عالمی نہیں تھے صرف بنی اسرائیل تک محدود تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بھی احسن اسلوب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تقدیس رسالت بیان فرمائی:

''عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ اُسی کا چھاج ہوگا اور وہ اپنے کھلیان کو اچھی طرح پھٹکے گا اور گندم کو بھس سے علیحدہ کرے گا''۔

عیسیٰ علیہ السلام نے خود بھی اپنے بارے میں یہی اعلان فرمایا جس وقت آپ نے حواریّین کو تبلیغ کے لیے بھیجا تو فرمایا مجھے صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو تلاش کرنا ہے۔ ایک غیر اسرائیلی عورت نے دعائے شفاء چاہی تو آپ نے فرمایا: ''بچوں کے حصہ کی روٹی کتوں کے آگے ڈالنا ٹھیک نہیں''۔

منظر نامہ بدل جاتا ہے

آیت میں واقعاتی کڑیاں حذف کر کے اصل موضوع کی طرف قارئین کی توجہ جذب کر لی جاتی ہے اور سیدنا مسیح علیہ السلام اپنی رسالت اور معجزات کا جلی اور واضح اعلان کر دیتے ہیں۔

معجزات پانچ قسم کے تھے:

1۔ مٹی سے پرندے کی تصویر بنانا اور پھر اس میں پھونک مار کر اسے زندہ کر دینا۔

2۔ مادرزاد اندھے کو بینا کر دینا۔

3۔ کوڑھی کو صحت کا حامل کر دینا۔

4۔ مُردوں کو زندہ کر دینا۔

مفردات

اَلْمَوْتٰى: مُردوں کو
بِاِذْنِ اللّٰهِ: اللہ کے اذن سے
وَاُنَبِّئُكُمْ: اور خبردار کرتا ہوں تمہیں
بِمَا: جو کچھ
تَاْكُلُوْنَ: تم کھاتے ہو
وَمَا: اور جو
تَدَّخِرُوْنَ: اور جو کچھ تم رکھ آؤ
فِيْ: میں
بُيُوْتِكُمْ: اپنے گھروں میں
اِنَّ: بے شک
فِيْ: بیچ میں
ذٰلِكَ: اس کے
لَاٰيَةً: نشانی ہے
لَّكُمْ: تمہارے لیے
اِنْ: اگر
كُنْتُمْ: تم ہو
مُّؤْمِنِيْنَ: ایمان رکھنے والے

5۔ اور پانچویں قسم غیوب کی خبروں پر مطلع کر دینا۔ آپ بتا دیا کرتے تھے کہ تم نے آج یہ کھایا ہے اور گھر میں یہ کچھ چھوڑا ہے۔

ایک اہم نقطہ

عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات پہلی کتب نے بھی بیان کیے ہیں لیکن ان کی نسبت کچھ اس طرح بیان ہوئی کہ بہت سارے لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا تصور کر بیٹھے اور شرک کی مکروہ صورت مرجع اضطرابات بن گئی۔ قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ جہاں بھی معجزات بیان ہوئے ساتھ ''بِاِذۡنِ اللّٰهِ'' یعنی اللہ کے حکم کی قید لگائی۔ لوگوں کی نظر میں جہاں بھی کوئی فعل عقلوں کو حیران کر دینے والا ہو اس کا حقیقی فاعل اللہ ہی ہوتا ہے۔

تمثیل نہیں حقائق

پرویز وغیرہ (199) عقل پرست مفسرین نے یہاں معجزات کو تمثیلات قرار دے کر اُلٹے سیدھے مفہومات متعین کرنے کی بے جا کوشش کی ہے۔ عجیب بات یہ ہے رشید رضا ایسے مصری مؤلفین بھی اسی بھر بھری اور ریتلی پگڈنڈی پر چلے ہیں (200)۔ ایسے لوگوں نے اپنے نیلے پیلے افکار سے پیچیدگیوں کو پیچیدہ تر بنایا ہے۔ جب ہم نے تسلیم کر لیا کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات اور قوانین فطرت و طبعیت کا مالک اور حاکم ہے تو پھر اس کے محکومات میں اُس کے حکم سے تبدیلیاں خواہ ابداعی ہوں یا تقدیری ان پر اعتراض چہ معنیٰ دارد؟ بات اس پر ختم ہوگی کہ جب انبیاء اور اولیاء اللہ ہی کے اوامر کی تبلیغ کرتے ہیں اور ان سے بعض تعجب ناک امور سرزد ہوتے ہیں تو طبیعتیں میلی کیوں ہوتی ہیں۔ صائب راہ تو تسلیم اور تفویض ہے۔ اللہ تعالیٰ جب انبیائے کرام کو مبعوث کرتا ہے تو انہیں تہی دامن، تہی دست اور تہی دماغ بنا کر مبعوث نہیں کرتا۔ ضرورت تبلیغ کو ہر جہت سے پورا کیا جاتا ہے اور پھر جب قرآن ان روحانی افعال کو ''آیت'' قرار دیتا ہے اور آیت تو اسی صورت میں آیت ہوگی جب یہ سطحی اور ظاہری علل و اسباب کے اصولوں کو توڑ دے۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ
حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾
اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾
فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ
الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾
رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

(50) اور میں تصدیق کرنے والا بن کر آیا ہوں جو کچھ کہ مجھ سے پہلے تورات میں آیا اور اس لیے کہ میں حلال کر دوں تمہارے بعض اس کو جو تم پر حرام کر دی گئی تھی اور آیا ہوں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے عظیم نشانی لے کر سو ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو

(51) بے شک اللہ میرا بھی پالنے والا ہے اور تمہارا بھی پالنے والا ہے تو اُسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے

(52) پس جب عیسیٰ نے اُن کی طرف سے کفر محسوس فرمایا تو اعلان کیا کون ہے اللہ کی طرف میرا مددگار؟ حواریوں نے کہا ہم ہیں اللہ کے لیے مددگار، ایمان جو لائے ہم اللہ پر اور گواہ ہو جائیو کہ ہم پکے مسلمان ہیں

(53) پروردگار ہمارے! ہم ایمان لائے اس پر جو بھی تو نے نازل فرمایا اور ہم فرمابردار بن گئے رسول کے سو ہمیں شہادت اُٹھانے والوں میں رکھ لیجیے

مفردات

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾

''اور میں تصدیق کرنے والا بن کر آیا ہوں جو کچھ کہ مجھ سے پہلے تورات میں آیا اور اس لیے کہ میں حلال کردوں تمہارے بعض اس کو جو تم پر حرام کردیا گیا تھا اور آیا ہوں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے عظیم نشانی لے کر سو ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو''۔

علامہ فخر الدین رازی نے عیسیٰ علیہ السلام کے مصدق ہونے سے مراد تورات کا تصدیق کنندہ ہونا لیا ہے اور اس بات کی صراحت بھی کی کہ ہر نبی پر لازم ہے کہ وہ تمام انبیاء کا مصدق ہو۔ اس نقطۂ نظر سے عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ضروری تھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق کرتے اور تورات کے بھی مصدق ہوتے (201)۔

آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا دوسرا مقصد یہ بیان ہوا کہ وہ چند وہ چیزیں جو تورات میں حرام تھیں انہیں حلال قرار دیں اور یہ تورات کی تصدیق کے منافی نہیں۔ یہ بھی ہے کہ بعض علماء نے لکھا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے وہی احکام چلائے جو دین موسیٰ علیہ السلام میں موجود تھے (202)۔

تیسری چیز معجزات کے ساتھ مبعوث ہونا مکرر بیان ہوا اور اس کے بعد آیت کا عمود قارئین کے سامنے رکھ دیا گیا:

- پہلا حکم یہ تھا کہ اللہ سے ڈرو یقیناً یہاں تقویٰ سے مراد تمام اصول اور فروع کا تسلیم کرن ہے۔
- اور دوسرا حکم یہ تھا کہ میری اطاعت کرو۔ ذہن میں رہے کہ آسمانی دین جتنے بھی ہوتے ہیں ان میں رسولوں کی اطاعت مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا زمانہ قریب تھا اس لیے مزاج سازی کی جارہی ہے کہ آسمانی ادیان کے ماننے والوں کے لیے کتب، معجزات کا ماننا کتنا ضروری ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾

''بے شک اللہ میرا بھی پالنے والا ہے اور تمہارا بھی پالنے والا ہے تو اُسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے''۔

اللہ تعالیٰ کو اپنا ربّ، حاکم اور پروردگار تسلیم کرنا دانائی اور حکمت کا فضیلت مآب اور روشن نشان ہے بلکہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ فہم ہی اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمت ہے۔ انسان انسان کی بندگی کرے یہ تو

وَ: اور
مُصَدِّقًا: تصدیق کنندہ
لِّمَا: واسطے اس کے
بَيْنَ: سامنے
يَدَيَّ: میرے ہاتھوں کے
مِنَ: سے
التَّوْرٰىةِ: تورات
وَلِاُحِلَّ: اور تاکہ میں حلال کروں
لَكُمْ: تمہارے لیے
بَعْضَ: بعض
الَّذِيْ: وہ جو
حُرِّمَ: حرام کردیا گیا
عَلَيْكُمْ: تم پر
وَجِئْتُكُمْ: اور آیا ہوں تمہارے پاس
بِاٰيَةٍ: نشانی کے ساتھ
مِّنْ رَّبِّكُمْ: تمہارے ربّ کی طرف سے
فَاتَّقُوا: سو ڈرو
اللّٰهَ: اللہ سے
وَاَطِيْعُوْنِ: اور میری اطاعت کرو
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
رَبِّيْ: میرا ربّ، میرا پروردگار، میرا پالن ہار
وَرَبُّكُمْ: اور تمہارا پروردگار
فَاعْبُدُوْهُ: سو اُسی کی تم عبادت کرو
هٰذَا: یہ ہے
صِرَاطٌ: راستہ
مُّسْتَقِيْمٌ: سیدھا

غیر پسندیدہ اور غیر مستحسن ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت کی پہچان باوقار ہونے کی زبردست دلیل ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اس جملہ کا اظہار خشوع کی علامت اور عبودیت کا اعتراف تاکہ آپ کے بارے میں لوگوں میں مروج من گھڑت اور باطل عقیدوں کی زبردست تردید ہو جائے اور عیسیٰ علیہ السلام کا خدا کا بیٹا ہونا یا خدا کا شریک ہونا سب دعووں کی کھلم کھلا تردید ہے۔ اللہ میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے بعد پیغمبرانہ سوچوں کی عکاس دعوت ہے۔

سو تم سب اُسی کی عبادت کرو

عبادت جہاں مقصدِ زندگی کی تکمیل ہے وہاں زندہ تمناؤں اور آرزوؤں کو بیدار رکھنے کا ذریعہ ہے۔ عبادت دل میں طمانیت اور تسکین کا نور پیدا کرتی ہے اور ٹیڑھے راستوں کے خلاف نفرت پیدا کرتی ہے۔ عبادت کے احساس اور اعتماد کے بغیر زندگی بے معنیٰ ہو کر رہ جاتی ہے۔ انہی گوناگوں منفعتوں کا حصول اسی راستہ پر ہو سکتا ہے، اسی لیے تو یہ آیت کہتی ہے کہ عبادت ہی سیدھا راستہ ہے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝۵۲

''پس جب عیسیٰ نے اُن کی طرف سے کفر محسوس فرمایا تو اعلان کیا کون ہے اللہ کی طرف میرا مددگار؟ حواریوں نے کہا ہم ہیں اللہ کے لیے مددگار، ایمان جو لائے ہم اللہ پر اور گواہ ہو جائیو کہ ہم پکے مسلمان ہیں''۔

عیسیٰ علیہ السلام نے جب محسوس فرمایا۔

یہاں احساس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں:

پہلی تعبیر تو یہ ہے کہ لفظ احساس کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے، وہ اس طرح کہ ان لوگوں نے کلمہ کفر کیا اور عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے کانوں سے سنا اور احساس کی دوسری تعبیر یہ ہے کہ وہ لوگ کفر پر بضد تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کا اُنہوں نے پختہ ارادہ کر لیا تھا چونکہ یہ علم یقینی تھا جس میں کوئی شُبہ نہیں تھا، اس لیے یہ علم گویا حواس کے ذریعے حاصل ہوا اور وہ علم جو حواس کے ذریعے حاصل ہوا سے احساس سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی پکار

وہ لوگ جو مکر و حیلہ کے اندھیروں میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت سے بپھر گئے۔ بجائے اس کے کہ وہ اللہ کے نور کی طرف بڑھتے اور صدق و صداقت کو خلوص و تخلص سے قبول کر لیتے،

مفردات

فَلَمَّآ: پھر جب
اَحَسَّ: محسوس کیا
عِيْسٰى: عیسیٰ علیہ السلام نے
مِنْهُمُ: ان سے
الْكُفْرَ: کفر
قَالَ: بولے
مَنْ: کون
اَنْصَارِيْٓ: میرے مددگار ہیں
اِلَى اللّٰهِ: اللہ کی طرف
قَالَ:: عرض کی
الْحَوَارِيُّوْنَ: حواریوں نے
نَحْنُ: ہم
اَنْصَارُ: مددگار
اللّٰهِ: اللہ
اٰمَنَّا: ہم ایمان لائے
بِاللّٰهِ: اللہ پر
وَاشْهَدْ: اور آپ گواہ ہو جائیں
بِاَنَّا: کہ بے شک ہم
مُسْلِمُوْنَ: مسلمان ہیں

عیسیٰ علیہ السلام کے درپے آزار ہو گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے دلیل، برہان اور آیات و معجزات کی قوت کے ساتھ حق و حقیقت ان کے سامنے رکھی لیکن بنی اسرائیل ہی کا ایک ستمگر اور منحرف گروہ پوری طاقت کے ساتھ ڈٹ گیا اور منصوبہ بندیاں کرنے لگ گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا چراغ بجھا دے۔

مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ

پیغمبر کی زبان سے نکلا ہوا جملہ یقین، اعتماد اور کوشش کے نور میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس پکار نے فہم کے دریا کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا: چڑنے والے ڈھیٹ لوگوں کے سمندر میں طغیانی آ گئی لیکن تسلیم و رضا میں ڈوبے ہوئے لوگوں کا سمندر پُرسکون ہو گیا اور عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا مثبت جواب دیا اور ہر قسم کی مدد کے لیے وہ تیار ہو گئے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ وہ حواریین تھے۔ ان کی زبانوں سے نکلا ہوا جملہ استقامت اور عزیمت کا طور محسوس ہو رہا ہے۔ قارئ قرآن کو بار بار اس جملہ کا اعادہ کر کے اپنے ایمان کے دریا میں تلاطم خیزی کا اہتمام کرنا چاہیے۔

حواریین نے کہا:

ہم اللہ کے مددگار ہیں

ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں ''گواہ رہیے''۔

یہ دعویٰ اعتماد و یقین کے ساتھ کیا جا رہا ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔

قرآن مجید کے اس جملہ میں اسلامی اور روحانی زندگی کتنی مجلّٰی اور مصفّٰی دکھائی دے رہی ہے۔ الفاظ کے اسی آئینہ میں آج تمام مسلمانوں کو اپنے ایمان اور اسلام کی حقیقت دیکھ لینی چاہیے:

کیا ہم اللہ کے دین کے ساتھ کھڑے ہیں؟

کیا ہمارے ہاتھوں میں اسلامی نصرت کا جھنڈا پکڑا ہوا ہے؟

کیا ہم اپنے ایمان کے معاملہ میں واقعۃً پُراعتماد ہیں؟

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کیا ہم سوچ رہے ہیں

کہ

ہم مسلمان ہیں؟

کیا ہمارا یہ قول گواہی بن چکا ہے؟

''اِلَی اللّٰہِ'' کے مفہومات

- پہلا معنیٰ تو یہ بنتا ہے۔ میرا کون مددگار ہوگا جب میں اللہ کی طرف جاؤں گا (203)۔

- دوسرا معنیٰ رازی نے یہ لکھا کہ میرا کون مددگار ہوگا یہاں تک کہ میں اللہ کا حکم واضح کردوں اوراس کا دین غالب آجائے۔ یہاں ''اِلَی'' انتہائے غایت کے لیے ہے(204)۔
- تیسرا معنیٰ یہ ہے کہ آیت میں ''اِلَی، مع'' کے معنوں میں استعمال ہورہا ہے البتہ زجاج نے کہا کہ یہاں ''اِلَی'' کو ''مع'' کے معنوں میں لینا درست نہیں۔
- چوتھا معنیٰ یہ ہے کہ کون میرا مددگار ہوگا اس معاملے میں جو اللہ کا قرب اوراس تک پہنچنے کا ذریعہ ہے(205)۔
- پانچواں معنیٰ یہ ہے کہ آیت میں ''اِلَی'' لام کے معنوں میں لیا گیا ہے یعنی اللہ کے لیے میرا مددگار کون ہوگا(206)۔
- چھٹا معنیٰ یہ ہے کہ یہاں ''اِلَی، فی'' کا مفہوم دے رہا ہے یعنی اللہ کی راہ میں میرا مددگار کون ہوگا۔ یہ امام حسن بصری کا قول ہے(207)۔

حواری کون لوگ تھے؟

''حواریین، حواری'' کی جمع ہے اس کا مادہ ''حور'' ہے جس کا معنیٰ دھونا اور سفید کرنا ہوتا ہے۔ تاج نے لکھا کہ ہر سفید چیز کو ''حور'' کہہ دیتے ہیں۔ میدہ کو ''حواری'' کہہ دیا جاتا ہے۔ جنت کی حوروں کو بھی ان کی خوبصورتی کی بنا پر ''حوریہ'' سے تعبیر کردیتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں اور محبّین کو بھی ''حواری'' کہا گیا ہے اس لیے کہ وہ صاف دل، پاکیزہ اور خوبصورت لوگ تھے۔ ان سے جو ملتا اُس کا دل اور کردار بھی صاف ہوجاتا(208)۔

ہماری جد امام رضا کا قول ہے(209):

> ''بعض لوگ کہتے ہیں کہ کپڑے دھونے والے دھوبی عیسیٰ علیہ السلام کے حواریّین تھے۔ ہمارے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی صحبت میں رہنے والے گناہوں سے پاک ہونے اور دوسروں کو بھی پاک کرنے کی وجہ سے حواری کہلاتے تھے''۔

طبرسی نے مجمع البیان میں لکھا(210):

> ''حواری عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سفر کرتے تھے، جب کبھی انہیں بھوک لگتی یا پیاس لگتی اللہ کے حکم سے انہیں غذا اور

پانی مل جاتا۔ وہ پوچھتے ہم سے بھی کوئی افضل ہو سکتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہاں جو اپنے ہاتھ سے کماتا ہو اور اپنی کمائی کھاتا ہو۔ وہ محنت مزدوری کرے اور اجرت لے اور اجرت پر کام کرنا کوئی عار نہیں"۔

فخر الدین رازی کی چار تعبیرات

علامہ فخر الدین رازی نے "حواریین" کے بارے میں چار توضیحات نقل کیں (211):

❁ پہلی توضیح

مچھلی کے شکاریوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر نشانی طلب کی تو آپ نے اپنی صداقت پر معجزہ نمائی فرمائی۔ مچھیروں کا کام بن گیا اور وہ ایمان لے آئے یہی لوگ حواری کہلائے۔

❁ دوسری توضیح

اہل تفسیر نے لکھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے ایک رنگ ریز کے حوالے کیا۔ جب وہ ارادہ کرتا کہ جناب مسیح کو کوئی شئی سکھائے تو آپ اُس سے زیادہ جاننے والے ہوتے۔ رنگریز جب گھر سے باہر جاتا تو عیسیٰ علیہ السلام کو مخصوص علامتوں والے کپڑے سپرد کرتا اور کہتا کہ کپڑوں پر علامتوں کے مطابق رنگ کر دینا۔ عیسیٰ علیہ السلام سارے کپڑوں کو ایک ہی برتن میں ڈال دیتے اور فرماتے: اللہ کے اذن سے میرے ارادہ کے مطابق کپڑو! تیار ہو جاؤ۔ رنگ ریز واپس ہوا تو کپڑوں کا حشر دیکھا تو کہنے لگا تم نے کپڑے برباد کر دیے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا بکھرو مت کپڑے دیکھ لو، اب کوئی سبز، کوئی زرد اور کوئی سرخ رنگ میں تیار تھا۔ رنگ ریز رنگوں میں اعجاز دیکھ کر ایمان لے آیا بعد ازاں یہی لوگ آپ کے حواری کہلائے۔

❁ تیسری تعبیر

یہ لوگ تعداد میں بارہ تھے۔ جب انہیں بھوک اور پیاس لگتی تو عیسیٰ علیہ السلام زمین پر ہاتھ مارتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں غذا فراہم فرما دیتا لیکن آپ سے اجرت پر کام کرنے کی فضیلت سنی اور محنت مزدوری کرنے لگ گئے۔ یہ حواریّین کہلاتے ہیں۔

❁ چوتھی توضیح

اہل علم نے بیان کیا کہ ایک بادشاہ نے کھانا پکایا۔ لوگ وہاں جمع ہو گئے۔ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ایک پیالہ پیش کیا گیا۔ اس پیالہ میں جو خوراک بھی ڈالی جاتی اس میں کمی نہ ہوتی۔

بادشاہ کے سامنے اس معجزہ کا ذکر ہوا تو بادشاہ نے تعارف چاہا۔ آپ نے فرمایا:

''میں عیسیٰ ابن مریم ہوں''۔

بادشاہ نے اپنا ملک اور سلطنت سب کچھ چھوڑ دیا اور آپ کی اطاعت کی راہ لی۔

یہی بادشاہ اور اس کے اقارب عیسیٰ علیہ السلام کے حواری کہلانے لگ گئے۔

قفال کی رائے

مفسر قفال لکھتے ہیں کہ ممکن ہے وہ بارہ آدمی بادشاہ کے قبیلے ہی سے ہوں۔ کچھ مچھلی کے شکاری ہوں اور کچھ دھوبی اور رنگریز ہوں، انہیں جب ایمان حاصل ہو گیا تو مجموعی لحاظ سے وہ سب عیسیٰ علیہ السلام کے معاونین اور حواری بن گئے ہوں (212)۔

فضیلت مآب نقطہ

''حواریین'' کے بارے میں قرآن نے جو کچھ نقل کیا ہے وہ ان قدسی صفت لوگوں کے اعلیٰ کردار، ایمان، تقویٰ اور پاک اور صاف ہونے پر مشتمل ہے، جب کہ متیٰ اور لُوقا انجیلوں نے لکھا کہ وہ غلط لوگ تھے، لغزشیں کرتے تھے، خیانتوں کا ارتکاب کرتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی مخبری بھی انہی میں سے ایک آدمی نے کی۔ دیکھ لیں قرآن مجید اللہ کے بندوں کی عصمت اور ناموس کی کس طرح حفاظت کرتا ہے۔ انجیلوں نے بارہ کے نام یہ لکھے ہیں (213):

1۔ پطرس
2۔ اندریاس
3۔ یعقوب
4۔ یوحنا
5۔ فیلوپس
6۔ برتولوطا
7۔ توما
8۔ متی
9۔ یعقوب ابن حلفا

اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا

10۔ شمعون

11۔ یہودا

12۔ اسخر یوطی (انجیل کے مطابق خیانت کار یہی تھا)۔

حواریّین کے اعترافات

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: میرا کون مددگار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے قرب واتصال کی میٹھی منزل پانے کے لیے آپ کے لہجے میں حکمت تھی، بلاغت تھی، تعمق تھا اور لطیف قرائن تھے لیکن حواریّین نے جواب عرض کرتے ہوئے ''اِلَی'' کی حکمتوں کو ملحوظ خاطر نہ رکھا۔ ایک تو اس جواب سے خلوص کا ترشح ہوتا ہے کہ ہم لوگ تو وہ ہیں کہ پیٹ کے لیے دن سارا مزدوری کرتے رہتے ہیں تو ہمارے لیے اللہ کی مدد کی آواز لگنے پر کوئی مشکل نہیں ہے کہ ہم اس کارِ عظیم کی طرف دوڑ نہ پڑیں۔ دوسرا یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام مرشد تھے اور حواریّین مریدین تھے۔ منطق وعقل اور حکمت ومصلحت دیکھنا مرشدوں کا کام ہوتا ہے۔ مریدوں کا کام وفورِ عشق سے اتباع کرنا ہوتا ہے۔ یہاں حواریّین کی لبیک میں اطاعت، عشق کیشی اور افراط تفریط سے بچنے کی احتیاط مشاہدہ کی جاسکتی ہے۔

''اٰمَنَّا بِاللّٰهِ'' **ہم ایمان لائے اللہ پر**

یہ جملہ بدو قسم کے عقیدہ بازوں کے لیے یقین کا اظہار ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہماری مدد اللہ کو محتاج سمجھ کر ہو رہی ہے۔ ہمارا ایمان اللہ پر ہے۔ ہمیں معلوم ہے اس قسم کی آوازیں آزمائش اور امتحان کے لیے ہوتی ہیں اور ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں یقیناً اُس کی مدد کے بغیر ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

تیسری چیز عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے ایمان کا گواہ بنانا ہے۔ یقیناً نبی کی گواہی اپنے اُمتی کے بارے میں ایمان کی قبولیت کی گواہی ہوتی ہے اس لیے حواریّین نے پوری توجہ اور خلوص سے عیسیٰ علیہ السلام کی گواہی کو اپنے لیے نجات کی سند جانا۔

چوتھی چیز برملا اس امر کا اظہار ہے کہ بے شک ہم مسلمان ہیں۔ جس دور میں کفر و باطل کے ہم نوا اسلام کی سیڑھیوں پر ناگوں کی طرح کنڈل مار کر لٹک جائیں اس دور میں یہ کہنا بہت دشوار ہوتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں، دوزخ کی آگ تو برف میں بھی سلگ جاتی ہے۔ عشرتیں اذیتیں بن جاتی ہیں۔ مشکلات بدنوں کو جکڑ لیتی ہیں۔ حالات کی زلزلہ سامانیاں جب گرم رو ہو جاتی ہیں تو پھر کوئی کوئی ہی کہتا ہے کہ:

گواہ ہو جاؤ

مفردات

بے شک ہم
کوئی مغالطے میں نہ رہے
ہم مسلمان ہیں
ہم مسلمان ہیں
ہم مسلمان ہیں
ہمارے ایمان کا گواہ رسولِ معظم ہے
اسلام اور ایمان نے ہمارے اندر کو
اتنا کھلا اور وسیع کر دیا ہے کہ گہرے سمندروں کی تمنائیں
ہمارے ایمان اور اسلام کے سامنے ہیچ ہیں۔
آیت میں یہ جملہ بڑا ہی لطیف ہے:
حواریّین نے عرض کی!
ہماری مدد یں اللہ کے لیے ہیں
اس لیے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں
گواہ رہیے
تحقیق ہم اسلام والے ہیں۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

''پروردگار ہمارے! ہم ایمان لائے اس پر جو بھی تو نے نازل فرمایا اور ہم فرمانبردار بن گئے رسول کے سو ہمیں شہادت اُٹھانے والوں میں رکھ لیجیے''۔

رَبَّنَآ: پروردگار ہمارے
اٰمَنَّا: ہم ایمان لائے
بِمَآ: ساتھ اُس کے
اَنْزَلْتَ: جو تو نے اُتارا
وَاتَّبَعْنَا: اور اتباع کی ہم نے
الرَّسُوْلَ: رسول معظم کی
فَاكْتُبْنَا: سو تو لکھ لے ہمیں
مَعَ: ساتھ
الشّٰهِدِيْنَ: گواہوں کے، شاہدین کے

حواریّین کے جذبۂ فدویت کو قرآن حکیم بیان کر رہا ہے۔ پہلے تو انہوں نے حضرت مسیح کو اپنے ایمان پر گواہ ٹھہرایا اور اپنے مسلم اور وفادار ہونے کی گواہی قائم کی، پھر ان کی زبان سے والہانہ اپنے پروردگار کے حریم محبت میں دعائیہ جملے نکلے۔ اظہار ایمان ہوا اور رسول کی اتباع کا اقرار ہوا اور اس تمنا کو ان کی تڑپتی زبانوں سے صدا ملی کہ ان کو حق کی شہادت دینے والوں میں لکھا جائے۔

قرآن مجید کے اس دعائیہ اسلوب میں آیت سے یہ تفصیل سامنے آگئی کہ حواریّین اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اللہ کے انصار میں ہونے کے معانی کیا ہیں اور یہ اجمال کس وادیٔ وفا میں چلنے کے لیے تیار کر رہا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اللہ کے انصار ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اللہ پر صدق دل سے

ایمان لایا جائے۔اس کے احکام پر عمل پیرا ہوا جائے اور اُس نے جو کچھ اتارا ہے اُسے من وعن تسلیم کیا جائے اور اس کے بھیجے ہوئے رسول کی من کل الوجوہ پیروی کی جائے اور قول وعمل سے یہ شہادت فراہم کی جائے کہ ان کی زندگی اور موت کا مقصد ہی تسلیم ووفا ہے۔

آیت کا آخری حصہ ایمان وتسلیم کی راہ چلنے والوں کا روحانی ذوق اور ایمانی استحکام قارئین قرآن کے سامنے لا رہا ہے کہ انہیں شاہدین میں شامل ہونے کی آرزو اور تمنا حاصل تھی۔امام فخر الدین رازی نے لکھا شہادت علم کا واقعی اور وقوعی اظہار ہوتا ہے اسی لیے تو اصحاب علم کی گواہی کو اللہ نے اپنی گواہی کے ساتھ جوڑا ہے۔اس فضیلت مآب مقام کی آرزو ہر ذی فضیلت کو حاصل ہوتی ہے(214)۔

حدیث جبرائیل یہ بتاتی ہے کہ عبادت میں سب سے بلند درجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان غیبت سے نکل کر حضوری میں آجائے،اس مقام کو مشاہدہ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔آیت میں اس حضوری اور مشاہدہ کو ایک روحانی منزل قرار دے دیا گیا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو شاہدین ہونے کی یہی منزل حاصل تھی جس کی تمنا عیسیٰ علیہ السلام کے حواریّین کر رہے تھے۔

علامہ فخر الدین رازی نے یہ بھی لکھا(215) جو شخص شہودِ حق کے مقام پر پہنچ جائے تو پھر وہ تکالیف اور مصائب کی پرواہ نہیں کرتا،حواریّین نے جب عیسیٰ علیہ السلام کی معیت میں رضا کی منزل کا مسافر بن جانا قبول کر لیا تو پھر قدم قدم پر ان کے دل کی دھڑکنوں سے یہ فریاد نکلنے لگ گئی کہ اے اللہ! ہمیں اپنی بارگاہ کا شہود نصیب فرما تا کہ ہم پیش آنے والی پریشانیوں کو حقیر جانیں اور جدھر شوق سے لگے ہوئے ہیں ادھر ہی انہماک سے لگے رہیں۔

''فَاكۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ'' کا ایک مفہوم مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ قیامت کے دن ان کا شمار حق کی شہادت دینے والوں میں ہو۔یہی شہادت حق کی ذمہ داری ہے جو انبیاء کی اُمتوں پر لازم ہوتی ہے۔نبی ہر قربانی کی آگ سے گزر کر اُمت پر اللہ کے دین کی گواہی دیتا ہے اور نبی کے بعد اُمت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ حق کی گواہی ہر طمع اور ہر خوف سے بے نیاز ہو کر دیں۔اس شہادت کی ضد کتمان حق ہے،جو جرم ہے اور بے وفائی ہے۔آیت وفاؤں،قربانیوں اور حق کے لیے طوفانوں سے ٹکرا جانے کا درس دیتی ہے۔

❁❁❁❁❁

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ ع

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

(54) اور انہوں نے خفیہ چال چلی اور اللہ نے اُس کا مخفی توڑ کیا اور اللہ ہر چال کا بہترین توڑ کرنے والا ہے

(55) یاد کرو جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ! میں ہی تمہیں پوری عمر تک پہنچانے والا اور تجھے اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں اور تجھے صاف ستھرا بچا کر رکھنے والا ہوں کافر لوگوں سے اور بلندی بخشنے والا ہوں تیری پیروی کرنے والوں کو تیرے منکروں پر قیامت کے دن تک کے لیے پھر تم سب کا لوٹنا میری طرف ہوگا تو میں فیصلہ کر دوں گا تمہارے درمیان ان تمام باتوں کا جن میں تم اختلاف کرتے تھے

(56) پس وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تو میں اُنہیں دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور اُن کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا

مفردات

وَ: اور
مَكَرُوْا: اُنہوں نے ترکیب گھڑی
وَ: اور
مَكَرَ: تدبیر کی
اللّٰهُ: اللہ نے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
خَيْرُ: بہتر
الْمٰكِرِيْنَ: تدبیر بنانے والے

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝۵۴

''اور انہوں نے خفیہ چال چلی اور اللہ نے اُس کا مخفی توڑ کیا اور اللہ ہر چال کا بہترین توڑ کرنے والا ہے''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں یہودیوں کی ان تمام مخفی سازشوں کی طرف لفظ ''مَكَرَ'' سے اشارہ کر دیا گیا ہے جو انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی آواز کو دبانے اور آپ کو شہید کرنے کے لیے کیں۔ ان کا اصل مقصد تو دین کی پیش رفت روکنا تھا لیکن اللہ کی تدبیریں سب سازشوں پر غالب آجاتی ہیں۔ یہاں قرآن مجید پڑھتے ہوئے قاریٔ قرآن تھوڑی دیر کے لیے لفظ ''مَكَرَ'' کے ذوجہتی استعمال سے حیرت میں ڈوب جاتا ہے کہ یہودی سازشوں کے لیے جو لفظ لایا گیا ہے وہی لفظ اللہ کی تدبیروں کے لیے استعمال کر دیا گیا۔ زیادہ تر مشکل وہاں بنتی ہے جب ہم لفظوں کے پنجابی یا اردوائی استعمال کو قرآن مجید پر حاوی کر دیتے ہیں۔ اگر ہم ان بے جا قیدوں سے اپنے فہم کو رہائی دلا دیں تو قرآن مجید کی دعوت نکھر کر اپنا کام کر دیتی ہے۔

تفاسیر اور لغت کی کتابوں کو سامنے رکھ کر لفظ ''مَكَرَ'' کی حقیقت قرآن مجید پڑھنے والوں کے سامنے لائی جاتی ہے:

مکر ہر طرح کی چارہ جوئی کے لیے استعمال ہو جانے والا لفظ ہے۔

زبیدی حنفی لکھتے ہیں کہ ''مکرہ'' وہ کھجور ہوتی ہے جو نظر پکی ہوئی آئے لیکن اس کے اندر مٹھاس نہ ہو(216)۔

وہ عورت جس کی پنڈلیاں موٹی موٹی اور دیدہ زیب ہوں لیکن وہ نکاح کے قابل نہ ہو اُسے ''ممکورہ'' کہہ دیتے ہیں(217)۔

لسان نے لکھا کہ ''تمکیر'' کا مطلب اناج کو گھر میں ذخیرہ کر لینا ہوتا ہے(218)۔

''ارض الماکرہ'' اُس زمین کو کہا گیا ہے جس کے درخت اُگے ایک جگہ ہوں لیکن پانی دوسرے کی زمین کا چوس لیں(219)۔

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا کہ ''مَكَرَ'' یہ ہے کہ کسی کو اُس کے مقصد سے ہٹا دیا جائے اس سے قطع نظر کہ اُس کا مقصد اچھا ہو یا بُرا ہو(220)۔

علامہ ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں(221) کہ قرآن مجید میں یہ لفظ کبھی تو خیر کے ساتھ لایا گیا ہے جیسے ''وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ'' اور کبھی یہ لفظ سیّئ یعنی برائی اور مذموم معنوں میں بھی لایا گیا ہے جیسے:

وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (فاطر:43)

''مکروفریب کا وبال تو چالبازیاں کرنے والوں پر ہی تھوپا جاتا ہے''۔

''مکران'' ایک علاقے کا نام ہے یہ عرب میں بھی ہے اور پاکستان میں بھی ہے۔تاج نے لکھا کہ یہ ایسا علاقہ ہوتا ہے، جس میں چھوٹے بڑے لوگ ایک ہی طرح کی زندگی گزارتے ہوں چونکہ ان کے رہنے سہنے سے ان کی حقیقت نہیں جانی جاتی اس لیے ایسے علاقے کو ''مکران'' کہہ دیتے ہیں (222)۔

''مکوری'' کا معنیٰ چکری آدمی ہوتا ہے۔کنزالایمان میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مَکْرَ'' کو مذموم اور محمود دونوں معنوں میں لیا ہے، جہاں اس کی نسبت اللہ کی طرف ہوئی ہے وہاں ''خفیہ تدبیر'' ترجمہ کیا گیا ہے(223)۔

''امکار الارض'' زمین میں ہل چلانا ہوتا ہے چونکہ زمین بعض بیج پیدا کرتی ہے اور بعض بیج پیدا نہیں کرتی اس کے لیے ''امکار'' لفظ استعمال ہوجاتا ہے(224)۔

تفسیر ثعلبی نے لکھا ہے کہ ''مکر الیل'' کا مطلب رات کے اندھیرے ہوتے ہیں اس لیے کسی مخفی چیز کے لیے ''مَکْرَ'' لفظ استعمال ہوجاتا ہے(225)۔

علامہ بلاغی نے لکھا کہ ''مَکْرَ'' لفظ میں ذم کا پہلو غلط استعمال کی وجہ سے ہے۔کم از کم قرآن حکیم کے بارے میں بلاغی کی یہ تحقیق درست نہیں (226)۔

تہذیب اللغہ نے لکھا کہ ''مَکْرَ'' کا معنیٰ ''مداجات'' ہوتا ہے یعنی دشمنی کو چھپالینا اور انتقام سے آگاہ نہ ہونے دینا(227)۔

آیت میں زور ''وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ'' پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی حفاظت اور اس کے دین کی پیش رفت کے لیے محکم تدبیر فرمائی اسی معنیٰ پر کفایت کرنا مناسب ہے۔

واللہ اعلم

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

''یاد کرو جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ! میں ہی تمہیں پوری عمر تک پہنچانے والا اور تجھے اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں اور تجھے صاف ستھرا بچا کر رکھنے والا ہوں کافر لوگوں سے اور بلندی بخشنے والا ہوں تیری پیروی کرنے والوں کو تیرے منکروں پر قیامت کے دن تک کے لیے پھر

مفردات

اِذْ: جب
قَالَ: کہا
اللّٰهُ: اللہ نے
يٰعِيْسٰٓى: اے عیسیٰ
اِنِّيْ: بے شک میں
مُتَوَفِّيْكَ: تمہیں روح اور بدن، سمیت اٹھانے لگا ہوں
وَرَافِعُكَ: اور اونچا اٹھانے لگا ہوں
اِلَيَّ: اپنی طرف
وَمُطَهِّرُكَ: اور پاک کرنے والا ہوں تجھے
مِنَ: سے
الَّذِيْنَ: ان لوگوں سے
كَفَرُوْا: جنہوں نے کفر کیا
وَجَاعِلُ: اور بنانے والا ہوں
الَّذِيْنَ: وہ لوگ
اتَّبَعُوْكَ: جو تیری اتباع کرتے رہے
فَوْقَ: اوپر
الَّذِيْنَ: لوگ جو
كَفَرُوْٓا: کفر کرتے رہے
اِلٰى: کی طرف
يَوْمِ: دن
الْقِيٰمَةِ: قیامت
ثُمَّ: پھر
اِلَيَّ: میری طرف
مَرْجِعُكُمْ: تم سب نے لوٹنا ہے
فَاَحْكُمُ: سو فیصلہ کروں گا میں

مفردات

بَيۡنَكُمۡ: تمہارے درمیان
فِيۡمَا: جس میں
كُنۡتُمۡ: تھے تم
فِيۡهِ: اس میں
تَخۡتَلِفُوۡنَ: اختلاف کرتے

تم سب کا لوٹنا میری طرف ہوگا تو میں فیصلہ کردوں گا تمہارے درمیان ان تمام باتوں کا جن میں تم اختلاف کرتے تھے''۔

آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کے لیے جناب باری سے انعامات کا اعلان ہو رہا ہے، اسلوب گہرا عمیق اور حقائق افزا ہے۔ یہودیوں کی دائمی پستی کا اعلان ان کی تمکیرات ذہنی اور مخدعات عملی کی وجہ سے کیا جا رہا ہے۔ آیت یہودیوں کی مکروہ سازشوں کی ناکامی کا اعلان کرتی ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو ہلاک کرنا چاہتے تھے لیکن ہم نے انہیں زندہ محفوظ اپنی طرف اٹھا لیا۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یہ آیت عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر دلالت نہیں کرتی ''مُتَوَفِّيۡكَ'' وفات سے ہے جس کا معنیٰ ہاتھ سے نکل جانا ہوتا ہے اور وفا کا معنیٰ پورا کرنا اور تکمیل تک پہنچانا ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ مدت کا پورا ہونا مراد لیا جائے گا یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا ایک وقت متعین تھا۔ جب وہ پورا ہو گیا تو آپ کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا۔ وفات کا مفہوم سمجھنے میں قرآن مجید کی ایک دوسری آیت مدد کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (228):

وَهُوَ الَّذِىۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ بِالَّيۡلِ وَيَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّهَارِ

''وہی اللہ جو رات کے وقت تمہیں پورے کا پورا لے لیتا ہے اور جو کچھ تم دن کو کرتے ہو اُسے بھی وہ جانتا ہے''۔

سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر ارشاد فرما دیا (229):

وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ وَلٰـكِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ

''ان لوگوں نے نہ تو انہیں قتل کیا اور نہ سولی چڑھایا بلکہ دوسرے کو ان کے لیے مشابہ بنا دیا گیا''۔

قرآن مجید کے یہ الفاظ مزید تصریح کر دیتے ہیں (230):

وَمَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًا ۙ﴿۱۵۷﴾ بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ

''اور انہوں نے (عیسیٰ) کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اُٹھا لیا''۔

قرآن مجید کی یہ آیت بیان بنتا ہے سورۂ آل عمران کی آیت کا، اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اپنی طرف اُٹھا لیا اور سورۂ آل عمران میں بھی ''رَافِعُكَ'' کے الفاظ اسی پر دلالت کرتے ہیں۔

سورۂ نساء کی ایک دوسری آیت نفس معاملہ کو اور واضح کر دیتی ہے (231):

وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ

''اور اہل کتاب میں سے کوئی نہیں بچے گا مگر عیسیٰ پر اس کی موت سے پہلے ایمان لائے گا''۔

تمام اہل کتاب کے مسلمان ہونے سے پہلے یہ آیت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کی نفی کرتی ہے۔

مفردات

وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اس جملہ میں عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ایک اور نعمت کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے عیسیٰ! وہ لوگ جو کافر ہیں میں تمہیں ان سے پاک اور پاکیزہ رکھوں گا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ وہ لوگ جو گندے ہیں اور خبیث افکار نے انہیں غلاظت میں لپیٹ رکھا ہے۔ ان کی ذہنی گندگی آپ کے خلاف سازشیں بنتی رہتی ہے۔ میں تمہیں ان سے نجات دوں گا، وہ لئیم و ذلیل تو تہمتوں کے ذریعہ آپ کو پسپا کرنے کی کوشش کریں گے لیکن میں تمہیں صاف رکھوں گا یعنی ان کی کوئی تہمت اور سازش اثر نہیں رکھے گی اور تمہیں آلودہ ماحول سے نکال کر آسمان پر اپنی حفاظت میں لے آؤں گا۔

اگلا جملہ تسکین اور اطمینان کا پیغام ہے کہ میں تیری اتباع کرنے والوں کو قیامت تک کے لیے کافروں پر برتری دوں گا۔ یہ ایک بشارت ہے، پیشین گوئی ہے اور تسلی کا پیغام ہے کہ کافر یہودی کبھی بھی تیری پیروی کرنے والوں پر غالب نہیں آسکیں گے۔ عزت اور توقیر کا راستہ صرف مسلمانوں کے پاؤں کے نیچے رہے گا۔ کوئی آدمی یہ سوچے کہ گندگی کے پرچم تلے وہ عزت پا سکے گا۔ ایں خیال است و محال۔ وقار کی راہیں اُسی سمت جاتی ہیں جہاں پیغمبروں کے وجود سے ایمانِ توحید اور ایمانِ رسالت اور ایمانِ اسلام کی روشنیاں پھوٹتی ہیں۔

واللہ اعلم

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

''پس وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تو میں اُنہیں دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور اُن کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا''۔

فَاَمَّا: تو رہے
الَّذِيْنَ: وہ لوگ
كَفَرُوْا: جنہوں نے کفر کیا
فَاُعَذِّبُهُمْ: تو میں انہیں عذاب میں مبتلا کروں گا
عَذَابًا: عذاب
شَدِيْدًا: سخت
فِي الدُّنْيَا: دنیا میں
وَالْاٰخِرَةِ: اور آخرت میں
وَمَا: اور نہیں
لَهُمْ: ان کے لیے
مِّنْ: سے
نّٰصِرِيْنَ: مددگار

آیت ''فَاَمَّا'' سے شروع ہوتی ہے۔ یہاں ''فا'' تفصیلیہ ہے اور ''امّا'' شرطیہ ہے اور ''كَفَرُ'' سے مراد یا تو عام کفر مراد ہے اور یا پھر یہود کا کفر مراد ہے۔ ان لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے منکرین کی بدطینتی کو یہاں کفر سے تعبیر کیا گیا ہو اس لیے کہ عیسائی حضرت مسیح کے بارے میں حد سے تجاوز کر گئے تھے۔ ''فَاُعَذِّبُهُمْ'' میں ''فا'' جزا کی ہے۔ جس کا تعلق ''امّا'' سے ہے اور ''عذاب'' کا دنیا میں دینا ان کا ذلیل ہو کر رہنا ہے اور آخرت میں عذاب سے مراد وہ تمام ذلتیں اور سزائیں ہیں جو عذاب قبر سے شروع ہوں گی اور نار جہنم تک جا پہنچیں گی۔ ''عذاب'' لفظ ''عذب'' سے ماخوذ ہے اس کا لغوی معنیٰ روکنا ہوتا ہے۔ میٹھے پانی کو بھی

''عذب'' اس لیے کہہ دیتے ہیں کہ وہ پیاس کو روکتا ہے۔ سزا کو عذاب سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ جرائم سے روکتی ہے۔ نارِ جہنم بھی ان معنوں میں عذاب ہے کہ وہ لوگوں کو جنت کی نعمتوں سے روک لیتی ہے۔

وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ

یہ ایمان، یقین، اعتماد اور تسلیم کا راستہ ہے جس پر قدم قدم پر بندہ مددگاروں کے حصار میں ہوتا ہے۔ جس وقت کوئی شخص اس راستہ سے ہٹ کر کفر، انکار، ڈھٹائی، انحراف اور اضلال کی راہ چلنے لگ جاتا ہے تو اُس سے ہر قسم کی مدد واپس لے لی جاتی ہے۔ کافرین، ملحدین اور منکرین یقیناً محروم لوگ ہوتے ہیں اور ان کی محرومی کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ دنیا میں مشاکل، سختیاں اور ذلتیں ان کی پستی، کم ظرفی اور محرومی کی علامت اور شناخت ہو جاتی ہیں اور آخرت کی منزل اگرچہ پردۂ غیب میں ہے لیکن عالم الغیب ہستی اس کے سخت عذاب سے پردہ ہٹا رہی ہے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا
يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾
ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾
اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ
كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾
اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾

(57) اور رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے رہے تو ان کی جزائیں پوری کی پوری دی جائیں گی اور اللہ ظلم کرنے والوں کو تو پسند ہی نہیں کرتا

(58) یہ ہیں چند آیتیں اور حکمت بھری نصیحتیں جو ہم تمہیں پڑھ کر سنا رہے ہیں

(59) بے شک مثال عیسیٰ کی اللہ کے نزدیک آدم کی مثال کی سی ہے اسے مٹی سے پیدا کیا پھر فرمایا اسے ہو جا تو فوراً وہ ہو گیا

(60) یہ حق ہے تمہارے ربّ کی طرف سے تو (اے سننے والے) تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جا

مفردات

وَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۵۷﴾

''اور رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے رہے تو ان کی جزائیں پوری کی پوری دی جائیں گی اور اللہ ظلم کرنے والوں کو تو پسند ہی نہیں کرتا''۔

قرآن مجید بنیادی طور پر کتاب دعوت ہے۔ اس میں ذہنوں کی تربیت ایمان وتسلیم کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔ اس آیت میں ایمان اور عمل صالح پر جزا اور اجر کی بات کی گئی ہے اور انداز اور اسلوب میں ایک قسم کی تلخیص دعوت ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے انبیاء اور ان کی دعوت کو مان لیا ہے، معجزات پر ایمان لے آئے ہیں خصوصاً عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں احتیاط کی روش اختیار کی ہے، نہ تو وہ نبوت کے باغی ہوئے ہیں اور نہ ہی انہیں اللہ کا شریک ٹھہرایا ہے۔ اللہ کے کہنے پر ان کا زندہ اٹھائے جانے پر ایمان ہے۔ قیامت سے پہلے وہ ان کے ہبوط ونزول کو مان گئے ہیں اور صرف یہی نہیں اپنی عملی زندگی مضبوط کی ہے۔ ہر حکم کو دل وجان سے تسلیم کیا ہے۔ انہیں انصاف ملے گا اور انصاف بھی اس قدر لطیف اور باریک ہوگا کہ بال برابر بے انصافی نہیں ہوگی۔ اجور میں ذرہ برابر کمی بیشی نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ وہ پسند ہی عدل اور انصاف والوں کو کرتا ہے۔ ظالم لوگ تو اُسے بھاتے ہی نہیں۔ لوگوں نے خود ہی صغرے کبرے ملا کر نتیجے بنائے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ قطعیت ہے، اس کا فیصلہ اٹل ہے اور اس کی باتیں واشگاف ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ ''الظّٰلِمِيۡنَ'' لفظ سے اشارہ یہودیوں کی طرف ہے اور ایمان وصالح کی نسبت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص پیروکاروں کی طرف ہے لیکن جب بارانِ رحمت برستی ہے تو وہ کسی ایک سرزمین کو تھوڑا ہی دھوتی ہے۔ یہاں بھی رحمٰن کی رحمت برسی ہے۔ سو اس کا تعلق ہر ایمان والے عملی مسلمان جو انصاف کی فیض گستری پر یقین پر قائم ہے، کے ساتھ ہے۔ حق وانصاف کا راستہ تو یہی ہے۔

ذٰلِكَ نَتۡلُوۡهُ عَلَيۡكَ مِنَ الۡاٰيٰتِ وَالذِّكۡرِ الۡحَكِيۡمِ ﴿۵۸﴾

''یہ ہیں چند آیتیں اور حکمت بھری نصیحتیں جو ہم تمہیں پڑھ کر سنا رہے ہیں''۔

''ذٰلِكَ'' سے اشارہ ان تمام احوال، واقعات، آیات، معجزات کی طرف ہے، جو عیسیٰ علیہ السلام اور بی بی مریم کی کفالت وتربیت کے ضمن میں سورۂ آل عمران میں بیان ہوئے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ بیانات اور حقائق ہم نے آپ کو بتائے اس سے صداقت محمدیہ اور فضلیت احمدیہ کو قرآن کے پڑھنے والوں کے

وَاَمَّا: اور رہے جو
الَّذِيۡنَ: جو لوگ
اٰمَنُوۡا: ایمان لائے
وَعَمِلُوا: اور عمل کیے
الصّٰلِحٰتِ: اچھے اور بہتر
فَيُوَفِّيۡهِمۡ: تو وہ پورے کا پورا دے گا انہیں
اُجُوۡرَهُمۡ: ان کے اجر
وَاللّٰهُ: اور اللہ
لَا يُحِبُّ: پسند نہیں کرتا
الظّٰلِمِيۡنَ: ظلم کرنے والوں کو

ذٰلِكَ: وہ بمعنی یہ
نَتۡلُوۡهُ: پڑھ سناتے ہیں
عَلَيۡكَ: آپ پر
مِنَ: سے
الۡاٰيٰتِ: نشانیاں، حکمت بھری نصیحتیں، آیتیں
وَالذِّكۡرِ: اور ذکر
الۡحَكِيۡمِ: حکمتوں سے لبریز

سامنے لانا ہے اور لسان نبوت کو خزائن علمیہ ماسبق کا امین قرار دینا ہے کہ یہ من گھڑت کہانیاں نہیں بلکہ ابواب ہدایت کی تکمیل کا محمدی اعلان ہیں۔ ''نَتْلُوْهُ'' کے لفظ میں احترام اور فضیلت کی ہر خوشبو قرآن نے سمودی، یہی قرآنی اسلوب ہے جو اسے باقی کتابوں سے ممتاز اور منفرد بنا دیتا ہے۔ حقیقت مسیح علیہ السلام کو جس طرح امم سابقہ نے مسخ کیا وہ تاریخ مذہب سے آگاہ شخص خوب جانتا ہے۔ یہاں قرآن مجید کا ''تلاوت لفظ'' سبحان اللہ عیسیٰ علیہ السلام کی باتوں کو موتیوں کی کتاب بنا دیتا ہے، خصوصاً جب یہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لبوں سے ادا ہوتے ہوں گے تو فضیلت کی خوشبوئیں کہاں سے کہاں تک پہنچتی ہوں گی اور پیغمبرانہ سیرتوں کے نقوش کس آب وتاب کے ساتھ جھلملاتے ہوں گے۔ قرآن نے پوری کریمی کے ساتھ اظہار کر دیا کہ محبوب باتیں تو پرانی ہیں لیکن اللہ نے کس طرح نئے سرے سے آپ کی زبان سے انہیں آشکار کر دیا۔ کتنا جمالیاتی منظر قاریٔ قرآن کے سامنے آجاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کی خبریں دیتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بے عیب، سچے، عظیم اور اعجازت مآب ہونے کی تصدیق کرتے رہے۔

قرآن مجید کی اس آیت میں ''الذِّكْرِ الْحَكِيْمِ'' سے مراد قرآن مجید اور اس کی محکم موعظت ہے۔ اکثر مفسرین نے یہی لکھا اور یہ بھی کہا گیا کہ اشارہ لوح محفوظ کی طرف ہے (232)۔

آیت میں ''عَلَيْكَ'' کا ترکیب میں اپنا ہی جمالیاتی مزا ہے۔ ہر وہ چیز جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہو جائے وہ زمین بھی ہو تو آسمان بن جاتی ہے، مخفی بھی ہو تو آشکار ہو جاتی ہے، دھیمی بھی ہو تو جہر ہو جاتی ہے بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے عرشی جلوے زمین پر فصلیں بن کر نسبت حضوری سے لہلہانے لگ جاتے ہیں۔

واللہ اعلم

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾

''بے شک مثال عیسیٰ کی اللہ کے نزدیک آدم کی مثال کی سی ہے اسے مٹی سے پیدا کیا پھر فرمایا اسے ہو جا تو فوراً وہ ہو گیا''۔

تفسیر بغوی میں ہے کہ اس آیت کا نزول نجران کے وفد کے بارے میں ہوا۔ انہوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی تھی: آپ ہمارے آقا کو گالی کیوں دیتے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں کیا کہتا ہوں جو تمہیں بُرا لگتا ہے'' وہ کہنے لگے کہ آپ انہیں اللہ کا بندہ کہتے ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بے شک وہ اللہ کے بندے، اس کا کلمہ تھے جو عذراء بتول کے شکم میں اللہ نے ڈال

مفردات

اِنَّ: بے شک
مَثَلَ: مثال
عِيْسٰى: عیسیٰ
عِنْدَ: نزدیک
اللّٰهِ: اللہ
كَمَثَلِ: جیسے مثال ہوتی ہے
اٰدَمَ: آدم
خَلَقَهٗ: اُسے اللہ نے پیدا کیا
مِنْ: سے
تُرَابٍ: مٹی
ثُمَّ: پھر
قَالَ: فرمایا
لَهٗ: اُس سے
كُنْ: ہو جا
فَيَكُوْنُ: سو وہ ہو گئے

دیا تھا''۔ یہ سن کر انہیں غصہ آ گیا اور کہنے لگ گئے کہ آپ نے کوئی ایسا آدمی دیکھا ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں سمجھایا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم کی سی ہے جیسے آدم کو بغیر ماں اور باپ کے پیدا فرمایا ایسا ہی عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا (233)۔

عیسائی اور یہودی دونوں قومیں ہمیشہ افراط وتفریط کا شکار رہیں۔ اپنے فرضی، مصنوعی اور ناپائیدار خیالات پر یقین افزائی کے لیے طلسماتی ماحول پیدا کرنے کے لیے اسطورے اور خرافات گھڑنے کی مشتاق رہیں۔ یہاں بھی عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے سے انہوں نے فائدہ حاصل کرنے کے لیے نفس زاد باتوں کے غبارے میں ہوا بھرنا چاہی لیکن قرآن مجید کے بلیغ، محکم اور تاثیر سے لبریز اسلوب نے ان کے بحث مباحثوں کو اجاڑ، بنجر اور کانٹوں سے اٹا ہوا صحرا بنا دیا اور سادے سے جملے کے ساتھ دونوں قوموں کی بازیگری کو فنا کر دیا اور توحید کا راز ایک جملے میں سمو دیا ''کن'' سے تمام جہاں تخلیق کرنے والے کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ آدم کو باپ اور ماں دونوں کے بغیر اور عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا۔

تخلیق آدم چونکہ مختلف مراحل رکھتی ہے اس لیے قرآن مجید نے سب مرحلوں کی طرف اشارہ فرما دیا۔

یہاں فرمایا:

خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ (ال عمران:59)

دوسرے مقام پر فرمایا:

خَلَقَ مِنَ الۡمَآءِ بَشَرًا (الفرقان:54)

سورۃ السجدہ میں ارشاد فرمایا:

بَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِيۡنٍ (السجدہ:7)

سورۃ المومنون میں ارشاد فرمایا:

خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِيۡنٍ (المؤمنون:12)

سورۃ الحجر میں فرمایا:

اِنِّىۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ (الحجر:28)

سورۂ انبیاء میں ارشاد ہوا:

خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ عَجَلٍ (انبیاء:37)

سورۃ البلد میں فرمایا:

مفردات

اَلْحَقُّ: حق
مِنْ: سے
رَّبِّكَ: تمہارے پروردگار
فَلَا: تو نہ
تَكُنْ: ہوجایئے
مِّنَ: سے
الْمُمْتَرِيْنَ: امترا سے ہے، معنیٰ ہے شک کرنے والے

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ (البلد:4)

تخلیق آدم میں دیگر عناصر بھی استعمال ہوئے چونکہ غلبہ مٹی کا تھا اور اصل بھی وہی تھی اس لیے تراب کہہ دیا (234)۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٦٠﴾

''یہ حق ہے تمہارے ربّ کی طرف سے تو (اے سننے والے) تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہوجا''۔

سید قطب فی ظلال القرآن میں لکھتے ہیں (235):

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے۔ ان کا دل یقین اور اعتماد سے بھرا ہوا تھا۔ آپ کے دل میں نہ شک تھا اور نہ ہی کوئی خلجان تھا۔ وہ قرآن کو منزل من اللہ جانتے تھے اور اسی عقیدہ کا وہ پرچار کرتے تھے۔ ایک لحظہ کے لیے بھی شک کبھی ان کے قریب نہیں آیا''۔

امت مسلمہ جیسے کل سازشوں میں پھنسی ہوئی تھی آج بھی سازشوں کی کالی گھٹاؤں نے اُمت کو گھیر رکھا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اُمت بازیگروں، دھوکہ بازوں اور جھوٹوں کے مقابلہ میں محتاط رہے، اس لیے کہ اُمت کو پھنسانے کے لیے شیاطین نت نیا جال لے کر آتے ہیں۔

آیت میں ضرورت ہے کہ ''امترا'' لفظ پر غور کرلیا جائے، اس لیے کہ ''قرآنیات'' سے مربوط ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ''امترا'' سے بچا جائے۔ پہلے اسے کوئی سمجھے گا تو اس سے بچے گا۔

''امترا'' کی بحث

علامہ زبیدی حنفی نے اس لفظ کا مادہ ''میم، را اور یا'' لکھا ہے (236)۔

راغب اصفہانی نے لفظ کا بنیادی معنیٰ اُونٹنی کے تھنوں کو ہاتھ سے سہلانا لکھا ہے تاکہ اُنٹنی دودھ دینے لگ جائے۔

التحقیق کا مؤلف ''المِریہ'' اور ''المُریہ'' کے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے رقم طراز ہوتا ہے کہ یہ وہ دودھ ہوتا ہے جو تھنوں کو سہلا کر دودھ لیا جائے۔ ''مریہ الفرس'' کا معنیٰ ہوتا ہے وہ چال جو کوڑا وغیرہ کھانے سے گھوڑا نکالے، اس پر قیاسی معنیٰ تردد اور شک کرنے کا لیا گیا ہے۔ مناوی وغیرہ ائمہ نے ''مراء'' کا معنیٰ دوسروں کے کلام میں اظہار خلل کے لیے طعن کرنا لکھا ہے (237) اس سے معلوم

ہوا کہ ''امترا'' کا مفہوم دوسروں کی تحقیر کرنا بھی ہوتا ہے۔ زبیدی حنفی نے ''تتماری'' کا معنیٰ تکذیب کرنا بھی لکھا ہے۔ ان تمام حوالوں سے معانی کی ترتیب یہ بنے گی (238):

1۔ دودھ دوہنا

2۔ تردّد کرنا

3۔ شک کرنا

4۔ جھگڑا کرنا

5۔ دوسروں پر تفوق

6۔ دوسروں کی تحقیر کرنا

7۔ دوسروں کے کلام میں تخلل پیدا کرنا

8۔ سچ کو نظر انداز کرنے کے لیے خالی مدھانی گھمانا

9۔ اداکاری کرنا تاکہ بات سچ کی منزل تک نہ پہنچ سکے

علامہ صاوی نے صحیح لکھا کہ آیت میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے لیکن مراد اُمت ہے (239)۔

❁❁❁❁❁

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ
اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ
نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾
اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٢﴾
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٣﴾ ع

(61) پھر بھی اگر کسی نے آپ سے اس میں حجت بازی کی بعد اس کے کہ آپ کے پاس صحیح علم پہنچا ہے تو ان سے فرما دو اب آجاؤ ہم بلاتے ہیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور ہم اپنے اپنوں اور تمہارے اپنوں کو پھر ہم مباہلہ کرتے ہیں پھر جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجتے ہیں

(62) بے شک یہی بیان سچا، درست اور پکا ہے اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور بے شک اللہ ہی ہے غالب حکمت والا

(63) پس اگر وہ روگردانی کریں تو اللہ بھی بلاشبہ فسادیوں کو خوب جاننے والا ہے

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾

''پھر بھی اگر کسی نے آپ سے اس میں حجت بازی کی بعد اس کے کہ آپ کے پاس صحیح علم پہنچا ہے تو ان سے فرمادو اب آجاؤ ہم بلاتے ہیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور ہم اپنے اپنوں اور تمہارے اپنوں کو پھر ہم مباہلہ کرتے ہیں پھر جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجتے ہیں''۔

آیت کا پس منظر

سلمہ بن عبد یسوع اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں (جو پہلے عیسائی تھے بعد میں مسلمان ہو گئے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل نجران کو دعوت دی تھی جس کے مندرجات یہ تھے کہ یہ خط ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے خدا کے نام سے اللہ کے رسول محمد النبی کی طرف سے رؤساءِ نجران اور وہاں کے رہنے والوں کی طرف ہے کہ اسلام لے آؤ، میں اللہ تعالیٰ کی تمہارے سامنے حمد کرتا ہوں کہ وہ ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کا ربّ ہے۔ میری دعوت تمہارے نام یہ ہے کہ تم مخلوق کی عبادت چھوڑ کر اللہ کی عبادت کی طرف آؤ اگر تم اس معاملہ کو نہیں مانتے تو پھر تمہیں جزیہ دینا ہوگا اور اطاعت گزار بن کر رہنا ہوگا، اگر تم پھر بھی انکاری ہو تو پھر اعلانِ جنگ ہے۔ والسلام

جب یہ سب لوگ جمع ہو گئے تو اسقف نے انہیں یہ خط پڑھ کر سنایا اور پوچھا بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ تو اُن میں سے دانا لوگوں نے کہا کہ شرجیل بن وداعہ ہمدانی، عبداللہ بن شرجیل اصبحی اور جبار بن فیض حارثی کو بطور وفد بھیجا جائے، یہ وہاں سے پختہ سی خبر لائیں۔ اب یہاں سے ایک وفد ان تینوں کی قیادت میں روانہ ہوا۔ مدینہ پہنچ کر انہوں نے سفری لباس اتارا اور منقش لمبے لمبے حُلّے پہن لیے اور انگلیوں میں سونے کی انگوٹھیاں پہن لیں اور اپنی چادروں کے پلے تھامے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کیا لیکن آپ نے جواب نہ دیا، انتظار کرتے رہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلام نہ فرمایا۔ یہ لوگ یہاں سے حضرت عثمان اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے پاس گئے اور سفارش چاہی اور کہنے لگے کہ تمہارے نبی نے خط لکھا اور جب ہم حاضر ہوئے تو سلام کا جواب بھی نہ دیا۔ اب مشورہ دو ہم کیا کریں۔ ان دونوں حضرات نے مشورہ دیا کہ واپس نہ جاؤ بلکہ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے

مفردات

فَمَنْ: پھر جو
حَآجَّكَ: آپ سے جھگڑا بنائے
فِيْهِ: اس میں یعنی اس قصہ میں
مِنْۢ بَعْدِ: بعد سے
مَا: جو
جَآءَكَ: آگیا ہے
مِنَ: سے
الْعِلْمِ: علم
فَقُلْ: تو فرمادو
تَعَالَوْا: آجاؤ
نَدْعُ: بلاتے ہیں ہم
اَبْنَآءَنَا: اپنے بیٹوں کو
وَاَبْنَآءَكُمْ: اور تمہارے بیٹوں کو
وَنِسَآءَنَا: اور ہم اپنی عورتوں کو
وَنِسَآءَكُمْ: اور تمہاری عورتوں کو
وَاَنْفُسَنَا: اور اپنی جانوں کو
وَاَنْفُسَكُمْ: اور تمہاری جانوں کو
ثُمَّ: پھر
نَبْتَهِلْ: التجا کریں ہم
فَنَجْعَلْ: پھر کریں ہم یا پھر ڈالیں ہم
لَّعْنَتَ: لعنت
اللّٰهِ: اللہ کی
عَلَى: پر
الْكٰذِبِيْنَ: جھوٹوں پر

پاس جاؤ وہ تمہاری مناسب رہنمائی کریں گے۔ حضرت صورت واقعی بھانپ گئے اور فرمایا: تم جس لباس اور حُلیے میں رحمت عالم ﷺ کے پاس گئے ہو وہ مناسب نہیں، معمولی لباس پہنو اور حاضری دو، تمہارا کام ہو جائے گا، چنانچہ جب وہ معمولی لباس پہن کر حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے انہیں جواب دیا اور فرمایا: پہلے تمہارے ساتھ ابلیس تھا اب جب تم اس حُلیے میں آئے ہو، تو بات کرلو جو کرنا چاہتے ہو۔ وہ پوچھنے لگے: آپ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ ہم اپنی قوم کو آپ کی باتیں سنا دیں گے اور اس کی ہمیں خوشی ہوگی۔ آپ اللہ کے نبی ہیں، آپ کی زبان سے ہم ان کے بارے میں کچھ سن کر خوش ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آج تو نہیں ایک دن تمہیں یہاں مزید رُکنا ہوگا، وہ لوگ ٹھہر گئے۔ دوسرے دن آپ نے آل عمران کی چند آیات جو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تھیں وہ انہیں سنا دیں خصوصاً زیر تفسیر آیت کے مصداق آپ ﷺ صبح صبح جلوہ افروز ہوئے، حسین چادر میں لپٹے تھے، حسن انگلی تھامے تھے، پیچھے پیچھے فاطمہ بتول تھیں اور ان کے پیچھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تھے۔ پنج تن پاک کا یہ قافلہ ملاعنہ کے لیے میدان میں نکل آیا۔

وفد کے سردار نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ تم جانتے ہو کہ نجران کی ساری وادی میری بات مانتی ہے۔ سنو! یہ شخص اگر اللہ کا نبی ہے تو ملاعنہ کرتے ہی روئے زمین پر ہمارا ایک بال اور ناخن بھی نہیں بچے گا۔ ساتھیوں نے جواب دیا ابو مریم! تو بولو پھر تمہاری رائے کیا ہے؟ اس نے کہا آؤ انہیں ہم حاکم تسلیم کر لیتے ہیں جو یہ حکم دیں ہم تسلیم کر لیتے ہیں یہ کبھی بھی عدل کے خلاف حکم نہیں دیں گے۔ اب جب وہ لوگ متفق الامر ہو گئے تو شرجیل نے عرض کی کہ میں ملاعنت سے زیادہ بہتر چیز آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا وہ کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ آج کا دن، آنے والی رات اور کل کی صبح تک آپ ہمارے بارے میں جو حکم کریں گے وہ ہمیں منظور ہوگا۔ ہمیں امن سے رہنے دے دیں۔

آپ ﷺ نے انہیں ایک تحریر دے دی (240):

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ تحریر اللہ کے نبی اور رسول محمد ﷺ کی طرف سے نجرانیوں کے لیے ہے۔ ان پر اللہ کے رسول کا حکم جاری تھا ہر پھل میں اور ہر زرد، سفید و سیاہ میں اور ہر غلام میں لیکن اللہ کے رسول یہ سب کچھ انہی کو دیتے ہیں۔ یہ لوگ ہر سال دو ہزار حلّے دے دیا کریں۔ ایک ہزار رجب

میں اور ایک ہزار صفر میں۔
پھر اس کے بعد یہ عہد نامہ آپ نے ان لوگوں کے سپرد کر دیا(241)۔

نجرانی لوگوں کا وفد ساٹھ لوگوں پر مشتمل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت مباہلہ تک سورۂ ال عمران کی ساٹھ (60) آیتیں انہیں سنا کر عقیدہ وایمان کی خوب وضاحت فرمادی تھی اور اب آیت نمبر اکسٹھ (61) میں ''مباہلہ'' کا حکم سنا دیا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اسلامی سوچوں کا ایک فکری گلدستہ تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیسائیوں کو ہدیہ کر دیا تھا لیکن وہ لوگ مسلمان نہ ہوئے لیکن امن سے رہنے کا عندیہ انہوں نے دے دیا۔ یوں وہ جزیہ دینے پر راضی ہو گئے۔ نجران کے وفد کے بارے میں روایات بکھری پڑی ہیں، کہیں تقدم ہے اور کہیں تاخر لیکن سب سے ایک بات مترشح ہوتی ہے کہ مباہلہ کا پس منظر اللہ تعالیٰ کی توحید، عیسیٰ علیہ السلام کے مقام اور عقیدۂ تثلیث کی تردید تھی۔ وفد میں شریک لوگوں کے اسماء پر بھی قدرے روایتی تشتت موجود ہے لیکن نکتے کی بات یہ ہے کہ مباہلہ کی آیت تک سورۂ ال عمران نے ہر چیز واضح کر دی ہے۔

آیت کے معنوی عمود

قرآن مجید کی یہ آیت قاریٔ قرآن کے سامنے دو اہم عنوانات لاتی ہے: ایک تو ہے ''**محاجّہ**'' اور دوسرا ہے ''**محاقّہ**''۔ وہ لوگ جو قرآن اور نبوی ہدایت کے چشمہ سے فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔ اُن کی زندگی کا اہم عنوان نقص کو کمال تک پہنچانا ہوتا ہے۔ وہ ربوبیت کے مفہوم سے جب آشنا ہو جاتے ہیں تو استعداد میں برکت لانے کے لیے حق کی تلاش اپنی منزل بنا لیتے ہیں۔ صرف یہی نہیں حق کے غلبہ کے لیے وہ سیماب بن جاتے ہیں۔ اُن کے وجود کا ذرہ ذرہ حق حق میں ڈوب جاتا ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ تاریکی اور بے بصری اور روشنی اور ضیاء کی تفہیم نصیب فرما دیتا ہے، اس قسم کی زندگی کی خوشبو سونگھنے والے ان روایات کا معنیٰ اچھی طرح سمجھتے ہیں ''علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ ہے'' اور ''حق کا آئینہ علی ہیں''۔ اس کنبے اور قبیلے کی یہی خوشبوئیں تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مباہلہ میں اپنے ساتھ چمن حقیقت کے یہی گلہائے سر سبد رکھے۔ بات جب مریم کی کرنی تھی، عیسیٰ علیہ السلام کی کرنی تھی، کفالت اور وکالت کی کرنی تھی اور ولایت اور تسلیم کی کرنی تھی تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو قافلہ ساتھ رکھنا تھا اس میں فاطمہ رضی اللہ عنہا ضرور ہونی چاہیے تھیں، حسن وحسین کے جمال کے مہکتے پھول ضرور بہار کرتے ہوئے دکھائی دینے چاہیے تھے اور پھر یہ کارواں مباہلہ کے لیے جو نکلا تھا تو اراکین وہی

ہونے چاہیے تھے جنہیں ولایت، شہادت اور طہارت کی قرآنی سند حاصل ہو اور جنت کی شہزادگی کا تاج بھی انہی کے سر سجا ہو۔ اب غور کریں کہ ''محاجہ'' کیا ہوتا ہے وہ لوگ جو نبیوں اور رسولوں کے سامنے بھی شرم نہیں کھاتے اپنی ضدوں، ڈھٹائیوں اور جھگڑالو پن کو حق سوزی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ جھونپڑوں میں چھپکلیاں بن کر گھس جاتے ہیں اور محلوں میں مچھر بن کر گھس جاتے ہیں، ان کی شر سے مسجدیں بھی محفوظ نہیں ہوتیں، یہ گونگے بہرے اندھے اپنی ہی انا کے بت پوجوانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیتے ہیں۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ کچھ لوگ حق کا پرچم سرنگوں کرنے کے لیے آج باب نبوت پر چڑھ دوڑے۔ دیکھیے پھر سرکار ابد قرار نے اللہ کے حکم سے کیسا اہتمام مباہلہ فرمایا۔ قرآن کی آیت سے پانچ نوری تصویریں ابھریں۔ دوسری طرف سے اندھیر سائے رعونت لے کر ابھرے۔ ادھر محاجہ تھا ادھر محاقہ تھا، ادھر نور والے تھے، اُدھر نار والے تھے، ادھر حسن والے تھے، اُدھر قبح والے تھے، ادھر قرآن والے تھے، اُدھر سرطان والے تھے۔ گواہیاں یاد کرلو، تصویریں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلی کی تھیں، حسن وحسین کی تھیں اور زہرا بتول سرکار نور کی آنکھوں کا تارا بن کر کفر کے سر پر شہاب ثاقب برسانے کی تیاری کر رہی تھیں۔

آیت کے معنوی عمود زندگی میں قائم کرنے کے لیے یہ آیت بڑا اجمالیاتی سبق دیتی ہے۔ آؤ! ہم جو بھی ہیں اور تم جو بھی ہو آمنے سامنے آجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ جھوٹا شخص کبھی صدق کے سورج پر لعنت نہیں کرسکتا۔ برف کبھی آگ کا مقابلہ نہیں کرسکتی، اندھیرے کبھی سورج سے پنجہ آزمائی نہیں کرسکتے اور بزدل کبھی جھوٹے یزیدوں پر لعنت کی تھوتکار کر نہیں سکتے۔ میں سمجھتا ہوں مباہلہ آدمیوں کا آدمیوں سے نہیں ہوتا، سچ کا جھوٹ سے ہوتا ہے اور سچوں کا جھوٹوں سے ہوتا ہے اور یقین کا شک اور تردّد سے ہوتا ہے۔

آیت کا ایک اور عمود سوال بن کر قاریٔ قرآن کے سامنے آتا ہے کہ پہچان پیدا کریں کہ رسول کے انفس اور نفوس کون ہیں؟ بیٹے اور بیٹیاں کون ہیں؟ ال اور اولاد کون ہیں اور وہ نازک اور رحمتوں کے آبگینے کون اور کدھر ہیں جنہیں ''نِسَآءَنَا'' کہا گیا ہے باقی تحقیق ابن تیمیہ سے کرالیں۔ ایک بات پر اجماع ہے، علی، فاطمہ اور حسن وحسین نبوی چمن کے پھول ہیں۔ کم از کم ان قدسی ہستیوں کی فضیلت و طہارت کو منطق وفلسفہ اور فقاہت وافتا کی حسد وبغض کی ٹھٹھرتی فضا کی نذر نہیں کرنا چاہیے۔ خیریت تفویض وحلیم اور تبریک وتسلیم ہی میں ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

مباھلہ کے لغوی تحقیق

''مباہلہ'' بابِ مفاعلہ ہے۔ اس کا لغوی معنیٰ کسی کو رائے اور ارادہ میں آزاد چھوڑ دینا ہوتا ہے۔ ''ابھل الناقہ'' اُونٹنی کو تھن باندھے بغیر چھوڑ دینا ہوتا ہے، اس لیے تا کہ جس کے جی میں آئے اس کا دودھ دوہ لے۔ کسی جانور کو بغیر مہار کے چھوڑ دینا تا کہ وہ جدھر چاہے چر لے ''استبھلال'' کا مفہوم ائمہ لغت نے لکھا کہ حاکم نے رعایا کو آزاد چھوڑ دیا (242)۔ راغب اصفہانی نے لکھا کسی چیز کو بے توجہ چھوڑ دینا ''ابھل'' ہوتا ہے (243)۔ راغب نے ''ابتھال'' کا معنیٰ دعا میں عاجزی کرنا بھی لکھا ہے۔ ''ابھل'' کا مفہوم کسی چیز میں قلت اور تحقیر کا ہوتا ہے (244)۔ ''مباھلہ'' کا معنیٰ بعض علمائے لغت نے یہ بھی لکھا کہ معاشرہ کو ڈھیلا چھوڑ دینا، نہ کسی کو اپنے معاملہ میں مداخلت کرنے دینا اور نہ کسی کے معاشرے میں دخل دینا یہ ''مباھلہ'' ہوتا ہے (245)۔

معالم التنزیل میں علامہ بغوی لکھتے ہیں: ''ابتھال'' کا معنیٰ لعنت کرنا بھی ہوتا ہے، کہتے ہیں ''علی فلان بھل اللہ'' فلاں پر اللہ کی لعنت ہو (246)۔

علامہ آلوسی نے لکھا کہ ''بھل'' کا مطلب لعنت ہوتا ہے لیکن اصطلاح میں مطلق دعا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے (247)۔

''مباہلہ'' کا اصطلاحی معنیٰ

علمائے شریعت لکھتے ہیں کہ کسی امر میں اگر حق و باطل دو فریقوں کے درمیان نزاع ہو جائے اور وہ نزاع دلائل سے ختم نہ ہو تو اس صورت میں یہ طریقہ استعمال کرنا کہ سب مل کر اللہ سے دعا کریں کہ جو باطل پر ہے اور باطل کی ہم نوائی اس کا عقیدہ ہے اللہ اُس پر وبال، لعنت اور ہلاکت ڈالے، وہ برباد ہو، اس دعا کرنے کو مباہلہ کرنا کہتے ہیں۔ جو جھوٹا ہوتا ہے وہ خمیازہ بھگت لیتا ہے۔ دعا کرنے کی یہ صورت ''مباھلہ'' کہلاتی ہے۔

لیکن قرآن مجید کی یہ آیت

یہ امر پوری طرح کھول دیتی ہے کہ مباہلہ کرنے والوں میں ضروری نہیں کہ دونوں فریق متردّد ہوں۔ یہ پاکیزہ لوگوں کی جماعت جو میدان میں نکلی تھی یہ یقین کی دولت سے مالا مال تھے۔ زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ مباہلہ کا مفہوم یہ سمجھ لیا جائے کہ دو فریق ایک دوسرے سے الگ ہونے کا اعلان کر دیتے ہیں اور معاملہ کی تفویض اللہ کی طرف کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پھر خود احقاق حق کر دیتا ہے اور یوں اہل باطل کے حصہ میں رسوائی آتی ہے۔ سمجھنے کے لائق یہ امر ہوتا ہے کہ رسوائی بھی تباہی ہوتی ہے اور تباہی بھی

رسوائی ہوتی ہے۔عزتیں ساری اہل حق کے لیے ہوتی ہیں اور ذلتیں اور رسوائیاں ہمیشہ ڈھیٹ، منکر اور بے یقین لوگوں کا مقدر بنتی ہیں۔

قاریٔ قرآن!

آیت کا درس اور روحانی ثمر یہ ہے کہ اپنا بیٹھنا اٹھنا، نسبت علاقہ، راہ ورسم اور اطاعت ووفا ہمیشہ حق والوں کے ساتھ رکھو۔ جھگڑالو، وحی اور علم کے ناقدر شناس لوگ تمہاری ایمانی اور روحانی پیاس کبھی بھی نہیں بجھا سکتے۔ یہ شجر زقوم کی طرح چبھتے، جلاتے، کاٹتے ہی رہتے ہیں، یہاں تک کہ انسان لعنت کی دوزخ میں پٹخ دیا جاتا ہے۔

آیت کے روحانی مصادیق

جلال الدین سیوطی نے درالمنثور میں یہ بات براھین سے آراستہ کر کے لکھی ہے کہ آیت میں ''انفسنا'' سے مراد علی اور ان کی فاطمی ذریت ہے اور ''نِسَآءَنَا'' سے مراد فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا ہیں اور ''اَبْنَآءَنَا'' سے مراد حضرت حسن المجتبیٰ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما ہیں (248)۔ فضیلتوں، اوصاف اور کمالات کے ترازو آویزاں کیے بغیر اس حیرت کا اظہار ضرور کیا جاتا ہے کہ اُمت کا اجماع ہے کہ روضہ شریف میں وہ خاکی ذرّے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد منور کو چھو رہے ہیں وہ عرش معلیٰ سے افضل ہیں۔ خاک کے ذرّوں کو تو ہم عرش سے بھی افضل مان لیتے ہیں لیکن جسم منور کے ٹکڑوں کے معاملہ میں عدالت کبھی بھی ہمارے لبوں سے نہیں مہکتی، بہر حال پانچ تن پاک کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ مباہلوں، مقابلوں اور محاققوں میں اسلام کی روحانی طاقت کا مظہر ہیں۔

شب ہجرت کی صبح ابوجہل کو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے یہی بات تو سمجھائی تھی۔ جب انہوں نے کہا تھا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہی سہی چلو علی ہی کو آڑے ہاتھوں لے لو۔

''ابوجہل سمجھ لے

اور

یہ بات پلے باندھ لے اللہ نے مجھے اتنی عقل فرمائی ہے
کہ اگر وہ دنیا کے تمام احمقوں اور پاگلوں میں تقسیم کر دی
جائے تو وہ دنیا کے سب سے بڑے عقلمند بن جائیں اور
اللہ نے مجھے اتنی قوت عطا فرمائی ہے کہ اگر وہ دنیا کے تمام
کمزور افراد میں تقسیم کر دی جائے تو وہ سب قوی اور

مضبوط ہو جائیں اور اللہ نے مجھے اتنی شجاعت دی ہے کہ
وہ دنیا کے تمام بزدلوں میں بانٹی جائے تو وہ شجیع بن
جائیں اور اللہ نے مجھے اتنا حلم دیا ہے کہ دنیا کے تمام کم
ظرفوں میں بانٹ دیا جائے تو وہ سب بردبار ہو جائیں''۔

جس رجل عظیم کو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج اپنے ساتھ رکھا تھا وہ صرف عسکری صفوں کا سپاہی ہی نہیں تھا۔ وہ محمدی روحانی فوج کی قرآنی سند رکھنے والا سالار بھی تھا۔ جس آقا کے غلاموں کا عالم یہ ہو اُن کا اپنا حال کیا ہوگا۔

اور مریم سلام اللہ علیہا کی روحانی عظمتوں اور فضیلتوں کی روشنی افق مدینہ پر آشکار کرنے کے لیے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج فاطمہ کو ساتھ رکھا تھا اور یہ بات کھول دی تھی۔ تقدیس مریم کرنے والو! تقدیس فاطمہ کی تسبیح بھی کرلو، سر محشر اسی روحانی، ملکوتی اور ستاروں سے زیادہ جھلملاتی تصویر کے بارے میں سب کو کہا جائے گا۔ محشر والو! نگاہیں جھکا لو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی پل صراط سے گزر رہی ہے۔ سب کا معنیٰ سب ہی ہوتا ہے، یہ منطق اتنی دشوار تو نہیں جو سمجھ نہ آسکے۔

رہ گیا معاملہ
پیکر جمال حسن المجتبیٰ کا!!!
اور مرقع ملاحت
حسین سید الشہداء کا!!!
تو یاد رکھو!
جو جلوے امتیں بحر و بر میں دیکھتی رہیں
جو کمالات اور اعجاز کے معرکے ارض و سما میں سجتے رہے
اور جو نہضات اور تحریکات فضاؤں ہواؤں میں خوشبوئیں بکھیرتی رہیں
اُن کے لیے ہمارے یہ بچے حسن و حسین کافی ہیں۔ جن کے بچے جنتی سجیلوں کے سردار ہوں گے
ان کے بڑوں اور بزرگوں کا جلوہ کیا ہوگا۔ پانچوں پر درود اور پانچوں پر سلام
نفحات خلود کی مہکتی بہاروں کو مہر و وفا سلام کہتی ہے۔

آیت میں خصوصی معارف

❁ آیت میں ''حَآجَّكَ'' کا لفظ بتاتا ہے کہ وہ لوگ جو حجت باز ہوتے ہیں ان کی اکثریت

ادب سے محروم ہوتی ہے۔ خصوصاً جب اُن کے نزاعی شاخسانے اپنا رخ حق کی آماجگاہوں کی طرف کرلیں تو وہ انتہائی خطرناک ہوتے ہیں۔

- دوسری قابل غور چیز ''اَلْعِلْمِ'' ہے۔ ''اَلْعِلْمِ'' کی قدر ہمیشہ اللہ کا فضلی بندہ کرتا ہے۔ یہ وہ علوم اور معارف ہیں جو وحی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ حجت باز لوگوں کا گروہ اور ہوتا ہے اور العلم کے قدر دانوں کی جماعت اور ہوتی ہے۔ بندے کو اپنا مقام متعین کرنے کے لیے دانائی سے فیصلہ کرنا چاہیے۔
- تیسرا قابل غور نکتہ نسب کا احترام ہے۔ آیت میں ''فَقُلْ'' کہا گیا، ''آپ فرمایئے'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں بزرگوں کی اجازت، اذن اور نسبت کسی کام کی تاثیر اور طاقت بڑھا دیتی ہے۔
- چوتھا قابل صدر غور نکتہ لفظ ''تَعَالَوْا'' ہے (249)۔ یہ لفظ باب تفاعل سے ہے اور اس میں ''علو'' کا مفہوم موجود ہے۔ فرانے اس کا معنیٰ اُوپر اُٹھنے سے کیا ہے، گویا لفظ میں تقاضا یہ ہے کہ ذرا اُونچی جگہ کھڑے ہو کر دیکھو جو تمہیں نیچے سے نظر نہیں آتا وہ اُوپر سے نظر آجائے گا۔ اس میں تین وضاحتیں ہوئیں کہ مباہلہ میں مقابل آنے والوں کو برابر نہ سمجھنا۔ ذرا اونچے ہو کر دیکھو اور اونچے جبھی ہوسکو گے جب تک مدمقابل کا مقام علو سمجھ سکو گے۔ دوسرا یہ ہے کہ آنے کا عزم پختہ کرو، بے نیت آدمی کچھ نہیں پا سکتا اور تیسرا یہ کہ جو بلا رہا ہے وہ بلندی بخش بھی ہے۔
- پانچواں نکتہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل بیت کے ہر عمر کے لوگ اور مرد اور خاتون سب اپنے ساتھ رکھے تاکہ اس قافلے کی طرف بڑھنے والا ہر شخص جو جس طبقے اور عمر میں ہے اُس کی موانست کے لیے ترفیق دینے والے موجود رہیں۔
- چھٹا نکتہ آیت میں ''نَدْعُ'' کا لفظ دعوتی ملاطفت پر دلالت کر رہا ہے کہ جو شخصیت تمہیں بلا رہی ہے اُسے شوق نہیں کہ تم برباد ہو جاؤ بلکہ وہ تو میٹھی اور شیریں دعوت کا اہتمام کر رہا ہے یہ تو تم خود ہو کہ اپنی رسوائی کے عاشق بنے ہوئے ہو۔
- ساتواں نکتہ لطیف تر ہے کہ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنوں کو بلاؤ، ہم اپنے پیاروں کو اور تم اپنے پیاروں کو بلاؤ اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو بلاؤ۔ اس میں یہ حکمت مضمر ہے کہ بعض اوقات خود بندہ خودکشی کر لیتا ہے لیکن اپنی اولاد اور اپنے

پیاروں کا نقصان برداشت نہیں کرسکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے ان کے احساس اور محبت کے تاروں پر حق کا کلام جاری کیا گیا کہ اگر خود اپنا احساس نہیں تو اپنی نسل پر تو رحم کھاؤ اور انہیں بربادی سے بچانے کے لیے حق قبول کرلو۔

- آٹھواں نکتہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیویوں کو لے کر میدان میں نہیں نکلے اپنے جگر کے ٹکڑے کو لے کر نکلے، اشارہ اس طرف کرنا مقصود تھا کہ بیگمات تو کسی دور پر اُسی شاخ پر تھیں جہاں تھیں لیکن جنہیں ساتھ لے کے نکلے ان کا تو خمیر وجود ہی جنت کی پاکیزہ مٹی اور کوثر تسنیم سے گوندھا گیا تھا لیکن اس سے کوئی بیویوں کے مقام کو کم نہ سمجھے، وہ سب حرم رسول میں پہنچ کر سب مومنوں کی ماں بن گئیں۔ ان کی حیات کے تقدس اور نسبت کو بھی سلام۔
- نواں نکتہ یہ ہے کہ لعنت کا مطلب رحمت سے دوری ہوتی ہے گویا جو لعنتی ہوتا ہے اس پر لعنت کرنی نہیں پڑتی وہ ہوتا ہی لعنت کے حصار میں ہے۔ دعا میں ابتہال یہ ہوتا ہے کہ گندی چیز کہیں مسلمانوں اور مومنوں کی طرف نہ کردی جائے، جدھر کی چیز ہے اُسے اُدھر ہی رکھا جائے۔
- دسواں نکتہ یہ ہے کہ جھوٹ جو بھی بولے وہ جھوٹا لعنتی ہوتا ہے لیکن مذہبی جھوٹے بہت ہی ایذیت ناک ہوتے ہیں لہٰذا انہیں لعنت خود ہی اپنے ڈھیر میں دبا لیتی ہے۔ مباہلہ میں خاص چیز تو یہی ہوتی ہے کہ جھوٹوں کا پول کھل جاتا ہے۔
- گیارہواں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ مناظروں، مجادلوں اور مباہلوں سے بے یقین، بے عمل اور ناقدر قوم کچھ حاصل نہیں کرسکتی۔ ان اعمال کے ثمرات بھی اس وقت نفع بخش ہوتے ہیں جب نسبتیں تام ہوں، یقین محکم ہو، تعلق باللہ مربوط ہو، تحرک حضوری کے ساتھ ہو، ادب عمیق ہو اور ایمان غیر متزلزل ہو، وسیلہ بہ پشت موجود ہو۔ آل محمدیہ سے علاقہ متسلسل ہو، صدق لسانی کی شمشیر تیز ہو، صداقت روحانی کا قلعہ میسر ہو اور بندہ اللہ کے لیے کسی کو اختیار کر بھی سکتا ہو ترک بھی کرسکتا ہو۔
- بارہواں نکتہ یہ ہے کہ رحمت عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوازشیں چھوٹے بڑے سب ہی غلاموں کو حاصل تھیں۔ آپ نے کسی کو سر، کسی کو آنکھ، کسی کو کان اور کسی کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور علی کرم اللہ وجہہ الکریم وہ ہیں جنہیں جان کہا۔ معنیٰ یہ ہوا کہ کان آنکھ اور ہاتھ بھی کام اُسی وقت کرتے ہیں جب جان موجود ہو۔

مفردات

- تیرہواں نکتہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم افراط اور تفریط کو ختم کرنا ہے۔ بعض لوگوں نے ''اَنْفُسَنَا'' کا سہارا لے کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو انبیاء سے بھی افضل لکھ مارا، اس قسم کے محققین نے جھک ہی ماری ہے۔ اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔
- چودھواں نکتہ یہ ہے کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں (250) کہ نفس واقعہ سے بہر حال یہ ثابت ہوتا ہے کہ مباہلہ میں شریک مکرمین اور محترمین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں محبوب ترین ہستیاں تھے۔ بات تو سمجھ، ادب اور محبت کی ہے۔
- آیت میں پندرہواں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ جھوٹوں اور کاذبین کا ہر قلعہ نابود اور ختم ہو جانے والا ہوتا ہے اور سب سے بڑے جھوٹے وہی ہوتے ہیں جو اہل بیت کی عزتیں اور احترامات کو گھٹانے میں لگے رہتے ہیں۔

واللہ اعلم

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٢﴾

''بے شک یہی بیان سچا، درست اور پکا ہے اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور بے شک اللہ ہی ہے غالب حکمت والا''۔

اِنَّ: بے شک
هٰذَا: یہ
لَهُوَ: بے شک یہی یا بے شک وہی
الْقَصَصُ: قصے، ترکیب میں یہ موصوف اور ''الْحَقُّ'' اس کی صفت
الْحَقُّ: حق
وَمَا: اور نہیں
مِنْ: سے
اِلٰهٍ: معبود
اِلَّا: مگر
اللّٰهُ: اللہ
وَاِنَّ: اور تاکیداً
اللّٰهَ: اللہ
لَهُوَ: وہی ہے
الْعَزِيْزُ: غالب
الْحَكِيْمُ: حکمتوں والا

''هٰذَا'' کا اشارہ

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ ''هٰذَا'' کا اشارہ کس طرف ہے؟

اس میں دو احتمالات ہیں: پہلا یہ کہ قرآن حکیم ''هٰذَا'' کا مشار الیہ ہے۔ اس صورت میں معنیٰ یہ ہو گا کہ اس قرآن کا بیان، اسلوب، اعجاز، تاثیر سب کچھ حق ہے۔ دوسرا احتمال قرطبی نے یہ لکھا کہ ''هٰذَا'' سے عیسیٰ علیہ السلام کی شان، واقعات اور معجزات کی طرف اشارہ ہے (251)۔

علامہ آلوسی کی بداہت بیانی

روح المعانی میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ ''اِنَّ'' حرف تحقیق مشبہ بالفعل ہے اور ''هٰذَا'' اسم ''اِنَّ'' ہے۔ ''الْقَصَصُ'' موصوف ہے ''الْحَقُّ'' صفت ہے اور صفت اپنے موصوف کے ساتھ مل کر خبر ''اِنَّ'' ہوئی، درمیان میں ''لَهُوَ'' پر لام تاکید کا اور ''ھو'' ضمیر فصل حصر اضافی کے لیے ہوئی۔ معروف قاعدہ ہے کہ مبتدا اور خبر جب دونوں معرفہ ہوں تو ان کے درمیان ضمیر فصل حصر کے لیے آتی ہے، معنیٰ یہ ہوگا کہ حق یہی ہے کہ عیسیٰ کی شانیں بہت بلند ہیں اور قرآن مصدق ہونے کے لحاظ سے

عظیم المرتبت ہے(252)۔

''اَلۡقَصَصُ'' پر رازی کی تحقیق

''قصص، قصۃ'' کی جمع ہے اسی لیے قرآن حکیم کی ایک سورت کا نام ''قصص'' ہے اور ''قص، یقص'' کا یہ مصدر بھی ہے جس کا معنیٰ کسی کے نقش قدم پر چلنا ہوتا ہے۔ ''اقتص اثرہ'' کا معنیٰ ہوگا فلاں اُس کے نقش قدم پر چلا (253)۔ بدلہ لینے کو ''قصاص'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ جرم کے پیچھے اور اس کی مثل ہوتا ہے۔ حکایت اور کہانی کو بھی ''قصہ'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ واقعہ کے بعد اور اس کے تابع ہوتی ہے، یہاں یہی مراد ہے۔

عمود آیت

آیت کا عمود ایمان توحید ہے خصوصاً عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کے معتقدین جن گمراہیوں کا شکار ہو چکے تھے انہیں بار بار واقعیت اور حقیقت تسلیم کرنے کا درس دیا گیا اور مسلمانوں کو بھی حقائق کی تعلیم دی گئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور یہ اٹل واقعیت ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ کہ انہیں غیر شرعی بچہ سمجھنا ایک بے ہودگی ہے۔

آیت میں صفات توحید میں اللہ تعالیٰ کے غالب اور عزیز ہونے اور حکیم ہونے کی بات کی گئی ہے۔ اگر وہ حکیم نہ ہوتا تو انسانوں کی تخلیق کے بعد ان کی ہدایت کا بندوبست نہ فرماتا اور اگر وہ غالب نہ ہوتا تو عصیاں شعار قومیں پوری دنیا کو اجاڑ بیلہ بنا دیتیں۔

آیت میں عملی اور روحانی درس یہ ہے کہ اللہ والوں کی جہاں صفات تسلیم نہ کرنا بے دینی ہوتی ہے ایسے ہی ان کی شان میں غلو کرنا بھی بھٹک جانا ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ بزرگوں کے قصوں اور روحانی واقعات سے منزلوں کا سراغ لگایا جا سکتا ہے اور تیسرا یہ ہے کہ اللہ کو معبود ماننے کا مطلب اس کی عبادت اور ذکر میں رہنا ہوتا ہے۔ یہ عملی قرب ہی زندگی میں مسحور کن روحانی خوشبوؤں کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔

واللہ اعلم

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِالۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۶۳﴾

''پس اگر وہ روگردانی کریں تو اللہ بھی بلاشبہ فسادیوں کو خوب جاننے والا ہے''۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

''تَوَلَّوۡا'' میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ یہ ماضی کا صیغہ ہو

مفردات

فَاِنۡ: پس اگر
تَوَلَّوۡا: وہ منہ موڑ لیں
فَاِنَّ: تو بے شک
اللّٰهَ: اللہ
عَلِيۡمٌ: بہت زیادہ علم رکھنے والا
بِالۡمُفۡسِدِيۡنَ: یہ مفسد کی جمع ہے جس کا معنیٰ فساد مچا دینے والا ہوتا ہے، قرآن مجید نے اکثر یہ لفظ عقیدے کے بگاڑ اور نظام مصطفیٰ سے برگشتہ ہونے کے معنوں میں استعمال کیا ہے

اور دوسرا یہ کہ یہ مضارع کا صیغہ ہو۔ اصل میں ''تتولوا'' ہو ایک ''تا'' کو حذف کر دیا گیا ہو اور آخر سے نون اعرابی ''انَّ'' شرطیہ کی وجہ سے محذوف ہو، تا ہم ''اِنَّ'' کی وجہ سے معنیٰ دونوں صورتوں میں مستقبل ہی کا ہوگا'' (254)۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

''آیت میں پھر جانے سے مراد توحید کے دلائل سے پھر جانا ہے (255) اور علامہ صابونی نے لکھا کہ جو واقعات بیان ہوئے ہیں ان سے اعراض کر لینا مراد ہے یعنی باطل راہ پر چلنا مراد ہے'' (256)۔

یہ آیت کس فساد کی طرف اشارہ کرتی ہے؟

وہ لوگ جو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآنی اور منطقی دلائل اور براہین ملاحظہ کر لینے کے باوجود اپنی ہٹ دھرمی پر قائم تھے اور دعوت مباہلہ کے روحانی انجام کے ثمرات دیکھ لینے کے باوجود سرکشی، ہوا و ہوس اور انا کے صنم کی پوجا کر رہے تھے۔ قرآن مجید انہیں ''مفسد فی الارض'' قرار دیتا ہے اور یہ حقیقت آشکار کر دیتا ہے کہ فساد کار لوگ یہ نہ سمجھیں کہ فتنہ پرور لوگوں پر اللہ کی گرفت نہیں اور وہ انہیں جانتا نہیں۔

علامہ اسماعیل حقی کا خوبصورت درس

روح البیان میں علامہ اسماعیل حقی خامہ فرسائی کرتے ہیں (257) کہ مفسدین اور فسادی لوگوں سے قطع تعلقی اور بیزاری ضروری ہے۔ ان کے معاملات میں کوشش کی جائے کہ ان کا فساد جڑ سے اکھیڑ دیا جائے وگرنہ ان سے اظہار نفرت کیا جائے اور لوگوں کو ان کی خرابیوں سے آگاہ کیا جائے۔ کیا یہ تھوڑا بڑا جرم ہے کہ وہ آفاق میں کفر و معاصی کے اندھیرے عام کرتے ہیں۔

مدارک التنزیل نے لکھا کہ آیت کا اسلوب لرزا دینے والا ہے۔ اس میں ایک قسم کی عذاب کی دھمکی ہے (258)۔ اللہ تعالیٰ اپنی ناراضگی کے عذاب سے بچائے۔

❁❁❁❁❁

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ
اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾
يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ
وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٥﴾
هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا
لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾

(64) فرما دیجیے! اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے یہ کہ عبادت نہ کریں مگر اللہ کی اور اس کے ساتھ ذرہ برابر کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہمارے بعض بعضوں کو اللہ کے سوا ربّ نہ بنالیں پھر اگر وہ اعراض کریں تو کہہ دو گواہ رہنا ہم سب مسلمان ہیں

(65) اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے معاملہ میں کس لیے جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل نازل ہی اُن کے بعد کی گئی، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے

(66) دیکھو تم وہ لوگ ہو کہ جھگڑ چکے ہو اُن باتوں میں جن کے بارے میں تمہیں بہت کچھ معلوم تھا تو وہ چیزیں جن کے بارے میں تمہیں کچھ پتہ ہی نہیں کیوں جھگڑنے لگے ہو اور اللہ خوب جانتا ہے اور تمہیں کچھ معلوم نہیں

مفردات

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

''فرما دیجیے! اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے یہ کہ عبادت نہ کریں مگر اللہ کی اور اس کے ساتھ ذرہ برابر کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہمارے بعض بعضوں کو اللہ کے سوا ربّ نہ بنالیں پھر اگر وہ اعراض کریں تو کہہ دو گواہ رہنا ہم سب مسلمان ہیں''۔

قُلْ: فرما دیجیے
يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ: اے اہل کتاب
تَعَالَوْا: آجاؤ، آؤ
اِلٰى: طرف
كَلِمَةٍ: کلمہ، بات
سَوَآءٍ: برابر ہے
بَيْنَنَا: ہمارے درمیان
وَبَيْنَكُمْ: اور تمہارے درمیان
اَلَّا: کہ نہ
نَعْبُدَ: ہم عبادت کریں
اِلَّا اللّٰهَ: مگر اللہ کی
وَلَا: اور نہ
نُشْرِكَ: ہم شرک کریں
بِهٖ: اس کے ساتھ
شَيْـًٔا: ذرہ بھر
وَّلَا: اور نہ
يَتَّخِذَ: پکڑے
بَعْضُنَا: ہمارے بعض
بَعْضًا: بعض کو
اَرْبَابًا: ربّ کی جمع ہے، معنی پالنے والا ہوتا ہے
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ: اللہ کے سوا
فَاِنْ: تو اگر
تَوَلَّوْا: وہ روگردانی کریں
فَقُوْلُوا: تو کہو
اشْهَدُوْا: گواہ بن جاؤ
بِاَنَّا: بے شک ہم
مُسْلِمُوْنَ: مسلمان ہیں

''يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ'' سے مراد

علامہ فخر الدین رازی نے لکھا کہ اس سے مراد مدینہ کے یہود ہیں۔ اس کی تفصیل بھی بعض مفسرین نے لکھی کہ ابو رافع، حیی ابن خطب اور کعب بن اشرف وغیرہ یہودیوں نے جب دیکھا کہ اُن کی اجتماعی حیثیت یہود کے درمیان خطرے میں ہے تو کوشش کی کہ وہ نشانیاں جو پیغمبر اعظم آخر کے بارے میں تورات میں ہیں موجود ہیں، وہاں سے مٹا دیں، اصل میں اس نوعیت کی آیات میں انہیں احسن اسلوب میں جھنجھوڑا گیا (259)۔

جلالین، کمالین، اکلیل اور صاوی وغیرہ مفسرین نے لکھا کہ ان آیات کا نزول نجران کے عیسائی وفد کے بارے ہی میں ہوا (260)۔

صابونی کا قول اس باب میں پسندیدہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ خطاب تمام اہل کتاب کے لیے عام ہے۔ یہودی ہوں یا نصرانی یا ان کے پیروکار ہوں یعنی مسلمانوں کا لبادہ اوڑھ کر یہود و نصاریٰ کی طرز پر کام کر رہے ہوں (261)۔

فخر رازی کی ایک خوبصورت بات

فخر رازی رقم طراز ہوتے ہیں (262) کہ ''اَهْلَ الْكِتٰبِ'' کے لفظ سے خطاب، اسلوب اور دعوت میں شگفتگی اور تازگی کی ایک عمدہ مثال ہے۔ جس شخص یا جماعت کو آپ مقاربت فکری سے نوازنا چاہیں اُسے اچھے لقب سے نوازیں تاکہ وہ اپنے دل اور دماغ کے دریچے تمہارے لیے کھول دے۔ یہاں یہود اور نصاریٰ کو کتاب والا کہنا ان کی تعریف کرنا ہے۔ کسی کو ''مفسر کتاب'' کہنا اس کے امتیاز کو تسلیم کرنا ہے۔ یہاں ''اَهْلَ الْكِتٰبِ'' کہنے میں حکمت یہ ہے کہ مخاطبین کو ان کی تاریخی اہمیت و

فضیلت یاد کروا کر ان کو مقصود کی طرف لایا جائے۔ رسول اکرم ﷺ نے جب ہرقل کو نامہ مبارک ارسال کیا تو اُسے ''عظیم الروم'' کے لقب سے نوازا۔ علماء، خطباء اور واعظین کے لیے اس میں سبق ہے کہ تبلیغ کے لیے اپنے مخاطب کی ضد، غضب، اختلاف ابھار کر اُسے گالی گلوچ کرنا یہ دانائی نہیں، دانائی تو رحمت عالم کے دل پر نازل ہونے والی کتاب اور سنت کی پیروی سے ظاہر ہونے والا نور ہے۔

''تَعَالَوْا'' کا مفہوم

یہاں ''تَعَالَوْا'' سے مراد اس شئی کا معیّن کرنا ہے جس طرف توجہ دلائی جائے اور دعوت دی جائے اگرچہ یہاں انتقال مقامی نہ پایا گیا ہو۔ یہ لفظ ''تعالی'' سے ہے اس کا معنیٰ نشیبی جگہ سے اُوپر کی طرف صعود ہوتا ہے، پھر جب استعمال کثیر ہو گیا تو مفہوم میں مقصود کی طرف متوجہ ہونا متعین ہو گیا (263)۔

آیت میں روحانی عروج

قرآن مجید کی یہ آیت فلسفہ کی بنیاد پر ذہنی تقسیم کے تمام طبقات کو آزادانہ اور روادارانہ سوچ کی جنت میں لا کھڑا کرتی ہے کہ وہ مذاہب جو آسمانی ہیں ان سب کا سرمایہ ایمانِ توحید ہے۔ وہ سب اس بات کی طرف بلاتے ہیں کہ عبادت صرف ایک اللہ ہی کی ہونی چاہیے۔ یہ بیچ میں افراط تفریط، ثنویت تثلیث اور شرک تشریک ذہنی بہکاوے ہیں۔ ان سے گلو خلاصی جہنم سے آزادی کا غیرت مندانہ راستہ ہے۔

مفسرین کی یہ بات پسندیدہ ہے کہ ''سَوَآءٍ'' سے اشارہ عدل اور انصاف کی طرف ہے یعنی آؤ! ہم سب ایک ایسے کلمے اور بات کی طرف بڑھیں جس میں سب کے لیے عدل و انصاف موجود ہے۔ یہاں ایک مفسر نے صحافتی جوش میں لکھ دیا کہ یہ آیت اللہ کی طرف ایسی دعوت ہے کہ جس میں کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا غلام نہ ہو، نہ نبی کا غلام ہو، نہ رسول کا غلام ہو بلکہ سب اللہ کے بندے اور غلام ہوں (264)۔

لاحول ولاقوۃ غلام کا عربی زبان میں معنیٰ بیٹا ہوتا ہے۔ ایمان توحید ہمیں سکھاتا ہے کہ ہم اللہ کو نہ کسی کا باپ مانیں اور نہ کسی کا بیٹا مانیں اور غلام کا معنیٰ اگر کسی کی نوکری اور اطاعت میں رہنا ہو تو یہ اطاعت کی رسیاں تو قرآن مجید خود پائے انسانیت میں ڈالتا ہے۔ واللہ یہ تو مذہب کی بنیادی تلقین اور تعلیم ہے۔

پادریوں اور راہبوں کی گرہ گیریاں

عدل اور انصاف کا راستہ قرآن مجید کی اس آیت میں کس قدر نمایاں کر دیا گیا کہ پادریوں اور راہبوں کے طلسمات میں ہم نے ہرگز الجھنا نہیں اور کتاب کی تعلیم کو گم نہیں ہونے دینا۔ ایک دین دار شخص جب قرآن کے آسمان سے پٹخ دیا جائے اور وہ توہمات، تاویلات، ظنیات اور قیاسیات کی زنجیروں میں جکڑا ہو اور وہ خود وحی کے نور سے دور اندھیرے میں پڑا ہو تو اس کی اطاعت کرنا ایسا ہی

ہے گویا آپ ربّ کی جگہ ایک اور ربّ ماننے لگ گئے ہیں۔ مفسرین نے یہی لکھا کہ حلال اور حرام قرار دینے کو اپنے ہاتھ میں لینا یہی اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو ربّ مان لینے کی زیادتی ہے۔ پادری اور راہب یہی کچھ کرتے تھے۔ قرآنی آیت اس قسم کے تمام دھندوں پر قلم تنسیخ پھیرتی ہے اور بندگی صرف اللہ کے لیے ثابت کرتی ہے۔

آیت کا آخری جمالیاتی درس

''اگر وہ منہ موڑ لیں تو پھر صاف کہہ دو کہ ہم تو مسلمان ہیں''۔

آیت اپنے آخر میں قاریٔ قرآن اور داعیٔ حق کو محسوس کروا دیتی ہے کہ وہ دیکھو تمہارے مخالفین اٹھ کر چلے گئے ہیں۔ اب تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ تم نے اپنے قول کو گواہی بنا دینا ہے اور ثابت کرنا ہے کہ ان میں اور مسلمانوں میں فرق کیا ہوتا ہے؟ یہ کہ مسلمان شرک نہیں کرتے، مسلمان ابلاغ حق کی راہوں میں سست نہیں پڑتے اور وہ سچائی کو ہر جہت سے آشکار کر دیتے ہیں اور ان کی زندگی اللہ کی عبادت سے عبارت ہوتی ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۵

''اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے معاملہ میں کس لیے جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل نازل ہی اُن کے بعد کی گئی، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے''۔

راہ راست سے ہٹی اور بھٹکی ہوئی قومیں زیادہ تر پانچ امراض میں مبتلا ہو جاتی ہیں جن کا اثر ان کی تباہی اور بربادی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے:

1۔ وہ عقل کا معکوس استعمال کرتی ہیں۔ شعور اور فکر سے محرومی انہیں کسی دعوت تک رسائی نہیں ہونے دیتی۔

2۔ وہ ضدی اور جھگڑالو ہو جاتی ہیں۔ جاہلانہ تعلّیاں اور تفوّق کے جاہلانہ اظہارات انہیں برباد کر دیتے ہیں۔

3۔ انحراف، بدعت آفرینیاں، مسخ افکار باطل مرسومات انہیں سچائی اور صدق سے قریب نہیں ہونے دیتے۔ ان کی باطل پرستی انہیں صدق، حق اور وحی کی خوشبو سے محروم رکھتی ہے۔

4۔ وہ حسن کے سوتوں سے دور رہ کر جمالیاتی لذوذ سے محروم ہو جانے والی قومیں بن جاتی ہیں۔ ناقدری، ناشکری اور بے عملی ان کی زندگی کی بدبو ہوتی ہے۔ یہ بنیادی خرابی ان میں پانچ

مفردات

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ: اے کتاب والو
لِمَ: کیوں؟
تُحَآجُّوْنَ: تم جھگڑے بناتے ہو
فِيْٓ: فی
اِبْرٰهِيْمَ: ابراہیم
وَمَآ: اور نہیں
اُنْزِلَتِ: اتاری گئی
التَّوْرٰىةُ: تورات
وَالْاِنْجِيْلُ: اور انجیل
اِلَّا: مگر
مِنْۢ بَعْدِهٖ: ان کے بعد میں
اَفَلَا: کیا نہیں
تَعْقِلُوْنَ: تم عقل پکڑتے

ایسی خرابیاں پیدا کرتی ہے جو پیغمبرانہ نسبتوں کے بغیر ٹھیک ہی نہیں ہوسکتیں:

1۔ بے وفائی
2۔ منصوبہ بندی کا فقدان
3۔ بے حیائی
4۔ سُوءِ خُلقی
5۔ اور ضمیر کی ظلمت
5۔ پانچواں مرض عدم یقین اور توہمات کی فضاؤں میں گم ہو جانا ہے۔ اس سرطان میں مبتلا لوگ کبھی بھی منطق، استدلال، برہان اور سلطان کی طاقت کو تسلیم نہیں کر سکتے۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ زیر تفسیر آیت ایک ایسی قوم کی مثال قاری قرآن کے سامنے لائی ہے جس میں یہ پانچوں بیماریاں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ بنو اسماعیل اور بنو اسرائیل سب کے مسلّم روحانی اور خاندانی پیشوا تھے اس لیے یہ قومیں اپنے انحراف کی تائید میں انہی کا نام استعمال کرتی تھیں۔ اسلام کی دعوت اور تحریک شروع ہوئی تو ان سب نے ہنگامہ کھڑا کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دین ابراہیم کے خلاف ہے، آپ ہمیں دین ابراہیمی سے دور ہٹانا چاہتے ہیں۔ قرآن مجید نے ان پر گرفت کی کہ تورات اور انجیل تو نازل ہی ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہوئیں پھر ابراہیم علیہ السلام کو یہودی یا نصرانی کیسے کہا جا سکتا ہے۔ یہ اپنی ہمنوائی کی اُلٹی منطق ہے۔

قرآن مجید کے یہ الفاظ: ''اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ''

''کیا تم عقل رکھتے ہو؟''

ایک دلچسپ، محکم اور روح میں اترنے والی تعریض ہے جس سے حق کی مخالفت کرنے والوں کا بخار اتر سکتا ہے۔ ایک اور نکتہ جو توجہ کے لائق ہے کہ حیرانگی والی بات قرآن نے یہ قرار دی کہ بندہ کتاب والا بھی ہو اور ضدی، جھگڑالو اور حجت باز بھی ہو کیا یہ عقل ہے یا حماقت؟ صحیح فیصلہ کرنے والا ہی قرآنی فیض کے شاہ چشمہ سے دل اور دماغ کو سیراب کر سکتا ہے۔ واللہ اعلم

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٦٦

''دیکھو تم وہ لوگ ہو کہ جھگڑ چکے ہو اُن باتوں میں جن کے بارے میں تمہیں بہت کچھ معلوم تھا تو وہ چیزیں جن کے بارے میں تمہیں کچھ پتہ ہی نہیں کیوں جھگڑنے لگے ہو اور اللہ خوب جانتا ہے اور تمہیں کچھ معلوم نہیں''۔

''هٰٓاَنْتُمْ'' میں ''هَا'' حرف تنبیہ ہے، ''اَنْتُمْ'' مبتدا ہے اور ''هٰٓؤُلَآءِ'' اس کی خبر ہے، یعنی آیت

مفردات

هٰٓاَنْتُمْ: خیر تم لوگ
هٰٓؤُلَآءِ: یہ ہو کہ
حَاجَجْتُمْ: تم نے جھگڑا بنایا
فِيْمَا: اس میں
لَكُمْ: تمہارے لیے
بِهٖ: اس کے بارے میں
عِلْمٌ: علم
فَلِمَ: تو کیوں
تُحَآجُّوْنَ: تم جھگڑتے ہو
فِيْمَا: اس میں
لَيْسَ: نہیں
لَكُمْ: تمہیں
بِهٖ: اس کا
عِلْمٌ: علم
وَاللّٰهُ: اور اللہ
يَعْلَمُ: جانتا ہے
وَاَنْتُمْ: اور تم لوگ
لَا: نہیں
تَعْلَمُوْنَ: جانتے ہو

میں اہل کتاب کو تنبیہ کی گئی کہ خبردار ہو جاؤ تمہارا کرتوت یہ ہے کہ تم نے حسب عادت اپنی ڈھٹائی اور فریب کا مظاہرہ کر ہی دیا۔ خصوصاً اس معاملہ میں جس کا بطلان اور غیر صحیح ہونا تمہارے علم میں تھا مثلاً تورات یا انجیل کا اللہ کی کتاب ہونا تمہارے علم کی چیز ہے لیکن تم ایک دوسرے کی کتابوں کو نہ ماننے کی روش پر رہے اور تم پوری طرح جانتے ہو تمہارے علم میں تھا مثلاً تورات، انجیل کا اللہ کی کتاب ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے نہیں ہیں۔ یہ مسائل تو تمہاری مذہبی، تاریخی اور اعتقادی ارتباط سے متعلق ہیں لیکن تم لوگوں نے بحث و گفتگو سے ان مسائل کی شکل ہی تبدیل کر دی اور اشتبہات کا شکار ہو گئے۔ تمہاری کور چشمی کی ظلمت بازیاں اگر معلوم مسائل میں یہ ہیں کہ تم لوگ نتیجہ خیزی اور ثمرات گیری سے محروم ہو تو خود تم فیصلہ کرو کہ جس چیز کا تمہیں علم ہی نہیں تمہاری کٹ حجتیوں کا اعتبار ان مسائل میں کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ تمہاری کتابیں ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ساکت ہیں۔ وہ تم سے پہلے گزر گئے ہیں۔ تمہاری باتوں کا فحویٰ کیسے صحیح مانا جا سکتا ہے تم لوگ فضائے اعتقاد کو مسموم بنانے کے لیے فضول میں اپنے ہفوات اور فریب کاریاں عام کر رہے ہو صرف اس لیے کہ لوگ اسلام سے قریب نہ ہو جائیں۔ تمہیں تین چار چیزیں اچھی طرح جان لینی چاہییں:

- صحیح اور غلط میں بڑا فرق ہوتا ہے
- معلوم اور نا معلوم دونوں کے لیے کوششوں کی منزل ایک نہیں ہو سکتی
- خلوص اور ضد کی طاقتیں مساوی نہیں ہوتیں
- بحث اور عمل میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

سب کچھ، ہر کچھ اور ہر جہت، ہر چیز کا علم صرف اللہ کے پاس ہے، باقی رہے تم تو تم کچھ بھی نہیں جانتے، آؤ اس کتاب کی طرف جس میں اللہ کے علم کی روشنی چمک رہی ہے اور وہ قرآن حکیم ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٦٧﴾
اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٨﴾
وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ
اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٩﴾
يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿٧٠﴾

(67) ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ ہی نصرانی بلکہ ہر باطل سے دور روئے نیاز جھکانے والے تھے اور آپ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے

(68) بے شک لوگوں میں سے ابراہیم کے سب سے زیادہ قریب وہی لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی ہے اور یہ اُونچی شان والے نبی اور وہ جو ایمان لائے اور مومنوں کا مددگار دوست اللہ ہی ہے

(69) اہل کتاب میں سے ایک گروہ کا دل چاہتا ہے کہ تمہیں راہِ راست سے بھٹکا دیں حالانکہ وہ بھٹکا نہیں سکتے مگر اپنے آپ ہی کو اور وہ سوچتے سمجھتے نہیں ہیں

(70) اے اہل کتاب! اللہ کی آیتوں سے کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾

''ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ ہی نصرانی بلکہ ہر باطل سے دور روئے نیاز جھکانے والے تھے اور آپ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے''۔

یہ آیت برملا اعلان کرتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ ہی نصرانی، وہ تو ایسے سلطانِ محبت تھے جن کی عقیدتیں، محبتیں، الفتیں اپنے لباس پر یہ داغ اٹھانے کی متحمل ہی نہ تھیں کہ عصبیت، حسد، کنبہ قبیلہ اور دنیاوں کی غیریت اس طرف رخ کر سکے۔ کاروبار محبت میں محبوب کی وحدت ہی کا سکہ چلتا ہے۔ وہاں ٹکسالی جہاں کی بوقلمونیاں نہیں ہوتیں۔ ابراہیم ہی کی تاریخ میں ملتا ہے کہ باپ کے ہاتھ میں چھری ہوتی ہے اور اللہ کی محبت میں بیٹا سر کٹوانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

آہ ایں چہ دوستی است کہ سر ہائے یک دگر
خویشاں بریدہ بردۂ قاتل نہادہ اند

قرآن مجید کی یہ آیت کہتی ہے کہ ابراہیم حنیف تھے اور مسلم تھے۔ حنیف کا مفہوم سمجھنے سے پہلے یہ سمجھ لیں تو اچھا ہے کہ ربّ کبیر و اکبر کی عدالت میں دل کی تقسیم نہیں ہو سکتی، یہاں شرک معاف نہیں ہو سکتا، اس لیے ابراہیم علیہ السلام مشرکین میں سے نہیں تھے۔ ان کا دل ایک ہی طرف جھک گیا تھا اور وہ اللہ کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے، اسی لیے قرآن کہتا ہے ابراہیم علیہ السلام یکسو اور فنا فی المحبوب عاشق تھے، طالب تھے اور فریفتہ دررۂ محبوب تھے۔ ان کے ہاں صحبت غیر کی شب بیداریوں کا تصور ہی نہیں تھا، وہ ایک کے تھے، ایک کے لیے تھے اور ایک پر ہی فدا تھے۔ ان کی محبت میں اولاد اور اوطان سب محبوب کے لیے قربان کیے جا سکتے تھے۔ یہی وہ اسوۂ محبوبہ ہے جو قرآن کی زبان میں اسوۂ حسنہ کہلاتا ہے۔ اللہ نے کتاب میں تین مرتبہ اسوۂ حسنہ کا لفظ استعمال کیا، دو مرتبہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے اور ایک مرتبہ رحمۃ للعالمین آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے۔ جس نے بیٹے کی گردن پر چھری رکھ دی وہ دو بار صاحب اسوہ ہے اور جس نے کنبے کا کنبہ لٹا دیا وہ ایک بار صاحب اسوہ ہوا۔ اس میں تفاوت نہ سمجھیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تُو اور تیرا مال تیرے باپ ہی کا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام کے حوالے سے ایک بار اور رحمت عالم کی اولاد کی تاریخ کے حوالے سے دو بار صاحبِ اسوۂ حسنہ ہیں۔ سلام ان پر کس شان کے وہ مسلمان تھے حنفیت خود تا بہ قیامت ان پر ناز کرتی رہے گی۔

مفردات

مَا: نہیں
كَانَ: تھے
اِبْرٰهِيْمُ: ابراہیم
يَهُوْدِيًّا: یہودی
وَّلَا: اور نہ
نَصْرَانِيًّا: نصرانی
وَّلٰكِنْ: اور لیکن
كَانَ: تھے
حَنِيْفًا: مخلص، موحد اور حق کے طرف دار تھے
مُّسْلِمًا: مسلمان
وَمَا: اور نہیں
كَانَ: تھے
مِنَ: سے
الْمُشْرِكِيْنَ: شرک کرنے والے

مفردات

رہا یہ مسئلہ کہ وہ یہودی یا نصرانی نہیں تھے۔ حماقتوں کو اس قدر شوخیوں میں بدتمیز تو نہیں ہو جانا چاہیے، دیوار بنیاد پر استوار ہوتی ہے بنیاد عمارت پر نہیں چڑھتی۔ باپ بیٹے کے تخم کا امین ہوتا ہے اولاد باپ کا تخم نہیں اٹھاتی۔ الف جیم سے پہلے آنے کی تاریخ رکھتا ہے۔ جیم الف سے پہلے ہونے کی جہالت نہیں کر سکتا۔ یہودی اور عیسائی تو نئے افکار کا مبہم اور پھٹا ہوا نغمہ ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی تاریخ تو محبتوں کی سلطانی رکھتی ہے، سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ عمل کے لیے تو کوچۂ وحدت میں محبت کی سیر اور اطاعت و وفا ہے۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

''بے شک لوگوں میں سے ابراہیم کے سب سے زیادہ قریب وہی لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی ہے اور یہ اُونچی شان والے نبی اور وہ جو ایمان لائے اور مومنوں کا مددگار دوست اللہ ہی ہے''۔

اِنَّ: بے شک
اَوْلَى: قریب ترین
النَّاسِ: لوگوں میں سے
بِاِبْرٰهِيْمَ: ابراہیم کے ساتھ
لَلَّذِيْنَ: وہ لوگ ہیں
اتَّبَعُوْهُ: جنہوں نے ان کی پیروی کی
وَهٰذَا: اور یہ
النَّبِيُّ: نبی معظم
وَالَّذِيْنَ: اور وہ لوگ
اٰمَنُوْا: جو ایمان لائے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
وَلِيُّ: دوست، قریب، مالک
الْمُؤْمِنِيْنَ: ایمان والوں

ابراہیم علیہ السلام سے قریب ترین کون ہوسکتا ہے۔ ان کا وارث روحانی ہونے کا استحقاق کسے ہے۔ ان کی معنوی نسبت کس قوم کو حاصل ہے۔ قرآن حکیم نے دوٹوک انداز میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔ یہودی نہ نصرانی، ہر وہ شخص اُن سے قرب کا رشتہ اور نسبت رکھتا ہے جو ان کی پیروی کرتا ہے اور یہ نبی معظم ہیں جو ان سے ہر قریبی سے بھی قریب تر ہیں اس لیے کہ یہ ان کے اصولوں کے پرچم بردار ہیں۔ دین توحید کو قوت اور طاقت دینے والے ہیں۔ ان کی محبتوں کی خوشبو ان کے وجود میں محسوس ہوتی ہے۔ ان ہی کے غلاموں نے ان کے خلوص اور ایمان کا راستہ اپنایا ہے۔ جہاد اور تقوٰی کی وراثتیں امت محمدیہ ہی میں ضوفشاں ہوئی ہیں۔ ابراہیمی ذریت میں محمدی عساکر ہی نے ان کی قربانیوں کو برکت بخشی ہے۔ یہودیوں کی دنیا تو انسانی نسلوں کے قتل عام کی سازشوں میں مگن رہتی ہے اور عالم مسیح اسلام کو ایک مہیب عفریت تصور کرتا ہے۔ ان دونوں قوموں نے اسلام کو اپنی لغت سے نکال رکھا ہے۔ صرف اور صرف اسلام اور ایمان والے ہیں جو ابراہیمی روحانیت کے رازداں ہیں۔

آیت کے آخر میں قرآن مجید نے مومنوں کو ایک اور روحانی تحفہ دیا کہ اقوام ماسبق اس پر پریشان ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے نوکر ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی وارث بن گئے۔ اللہ نے فرمایا: صرف اتنا ہی نہیں اب ولایت ربی کا نور بھی مومنوں ہی کے حصہ میں آ گیا۔ اب خدا کی دوستی بھی ایمان والوں ہی کی دولت قرار دے دی گئی۔

چناں خودرا نگاہ داری کہ ایں بے نیازی را
شہادت بروبود خود زخون دوستاں خواہی

وَدَّتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾

''اہل کتاب میں سے ایک گروہ کا دل چاہتا ہے کہ تمہیں راہِ راست سے بھٹکا دیں حالانکہ وہ بھٹکا نہیں سکتے مگر اپنے آپ ہی کو اور وہ سوچتے سمجھتے نہیں ہیں''۔

آیت میں فہم اور تفہیم کی پانچ بنیادیں ہیں:

- پہلی تو یہ کہ دیکھا جائے کہ اہل کتاب کا رویہ کیا تھا، وہ اسلام کے بارے میں کیا سوچتے تھے؟ اہل کتاب کی مسموم اور مذموم سوچوں کا جب ذکر ہوا تو ایک گروہ کہا گیا انہیں مشخص کر کے بیان نہیں کیا گیا۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ اہل کتاب کی سوچ مسلمانوں اور دین اسلام دونوں کے بارے میں منفی ہو چکی تھی۔ وہ مسلمانوں کو بہکانے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ دینی اور دعوتی کوششوں کو معکوس کر دینا چاہتے تھے۔ ان کی آرزو تھی کہ اسلام کا پرچم سرنگوں ہو جائے۔ کل کی طرح آج بھی وہ اپنے سابقہ رویوں پر قائم ہیں، ان کے عمل اور ردعمل میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ اہل کتاب کو ایک طائفہ یعنی ایک گروہ کہا گیا۔ انہیں نام لے کر کھولا نہیں گیا ممکن ہے یہ اس لیے ہو کہ بعض اہل کتاب اسلام لا چکے تھے اور وہ مخلصانہ تحریک و دعوت کو قوت دے رہے تھے۔ اگر ان کے پرانے دوستوں اور رشتہ داروں کی کھل کر مخالفت اور مخاصمت آشکار کی جاتی تو مخلص دوستوں میں بھی عصبیت پیدا ہو سکتی تھی ویسے بھی دریا کی جھاگ خود بیٹھ جائے تو زیادہ بہتر ہوتا ہے۔
- سوچ کی دوسری بنیاد مسلمانوں کو تسلی دینا ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ کی تحریکی منفیت سے خوف نہ کھائیں ان کی ہر کوشش خود انہیں گرفتار آلام کرے گی اور وہ برباد ہوں گے۔ ان کے بہکاووں کا جادو ان ہی پر الٹا پڑ جائے گا اور ان کی مغویانہ کوششیں انہیں لے ڈوبیں گی اور ضرر کا باطنی سرطان انہیں تباہ کر دے گا (265)۔
- فہم آیت کی تیسری بنیاد وہ ہے جو رازی نے تفسیر کبیر میں لکھی کہ اہل کتاب کی گمراہیوں کا وبال انہیں پر پڑے گا، اس کے تین معانی ہیں (266):

1۔ پہلا یہ کہ وہ مستحق عذاب ہو کر تباہ و برباد ہو جائیں گے

مفردات

وَدَّتْ: دل چاہتا ہے، ماضی کا صیغہ ہے اس لیے ترجمانی یوں ہو سکتی ہے، آرزو ہے
طَّآىِٕفَةٌ: ایک گروہ
مِّنْ: سے
اَهْلِ الْكِتٰبِ: اہل کتاب
لَوْ: کسی طرح، کاش اگر ممکن ہو
يُضِلُّوْنَكُمْ: تمہیں گمراہ کر دیں
وَمَا: اور نہیں
يُضِلُّوْنَ: وہ گمراہ کر سکتے
اِلَّاۤ: مگر
اَنْفُسَهُمْ: اپنے آپ ہی کو
وَمَا: اور نہیں
يَشْعُرُوْنَ: وہ شعور رکھتے، وہ سوچتے نہیں

2۔ دوسرا یہ کہ وہ اپنے آپ کو ہدایت کے ماحول اور روشنیوں سے خود ہی نکال پھینکیں گے

3۔ اور تیسرا یہ کہ جب ان لوگوں نے اہل ایمان کو گمراہ کرنے کی کوشش کی اور ایمان والے ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے تو وہ خائب اور خاسر ٹھہرے اس لیے کہ انہوں نے ایک شئی پر اعتقاد کیا مگر معاملہ ان کے تصور کے خلاف سامنے آیا۔

- آیت میں فہم کی چوتھی بنیاد شعور کی قیمت قاری قرآن کے ذہن میں ڈالنا ہے۔ معاش، معاشرت، مذہب، عبادت اور اخلاق اور سماج ہر اہم چیز شعور کے رسوخ کی مرہون منت ہوتی ہے۔ اس دنیا میں کامیاب وہی لوگ ہوتے ہیں جنہیں گہرے شعور کا انعام ملتا ہے۔ نہ سوچنے والی قوم جنگل اور بیاباں میں خودرو پودوں کی طرح ہوتی ہے جسے ڈنگر ڈور چر لیتے ہیں یا وہ خود ہی دھوپ میں سوکھ کر لاشئی ہو جاتے ہیں۔
- آیت کی تفہیم میں پانچویں بنیاد یہود و نصاریٰ کے بارے میں شعور قرآنی سے خود کو آراستہ کرنا ہے کہ وہ کس طرح تہذیب اسلامی کو ختم کرنے کی سازشیں کرتے رہتے ہیں اور دعوت اسلامی کا پرچم سرنگوں کرنے کے لیے وہ اپنا پیسہ اور سرمایہ پانی کی طرح بہا رہے ہیں جب کہ مسلمان جن کے گھروں میں قرآنی شعور کا چراغاں کیا گیا تھا وہ بے حس و حرکت لکڑی کے کندوں کی طرح بے کار پڑے ہیں۔ انہیں جولانگاہ حیات میں غیرت، عزت اور حمیت کے ساتھ جینے کی قیمت کا اندازہ ہی نہیں۔ ہاں اگر وہ صبح شام قرآن کی سرمستیوں میں گم ہو جائیں اور صحیفۂ نور کو پڑھنے پڑھانے لگ جائیں تو ان کے قومی شعور کی نسیں کھل سکتی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہودیوں اور عیسائیوں کی حیلہ سازیاں اور مکاریاں، فریب کاریاں اور دھوکہ بازیاں اور کذب اور افترے ختم فرمائے اور مسلمانوں کو ایمانی حدت اور شعوری غیرت کے ساتھ جینے کی توفیق عطا فرمائے۔

مفردات

يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ: اے کتاب والو!
لِمَ: کیوں
تَكۡفُرُوۡنَ: تم کفر کرتے ہو
بِاٰيٰتِ: آیتوں کا
اللّٰهِ: اللہ
وَاَنۡتُمۡ: اور تم لوگ
تَشۡهَدُوۡنَ: تم مشاہدہ کر رہے ہو

يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ۝

''اے اہل کتاب! اللہ کی آیتوں سے کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو''۔

یہ آیۂ کریمہ اہل کتاب کی ان سازشوں سے پردہ ہٹاتی ہے جو وہ اسلامی تحریک کے خلاف کرتے رہتے تھے۔ اُن کا سازشی ذہن قرآن کے صدق و رسوخ، اسلام کے اثر و نفوذ اور مسلمانوں کے اعتماد و

اطمینان کے خلاف مکر وخدع کے جال بنتا رہتا تھا۔ اہل کتاب جانتے تھے کہ ان کی کتابوں نے نبی معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علامات اور نشانیاں بیان کی ہیں اور پھر جب اُنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ لیا تو کمالات و اوصاف کے جلوے بھی انہوں نے وجود رسالت میں مشاہدہ کر لیے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ وہ اس کے باوجود منکر ہو گئے۔ واضح رہے کہ اہل کتاب اللہ کے وجود سے تو انکاری نہیں تھے وہ اللہ کی آیتوں کے منکر تھے، اس لیے قرآن نے انہیں کافروں ہی میں شامل کیا ہے۔

مذہبی لوگوں کا وقار اور عزت اسی میں ہوتی ہے کہ وہ ایمان کے سرچشموں کی حفاظت خود کریں۔ اللہ کی جن آیتوں کے جلوے انہیں نظر آئیں ان پر اعتماد و ایمان کو اپنی روحانی منزل بنائیں۔ کفر اور انکار شخصیتوں میں قبح اور عیب پیدا کرتا ہے، اس لیے کفر کی نہ صرف مذمت کریں بلکہ دنیا سے اس کے خاتمے کی پُرخلوص کوشش کریں وگرنہ شہادت کا فطری جوہر ان کی روح سے ختم ہو جائے گا اور وہ بے معنیٰ مخلوق بن کر اپنی شخصیت کو خود مسخ کر لیں گے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَلۡبِسُوۡنَ الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَكۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَاَنۡتُمۡ
تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۱﴾
وَقَالَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اٰمِنُوۡا بِالَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ عَلَى الَّذِيۡنَ
اٰمَنُوۡا وَجۡهَ النَّهَارِ وَاكۡفُرُوۡۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۷۲﴾
وَلَا تُؤۡمِنُوۡۤا اِلَّا لِمَنۡ تَبِعَ دِيۡنَكُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنۡ
يُّؤۡتٰۤى اَحَدٌ مِّثۡلَ مَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ اَوۡ يُحَآجُّوۡكُمۡ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ
الۡفَضۡلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۷۳﴾

(71) اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملا رہے ہو اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ حقیقی بات سے تم خود واقف ہو

(72) اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا ایمان لے آؤ اُس پر جو ایمان والوں پر اُتارا گیا صبح کے وقت اور منکر ہو جاؤ دن کے پچھلے حصّے میں شاید مسلمان اس طرح برگشتہ ہو جائیں

(73) اور نہ یقین کرو سوائے اس شخص کے جو تابعداری کرتا ہے تمہارے دین کی فرمایئے! بے شک جو اللہ کی ہدایت ہے وہی ہدایت ہے اور جو تمہیں دیا گیا ہے اُس کی مثل کسی کو بھی نہیں دیا جا سکتا یا یہ کہ تمہارے ربّ کے پاس کوئی تمہارے خلاف حجت لا سکتا ہے فرما دو فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ وسعت نواز خوب جاننے والا ہے

مفردات

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾

''اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملا رہے ہو اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ حقیقی بات سے تم خود واقف ہو''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں چار عنوانات قابل غور ہیں:

- پہلا اہل کتاب کی مذموم اور مسموم سازشیں
- دوسرا حق اور باطل کا التباس
- تیسرا کتمان حق
- اور چوتھا حقائق کا علم ہونے کے باوجود مکر و فریب اور خدع و التباس کی حکمرانی۔

دین دشمن لوگ شیطان کے دوست ہوتے ہیں اس لیے کہ کچھ چیزیں ادھر سے لیتے ہیں اور کچھ چیزیں اُدھر سے لیتے ہیں پھر شیطانی مہارت کے ساتھ ان سب کو آپس میں خلط کر لیتے ہیں۔ باطل کو حق کے لبادے میں پیش کرتے ہیں۔ ہوتا یہ کہ تورات اور انجیل میں تحریف کی جاتی اور من زاد باتیں الہامی تعلیم میں رکھ دی جاتیں اس طرح باطل کی اشاعت کر دی جاتی اور حق کی تمیز تفسیر کی نذر کر دی جاتی۔ دنیا میں جمہوریت، اشتراک اور آمریت سب اسلام کے اصولوں سے لوگوں کو دور کرنے کے وہمی ہتھکنڈے ہیں۔ آیت کا تربیتی زور اس پر ہے کہ حق کی پہچان ختم کرنے والے لوگ ابلیس خصلت ہیں وہ حضرت محمد ﷺ کی صفتیں، نعتیں اور خصوصیات چھپانے میں لگے رہتے ہیں۔ آیت کا عمود قرآن سے وابستگی اور حق کو ہر قیمت پر آشکار کرنا ہے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾

''اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا ایمان لے آؤ اُس پر جو ایمان والوں پر اُتارا گیا صبح کے وقت اور منکر ہو جاؤ دن کے پچھلے حصے میں شاید مسلمان اس طرح برگشتہ ہو جائیں''۔

اس آیت میں یہود و نصاریٰ کی ایک بہت بڑی، مذموم اور ہلا دینے والی سازش کو بے نقاب کیا جا رہا ہے۔ تدبیر کا زہر تو یہ تھا کہ پہلے جا کر مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو جاؤ اور بظاہر اقرار ایمان بھی کر لو، مسلمانوں کو جب یقین آ جائے کہ تم اُن کے اپنے لوگ ہو تو پھر تم اسلام کے بارے شکوک و

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ: اے اہل کتاب
لِمَ: کیوں
تَلْبِسُوْنَ: خلط ملط کرتے ہو
الْحَقَّ: حق
بِالْبَاطِلِ: باطل کے ساتھ
وَتَكْتُمُوْنَ: اور چھپاتے ہو
الْحَقَّ: حق
وَاَنْتُمْ: اور تم لوگ
تَعْلَمُوْنَ: جانتے ہو، علم رکھتے ہو

وَقَالَتْ: اور کہا
طَّآئِفَةٌ: گروہ
مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ: اہل کتاب سے
اٰمِنُوْا: ایمان لے آؤ
بِالَّذِيْٓ: اس کے ساتھ جو
اُنْزِلَ: نازل ہوا
عَلَى: پر
الَّذِيْنَ: وہ لوگ
اٰمَنُوْا: جو ایمان لائے
وَجْهَ: سامنے آئے، روشن ہو جائے، چڑھ جائے
النَّهَارِ: دن
وَاكْفُرُوْٓا: اور منکر ہو جاؤ
اٰخِرَهٗ: کسی دوسرے وقت
لَعَلَّهُمْ: ممکن ہے وہ
يَرْجِعُوْنَ: وہ بازگشت کر لیں، مڑ جائیں، مراد دین سے بازگشتی ہے

شبہات ظاہر کرنا شروع کردو۔اس طرح مسلمانوں کو آہستہ آہستہ متزلزل کرنا جب تم شروع کردو گے تو آہستہ آہستہ ان کا ایمان کمزور ہوگا اور وہ وقت آجائے گا کہ مسلمانوں کی صفوں میں انحراف پیدا ہو گا۔اس طرح تمہارا مقصود پورا ہوجائے گا۔

آیت میں یہ کہنا کہ اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا اس سے مراد قول لفظی نہیں بلکہ اہل کتاب کا طرزِ عمل، ذہنیت اور زاویۂ فکر مراد ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ چند لوگ ایسے موجود ہوں جنہوں نے عملاً یہ کہا ہو کہ چلو صبح کے وقت چند لوگ ایمان لاتے ہیں اور شام کے وقت برگشتہ ہوجائیں گے اس طرح یہ منفی پروپیگنڈا یقینی ہوجائے گا کہ اس نئے مذہب کے افکار میں کوئی جان نہیں۔اگر کوئی واقعیت ہوتی تو ہم استقامت سے اسلام پر ڈٹ جاتے۔ہمارے دیکھا دیکھی کچھ لوگ تو اسلام سے منحرف ہو جائیں گے۔

آیت میں ''مِّنْ'' بعضیہ ہے۔اس سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ سارے ''اَھْلِ الْکِتٰبِ'' یہ اندازِ فکر نہیں رکھتے تھے بعض مخلصین بھی تھے جو خلوص سے دین اسلام کو قبول کر چکے تھے۔

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

''اور نہ یقین کرو سوائے اس شخص کے جو تابعداری کرتا ہے تمہارے دین کی فرمایئے! بے شک جو اللہ کی ہدایت ہے وہی ہدایت ہے اور جو تمہیں دیا گیا ہے اُس کی مثل کسی کو بھی نہیں دیا جاسکتا یا یہ کہ تمہارے ربّ کے پاس کوئی تمہارے خلاف حجت لاسکتا ہے فرمادو فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ وسعت نواز خوب جاننے والا ہے''۔

قرآن مجید کی یہ آیت یہود کی سفلہ کاریوں کی ایک اور تصویر قرآن پڑھنے والوں کے سامنے لاتی ہے۔وہ لوگ جو اس قوم کی قیادت کر رہے تھے انہوں نے اپنے پیچھے چلنے والے ارذلیین کے اضلالات میں اضافہ کیا اور انہیں ڈھٹائی اور ضد پر جم جانے کی تلقین کی (267)۔مفسر سدّی کہتے ہیں کہ یہ خیبر کے یہودیوں کی وہم سازی تھی جو انہوں نے مدینہ کے یہودیوں کے سامنے گفتگو کی صورت میں رکھی کہ تم لوگ کسی کی بات نہ مانو سوائے ان لوگوں کے جو تمہارے دین کی پیروی کرتے ہیں اور یہ اندیشہ بھی ذہن میں نہ لاؤ کہ قیامت کے دن تمہارے ربّ کے پاس کوئی حجت لاسکتا ہے۔دین کے اعتبار سے تم ہر قوم سے اچھے لوگ ہو اور تم یہ بھی ہرگز تسلیم نہ کرنا کہ کسی قوم کو تم لوگوں سے بڑھ

مفردات

وَلَا: اور نہ
تُؤْمِنُوْٓا: مانو تم
اِلَّا: مگر
لِمَنْ: اُس شخص کی بات
تَبِعَ: جو پیروی کرے
دِيْنَكُمْ: تمہارے دین کی
قُلْ: فرمادو
اِنَّ: بے شک
الْهُدٰى: ہدایت
هُدَى: ہدایت
اللّٰهِ: اللہ ہی سے ہے
اَنْ: یہ کہ نہ
يُّؤْتٰٓى: دیا گیا
اَحَدٌ: کوئی ایک
مِّثْلَ: مثال
مَآ اُوْتِيْتُمْ: جو تم دیے گئے
اَوْ: یا
يُحَاۗجُّوْكُمْ: حجت پکڑے، تمہارے خلاف
عِنْدَ: پاس
رَبِّكُمْ: تمہارے ربّ کے
قُلْ: فرمادو
اِنَّ الْفَضْلَ: بے شک فضل
بِيَدِ اللّٰهِ: اللہ کے ہاتھ میں ہے
يُؤْتِيْهِ: دیتا ہے
مَنْ يَّشَاۗءُ: جسے چاہتا ہے
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ: اور اللہ وسعت والا
عَلِيْمٌ: بہت زیادہ جاننے والا

يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾
وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ
مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾
بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾

(74) وہ اپنی رحمت کو جس کے ساتھ چاہتا ہے خاص کر دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے

(75) اور اہل کتاب میں سے کوئی تو وہ ہے کہ اگر تو اس کے پاس امانت چھوڑے ایک انبار تو وہ ادا کر دے اُسے تمہاری طرف اور انہی میں سے وہ بھی ہے کہ اُس کے پاس تو اگر ایک دینار بھی امانت رکھے تو وہ اُسے واپس تیری طرف نہ لوٹائے مگر جب تک کہ تو اُس پر کھڑا ہی رہے، یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ اُمّی لوگوں کے معاملہ میں ہم پر کوئی گرفت نہیں اور اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں حالانکہ وہ علم رکھتے ہیں

(76) ہاں جس نے اپنے عہد کی پاسداری کی اور تقویٰ اختیار کیا تو بے شک اللہ تقویٰ داروں سے محبت رکھتا ہے

مفردات

يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

''وہ اپنی رحمت کو جس کے ساتھ چاہتا ہے خاص کر دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے''۔

قرآن مجید کی یہ آیت واشگاف اعلان کرتی ہے کہ اللہ جس کے ساتھ چاہتا ہے اپنی رحمت کو خاص کر دیتا ہے۔ یہاں نزول وحی کو رحمت قرار دے کر اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کے اختصاص نبوت کے عنوان کو ابھار رہا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی سیرت اور آپ کا اُسوہ رحمت ہے۔

انسانیت جب بھی سلجھے گی حضرت محمد ﷺ ہی کی رہبری میں سلجھے گی۔ عربی زبان میں ''رحمت'' عواطف کی ایسی نرمی اور رقّت کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسرے کے لیے احسان اور شفقت کا ارادہ جوش میں آجائے۔ پس رحمت میں محبت، شفقت، فضل اور احسان سب کا مفہوم داخل ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے مطابق کائنات میں جو کچھ خوبی اور کمال میں سے ہے وہ رحمت الٰہی ہی کا ظہور ہے۔

ابوکلام آزاد نے کتنا خوبصورت لکھا (269):

> ''ستاروں کا نظام اور ان کی سیر و گردش، سورج کی روشنی اور اس کی بوقلمونی، چاند کی گردش اور اس کا اتار چڑھاؤ، فضائے آسمانی کی وسعت اور اس کی نیرنگیاں، بارش کا سماں اور اس کے تغیرات، سمندر کا منظر اور دریاؤں کی روانی، پہاڑوں کی بلندی اور وادیوں کا نشیب، حیوانات کے اجسام اور ان کا تنوع، نباتات کی صورت آرائیاں اور باغ و چمن کی رعنائیاں، پھولوں کی عطر بیزی اور پرندوں کی نغمہ سنجی، صبح کا چہرۂ خنداں اور شام کا جلوۂ محبوب ہر سُو خدائی رحمتوں اور حسن افروزیوں کی جنت سجی ہوئی محسوس ہو رہی ہے''۔

یہ رحمت ہی کے تقاضے تھے کہ بخشش ہو رہی ہے، فیضان برس رہا ہے اور جود و احسان کے چشمے ابل رہے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ انسان کی ہدایت کا عنوان تشنہ رہتا اور کوئی انگلی پکڑنے والا نہ ہوتا۔ کوئی منزل تک پہنچانے والا نہ ہوتا۔ اللہ کی رحمت اور احسان کسی پیکر میں نہ اترتا۔ وجود کا ہر گوشہ رحمتوں کی روشنیوں سے جگمگا رہا ہے اور ہر رحمت ''رحمۃ للعالمین'' آقا کے شمس فیض کی کرن محسوس ہو رہی ہے۔

يَّخْتَصُّ: وہ خاص کر دیتا ہے
بِرَحْمَتِهٖ: اپنی رحمت کے ساتھ
مَنْ: جسے
يَّشَآءُ: وہ چاہتا ہے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
ذُو: والا
الْفَضْلِ: فضل والا
الْعَظِيْمِ: بڑا

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دوسری دلیل دی جارہی ہے کہ وہ فضل عظیم کا مالک ہے۔ آیت میں فضل اور رحمت کو ملا کر بیان کرنا یہود و نصاریٰ کی کنج اندیشیوں کی ظلمت ختم کر کے قافلۂ انسانیت کو چشم ہدایت پر پہنچانا ہے تا کہ وہ کسی نہ کسی طرح حریم رحمت اور بارگاہ علم و فضل تک رسائی حاصل کرلیں اور ان کا مقدر سنور جائے۔

واللہ اعلم

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۵

''اور اہل کتاب میں سے کوئی تو وہ ہے کہ اگر تو اس کے پاس امانت چھوڑے ایک انبار تو وہ ادا کردے اُسے تمہاری طرف اور انہی میں سے وہ بھی ہے کہ اُس کے پاس تو اگر ایک دینار بھی امانت رکھے تو وہ اُسے واپس تیری طرف نہ لوٹائے مگر جب تک کہ تو اُس پر کھڑا ہی رہے، یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ اُمّی لوگوں کے معاملہ میں ہم پر کوئی گرفت نہیں اور اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں حالانکہ وہ علم رکھتے ہیں''۔

قرآن مجید کی آیات ایک ماہر طبیب کے ان نسخوں کی طرح ترتیب دی گئی ہیں جو بیماریوں اور امراض کو روبصحت کرنے کے لیے دی جاتی ہیں۔ قرآن مجید خواہ مخواہ عیب چینی نہیں کرتا وہ نفسیاتی حالت کا مشاہدہ ضرور کرتا ہے۔ اس آیت میں بھی قاریٔ قرآن اچھی طرح محسوس کرسکتا ہے کہ اہل کتاب کو نفسیاتی چوٹوں سے بچایا جارہا ہے اور بتایا جارہا ہے کہ یہ دو قسم کے لوگ ہیں، سب ایک ہی طرح کی مخلوق نہیں۔ بعض ان میں ایسے بھی ہیں کہ تم لوگ ان پر اعتماد کرتے ہوئے مال و دولت کے ڈھیر بھی دے دو تو وہ تمہارا مال واپس کردیں اور ان میں ایسے خسیس لوگوں کی بھی کمی نہیں کہ جن کے بارے میں ایک پھوٹی کوڑی کا بھی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، ہاں یہ کہ تم لوگ ان کے سر پر سوار ہوجاؤ۔

سید قطب نے آیت کی تعبیر میں عمدہ خیالات کا اظہار کیا ہے (270) کہ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب اہل کتاب جماعت مسلمہ کے مقابلے میں اترے ہوئے تھے اور بحث و تکرار میں پڑے ہوئے تھے۔ قرآن مجید نے ان کے رویوں کا تجزیہ کس قدر انصاف اور عدل کے اسلوب میں کیا ہے اور اہل کتاب کے بارے میں قرآن حکیم نے اس وقت جو بیان کیا اس وقت بھی ان کی حالت وہی ہے۔ قرآن مجید کا زور اہل کتاب کے ان لوگوں کی مخاصمت اور ڈھٹائی سے پردہ ہٹانا ہے جو خیانت،

مفردات

وَ: اور
مِنْ: سے
اَهْلِ الْكِتٰبِ: اہل کتاب
مَنْ: وہ بھی ہیں جو
اِنْ: اگر
تَاْمَنْهُ: تو اگر امانت رکھے
بِقِنْطَارٍ: ایک ڈھیر
يُّؤَدِّهٖٓ: وہ ادا کرے وہ کچھ
اِلَيْكَ: آپ کو
وَمِنْهُمْ: اور ان میں سے
مَّنْ: ایسا بھی ہے جو
اِنْ: اگر
تَاْمَنْهُ: تم امانت رکھو
بِدِيْنَارٍ: ایک دینار
لَّا يُؤَدِّهٖٓ: وہ ادا نہ کرے
اِلَيْكَ: تیری طرف
اِلَّا: سوا اس کے، جب تک
مَا دُمْتَ: قائم رہیں آپ
عَلَيْهِ: اس پر
قَآئِمًا: کھڑا
ذٰلِكَ: وہ اس لیے ہے
بِاَنَّهُمْ: کہ وہ لوگ
قَالُوْا: کہتے ہیں یا کہا انہوں نے
لَيْسَ عَلَيْنَا: نہیں ہے ہم پر
فِي: میں
الْاُمِّيّٖنَ: ان پڑھ
سَبِيْلٌ: راستہ

اب اس آیت میں وعدوعہد کے ایفااور تقویٰ کے محاسن کا عنوان چھیڑ دیا گیا۔

زجاج نے لکھا کہ یہودی اعرابیوں سے قرض لیتے لیکن اگر کوئی ان میں سے مسلمان ہوجاتا تو وہ حسب وعدہ ادائیگیوں میں ٹال مٹول کرتے اور مال واپس ادا نہ کرتے اور کہتے تمہارے معاملہ میں ہم پر کچھ واجب نہیں (275)۔

امام ابوحنیفہ نے انہی آیات سے مسئلہ مستفاد کیا کہ مقروض کے ساتھ ساتھ رہنا چاہیے۔آپ فرماتے تھے ''مادمت علیہ قائماً'' سے یہ معنیٰ مستفاد ہوتا ہے(276)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا معروف قول ہے کہ اندھے آدمی سے کبھی کسی حاجت کا سوال نہ کریں اس لیے کہ حیا آنکھ میں ہوتی ہے اور وہ بینائی سے محروم ہوتا ہے۔اگر تم اپنے بھائی سے کوئی چیز طلب کرو تو چہرہ اور آنکھ اُس کی طرف پھیرو یہاں تک کہ وہ حیا محسوس کرے یوں وہ تمہارا کام کردے گا(277)۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

> ''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اُس سے حیا چھین لیتا ہے اور جب اُس سے حیا وہ لے لیتا ہے تو اُسے نفرت اور ناپسندیدگی کے بغیر کچھ نہیں ملتا اور اسی مرحلے پر اُس سے امانت چھین لی جاتی ہے اور جب اُس سے امانت لے لی جاتی ہے تو وہ خیانت کا ارتکاب کرتا ہے اور خیانت جب اسے گھیر لیتی ہے تو رحمت اس سے چھین لی جاتی ہے اور رحمت وجود سے جب نکال دی جاتی ہے تو بندہ لعنت اور دھتکار میں گھر جاتا ہے اور یوں اسلام کا قلادہ اس سے اتار لیا جاتا ہے''(278)۔

اور ایفائے عہد کے بارے میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معروف ارشاد ہے(279):

> ''اُس کا دین نہیں جس کا عہد نہیں''۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

(77) بے شک وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے میں حقیر و قلیل پُونجیوں کا کاروبار کرتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کچھ حصّہ نہیں اور نہ ہی اللہ اُن سے کلام فرمائے گا اور نہ ہی قیامت کے دن وہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا

(78) بے شک اُن میں سے ایک فریق ایسا بھی ہے جو کتاب میں اپنی زبانوں کو ایسے جُل دیتے ہیں تا کہ تم اسے کتاب خیال کرو حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا ہے اور جھوٹ کہتے ہیں اللہ پر اور وہ جانتے ہوتے ہیں

مفردات

اِنَّ: بے شک
الَّذِیْنَ: وہ لوگ
یَشْتَرُوْنَ: جو خرید و فروخت کرتے ہیں
بِعَھْدِ: عہد
اللّٰہِ: اللہ
وَاَیْمَانِھِمْ: اور اپنی قسموں
ثَمَنًا: مول، قیمت
قَلِیْلًا: تھوڑا
اُولٰٓئِکَ: یہی لوگ
لَا خَلَاقَ: کوئی حصہ نہیں
لَھُمْ: ان کے لیے
فِی الْاٰخِرَۃِ: آخرت میں
وَلَا: اور نہیں
یُکَلِّمُھُمُ: وہ بات کرے گا اُن سے
اللّٰہُ: اللہ
وَلَا یَنْظُرُ: اور وہ دیکھے گا نہیں
اِلَیْھِمْ: ان کی جانب
یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ: قیامت کے روز
وَلَا: اور نہیں
یُزَکِّیْھِمْ: ان کو صاف ستھرا کرے گا
وَلَھُمْ: اور ان کے لیے
عَذَابٌ: عذاب
اَلِیْمٌ: دردناک

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰہِ وَاَیْمَانِھِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ لَا خَلَاقَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ وَلَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ ۪ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۷﴾

''بے شک وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے میں حقیر و قلیل پونجیوں کا کاروبار کرتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور نہ ہی اللہ اُن سے کلام فرمائے گا اور نہ ہی قیامت کے دن وہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا''۔

شانِ نزول

اشعث بن قیس روایت کرتے ہیں کہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان زمین کا تنازعہ ہوا اور اُس نے میرا حق ادا کرنے سے انکار کر دیا، میں اُسے رحمت عالم کے حضور لے آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا! کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟ میں نے عرض کی! رسول اللہ! گواہ تو نہیں ہیں۔ آپ نے یہودی کو حلف اُٹھانے کا کہا۔ میں نے عرض کی: ''حضور یہ حلف دے دے گا اور میرا مال لے جائے گا'' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی (280)۔

ایک دوسری روایت

کعب بن اشرف، ابورافع اور حی بن اخطب یہود نے جب دیکھا کہ ان کی اجتماعی حیثیت خطرے میں ہے تو انہوں نے تورات میں تحریف کی ٹھان لی۔ رسول کریم ﷺ کی نشانیاں جہاں جہاں تھیں انہیں مٹا دیا اور قسمیں بھی کرنے لگے کہ جو کچھ ان کے پاس ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی (281)۔

''ثَمَنًا قَلِیْلًا'' گھٹیا کمائی

آیت یہ کہتی ہے جو لوگ اللہ سے کیا ہوا عہد و پیمان دنیوی مفاد کی خاطر توڑتے اور تحریف و تذلیل کے عوض تھوڑی سی پونجی کماتے اُسے قرآن حکیم ''ثَمَنًا قَلِیْلًا'' سے تعبیر کرتا ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص نے کسی مسلمان کا حق اپنی قسم کے ساتھ مار دیا تو یقینی امر ہے کہ اس کے لیے اللہ نے جہنم کو واجب کر

دیا اور اس پر جنت کو حرام کر دیا''۔

ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ!

اگر وہ چیز تھوڑی سی ہو پھر بھی؟

آپ نے فرمایا:

''اگر چہ وہ درخت کی ایک شاخ ہی ہو''۔

پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (282)۔

''ثَمَنًا قَلِيْلًا'' سے مراد یہ ہے کہ انہیں عظیم گناہوں کے بدلے جو بھی مادی قیمت حاصل ہوگی وہ کم، بے وقعت، حقیر اور ذلیل ہوگی۔

آیت میں سزاؤں کی تفصیل

آخرت میں اللہ تعالیٰ جب اپنے چاہنے والوں کو بے شمار نعمتوں سے نوازے گا یہ لوگ اپنی گھٹیا تجارت کے عوض کچھ نہ پائیں گے۔ دوسری سزا آیت نے یہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں سے کلام فرمائے گا وہ اس اجر عظیم کی حلاوت سے پُر کیف انعامات کی لذتوں سے فیض یاب ہوں گے لیکن منحرف یہودیوں سے اللہ کلام نہ فرمائے گا۔ تیسری سزا یہ ہوگی کہ یہ لوگ اللہ کی نگاہِ لطف و کرم سے محروم ہوں گے اور چوتھی سزا یہ ہوگی کہ اللہ انہیں گناہوں کی آلودگیوں سے صاف نہیں فرمائے گا اور پانچویں سزا یہ ہوگی کہ اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

''بے شک اُن میں سے ایک فریق ایسا بھی ہے جو کتاب میں اپنی زبانوں کو ایسے جُل دیتے ہیں تا کہ تم اسے کتاب خیال کرو حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا ہے اور جھوٹ کہتے ہیں اللہ پر اور وہ جانتے ہوتے ہیں''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں ایک ایسی قوم کے ساتھ علمی لوگوں کے مخرب دین رویے اور جاہلانہ تحریفات کا بیان ہے جو حساس ذہن، معصوم فکر، پاکیزہ دل اور بلند روح رکھتے تھے۔ چشمۂ نبوت سے خلوص کے ساتھ وہ فیض پا رہے تھے۔ آیت کے مطابق اخلاق ذمیمہ کے حاملین یہود کے کچھ

مفردات

وَاِنَّ: اور بے شک
مِنْهُمْ: ان میں سے
لَفَرِيْقًا: ایک گروہ ہے
يَّلْوٗنَ: ٹیڑھا کرتے ہیں
اَلْسِنَتَهُمْ: اپنی زبانوں کو
بِالْكِتٰبِ: کتاب کے ساتھ
لِتَحْسَبُوْهُ: تا کہ تم گمان کرو اور تم سمجھنے لگ جاؤ
مِنَ: سے
الْكِتٰبِ: کتاب
وَمَا هُوَ: اور نہیں ہے وہ، ''و'' حالیہ بھی ہو سکتا ہے
مِنَ الْكِتٰبِ: کتاب سے
يَقُوْلُوْنَ: اور کہتے ہیں
هُوَ: وہ
مِنْ: سے
عِنْدِ اللّٰهِ: اللہ کی طرف سے
وَمَا هُوَ: حالانکہ وہ نہیں ہوتا ہے
مِنْ: سے
عِنْدِ اللّٰهِ: اللہ کے پاس سے
وَيَقُوْلُوْنَ: اور کہتے ہیں
عَلَى اللّٰهِ: اللہ پر
الْكَذِبَ: جھوٹ
وَ: حالانکہ، اور
هُمْ: وہ لوگ
يَعْلَمُوْنَ: علم رکھتے ہیں

طرح کھینچنا کہ وہ منزل کی بجائے کسی اور جانب پھر جائے۔ جھوٹ بولنے سے یہ لفظ کنایہ ہے، زبان کو تروڑ مروڑ کر باتیں کرنا اور افترا پردازی کرنا اس مادہ کے مفہومات ائمہ لغت نے لکھے ہیں (284)۔

زبانوں میں ''لیی'' اور اراغت کا معنیٰ حقیقی بھی ہوسکتا ہے یعنی یہودی لوگ اپنی زبان سے کتاب کے الفاظ میں تحریف کرتے، کسی ایک حرف کو ادا کرتے ہوئے دوسرے حرف کے طریق ادا کی طرف پھیر دیتے جیسے ''راعِنا'' کو ''راعینا'' پڑھ دیتے۔ اس سے وہ گستاخیوں کے دروازے کھولتے یا سلام بھیجتے ہوئے ''السام علیک'' کہہ دیتے۔

ابن عاشور نے لکھا یہاں مجازی معنیٰ بھی مراد لیا جاسکتا ہے یعنی وہ الفاظ کے معانی متعین کرنے میں قیاس فاسدہ، موضوع کاذبہ اور تاویلات باطلہ کو کتاب کا حصہ بنا دیتے جیسے ابن صوریا نے زانی کی سزا رجم کا حکم مخفی کرنے میں دھوکہ اور دجل سے کام لیا (285)۔

آیت میں ''الْکِتٰبِ'' میں بھی تکریر ہے، اسم جلالت میں تکریر ہے۔ مرزوقی نے کہا: یہ تکریر تفخیم کے معنوں میں ہے۔ یہ چھوٹی بات تو نہیں کہ اپنے لکھے ہوئے کو اللہ کا لکھا ہوا کہنا اور اپنے ذہن کے تراشیدہ احکام کو ''مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ'' کہہ دینا (286)۔

یہ آیت اس حقیقت کو بھی کھول دیتی ہے کہ علمی زندگی میں سب سے بڑی آفت جھوٹ اور کذب لسانی ہوتی ہے۔ ان یہودیوں کی بدقسمتی کہ یہ علم کے باوجود اپنی زبان کو جھوٹ کے کالے نمک سے رگڑتے رہتے۔ کتابوں میں جعلسازیاں ان کا قومی شعار بن چکا تھا جسے اب بھی یہ سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔

❁❁❁❁❁

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ
لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا
كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾
وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ
بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨٠﴾

(79) کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اُسے کتاب، حکمت اور نبوّت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے یہ کہنے لگ جائے تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ اُس کا کہنا یہی ہوگا کہ ربّ والے ہو جاؤ اس لیے کہ تم کتاب کی تعلیم جو دیتے ہو اور خود بھی اسے پڑھتے رہتے ہو

(80) اور تمہیں وہ یہ حکم بھی نہیں دے گا کہ فرشتوں اور انبیاء کو ربّ ہی بنالو تم پر کوئی کفر کو کیسے پیش کرسکتا ہے جبکہ تم خود پکے مسلمان بن چکے ہو

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾

''کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اُسے کتاب، حکمت اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے یہ کہنے لگ جائے تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ اُس کا کہنا یہی ہوگا کہ ربّ والے ہو جاؤ اس لیے کہ تم کتاب کی تعلیم جو دیتے ہو اور خود بھی اسے پڑھتے رہتے ہو''۔

اس آیت میں یہودیوں اور عیسائیوں کی مذموم منصوبہ بندی کا تیسرا رخ قاریٔ قرآن کے سامنے لایا جا رہا ہے۔ وہ سمجھتے تھے جو کام مال اور زر کے لگانے، منصب نوازی اور بہتان طرازی اور رعب اور دھمکیوں سے نہ ہو سکے اس کے لیے ایک اور راستہ ہوتا ہے کہ ڈٹے ہوئے شخص کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچ لی جائے، اُس کی خوشامد اس کی حد سے زیادہ کی جائے، اُس کی بے جا تعریف کی جائے، اُسے آکاش کا سب سے بلند ستارا کہا جائے۔ یہودی اور عیسائی یہی بات تو سمجھ نہیں رہے تھے۔ ''نبوت'' خداداد منصب ہوتا ہے اسے حیلہ گریوں اور فسوں سازیوں سے شکست نہیں دی جا سکتی لیکن ایسے احمق دنیا میں کثیر گزرے ہیں جو تصویروں کے عکس کو بھی حقیقت تصور کر بیٹھتے ہیں اور سورج کی کوئی کرن ہاتھ لگ جائے تو اُسے آفتاب تصور کر لیتے ہیں۔

ایک شخص رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: ہم آپ پر سلام بھیجتے ہیں لیکن اسے آپ کے احترام کے موافق کافی نہیں پاتے، اجازت ہو تو آپ کا امتیاز فائق رکھنے کے لیے آپ کے سامنے سجدہ کر لیا کریں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سجدہ اللہ کے علاوہ کسی کے لیے درست نہیں اپنے نبی کا مقام پہچانو، اُن کے حقوق ادا کرو جو اُن کی پیروی ہے، اطاعت اور ٹوٹ کر ان سے محبت کرنا ہے'' (287)۔

شان نزول میں یہ روایت بھی موجود ہے۔ ابو رافع ایک یہودی تھا۔ ایک مرتبہ وہ نجران کے عیسائی وفد کے ہمراہ حریم رسالت میں حاضر ہوا اور صاف صاف کہنے لگا کہ آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں اور آپ کو مقام الوہیّت پر فائز سمجھیں (288)۔

رسول رحمت ﷺ نے فرمایا: ''معاذ اللہ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اجازت دوں کہ کوئی شخص ربّ احد کے سوا کسی اور کو معبود بنا لے، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا''۔

مفردات

مَا كَانَ: نہیں ہے
لِبَشَرٍ: کسی انسان کے لیے
اَنْ: یہ کہ
يُّؤْتِيَهُ: دیوے اس کو
اللّٰهُ: اللہ
الْكِتٰبَ: کتاب
وَالْحُكْمَ: اور حکم
وَالنُّبُوَّةَ: اور نبوت
ثُمَّ: پھر
يَقُوْلَ: وہ کہے
لِلنَّاسِ: لوگوں کے لیے
كُوْنُوْا: ہو جاؤ تم
عِبَادًا: عبادت گزار
لِّيْ: میرے لیے
مِنْ: سے
دُوْنِ اللّٰهِ: اللہ کے سوا
وَلٰكِنْ: اور لیکن
كُوْنُوْا: ہو جاؤ
رَبّٰنِيّٖنَ: ربّ والے
بِمَا: اس کے سبب
كُنْتُمْ: تم لوگ
تُعَلِّمُوْنَ: تم سکھاتے ہو
الْكِتٰبَ: کتاب
وَبِمَا: اور بسبب ان کے
كُنْتُمْ: کہ تم لوگ
تَدْرُسُوْنَ: تم آپ بھی پڑھتے تھے

حسن نبوت بشریت کا قالب نورانی

کون بے وقوف اور احمق اس میں شک کر سکتا ہے کہ روشنی کی کرنیں، نور کی لہریں اور ضیاء کی جگمگاہٹ شادابیٔ حیات کا ذریعہ بنتی ہیں۔ یہ افق اور شفق کے کناروں ہی سے بکھرتی ہیں۔ تاروں کا حسن پوری کائنات میں مسکراتا محسوس ہوتا ہے اور ان کے جلوے شاداب درختوں کی محو رقص شاخوں پر جہاں محسوس ہوتے ہیں وہاں صحرائی سنگریزوں کی چھاتی پر بھی محسوس ہوتے ہیں۔ آفتابی شعاعوں کی تاریں ننھے پودوں کی معصوم ٹہنیوں پر موسیقی بکھیرتی ہیں لیکن روشنی جہاں بھی ہو اس کا قالب سورج، ستارے اور چاند ہوتا ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ نبوت روشنی ہے، کتاب نور ہے اور حکمت ضیاء ہے لیکن ان سب محاسن و مناصب کا قالب بشریت ہے۔ ایسی بشریت جس کا خمیر نور میں گوندھ کر تیار کیا گیا ہوتا ہے۔ یہاں شائبہ شرک نہیں ہوتا، یہاں سے روحانی ہدایت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ قرآن مجید صاف طور پر اعلان کر دیتا ہے کہ کسی انسان کے لیے یہ حق ہی نہیں بنتا کہ اللہ اسے صحیفۂ نور، علم و دانش اور نبوت سے نوازے اور وہ پھر لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلائے یہ ممکن ہی نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ ہستیاں جن کی گود میں فطرت علم و حکمت کے یہ خزانہ ڈالے وہ ہمیشہ عبدیت اور عبودیت کے اندر رہتے ہیں۔ وہ عبدیت سے ماوریٰ معبود کے ساتھ شریک ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جو ان پاکیزہ ہستیوں کے بارے میں لمحہ بھر کے لیے بھی منفی سوچ اپنائے وہ اپنے ایمان کے لباس کو خود پھاڑ دیتا ہے۔ قرآن مجید کا یہ اسلوب عقل سے عاری لوگوں کی حماقتوں کا افسوس نامہ ہے کہ ایسے ہی لوگ مسرتوں اور اطمینان سے محرومیوں کی دوزخ میں پٹخ دیے جاتے ہیں۔ قرآن نہ پڑھنا بھی دلوں کو ناتواں اور روحوں کو منجمد کر دیتا ہے۔ حیات عقیدہ کی جنت تو قرآن حکیم کی آیات بینات ہیں۔

ربانی ہو جاؤ

کتاب، نبوت اور حکمت سب کا منشا یہ ہوتا ہے کہ لوگ ''ربانی'' ہو جائیں اللہ والے بن جائیں۔ مفسرین نے ''ربانی'' کے دو معانی بیان کیے ہیں: پہلا معنیٰ تو یہ بیان ہوا کہ یہ لفظ ''منوب الی الرب'' ہے، جیسے ''الٰھی منوب الی الاٰلہ'' ہے۔ عربی زبان میں ''لحیانی کثیر اللحیہ'' شخص کو کہتے ہیں جس کی داڑھی گھنی اور کثیر ہو۔ موٹی گردن والے آدمی کو ''رقبانی'' کہہ دیتے ہیں۔

''شعرانی'' وہ شخص ہوتا ہے جس کے بال لمبے اور گھنے ہوں۔ ''ربانی'' اگر ''منوب الی الربان'' ہو تو معنیٰ ''معلم الخیر'' ہوتا ہے (289)۔

''ربانی'' کا مفہوم المفردات میں یہ بھی لکھا گیا ہے جو بڑی چیزوں کے ساتھ چھوٹی چیزوں کی بھی تعلیم دے (290)۔ زبدہ کا مؤلف لکھتا ہے کہ ''ربانی'' وہ مربی اور مرشد ہوتا ہے جو اصول اور

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ
جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ
قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ
فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾
فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾
اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ وَ لَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ
طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

(81) اور یاد کرو جب اللہ نے تمام نبیوں سے پختہ وعدہ لیا کہ جب میں تمہیں کسی کے ذریعہ کتاب وحکمت سے کچھ عنایت کروں پھر تشریف لائے تمہارے پاس عظیم رسول تصدیق کرنے والے جو تمہارے پاس ہے اُس کی تو تم ضرور ضرور ایمان لانا ان پر اور ضرور ضرور ان کی مدد کرنا، فرمایا کیا تم نے اقرار کرلیا اور اس اقرار پر تم نے میرا بھاری ذمہ قبول کرلیا، بولے ہم نے اقرار کیا فرمایا تم سب گواہ ہو جاؤ میں تمہارے ساتھ ہی گواہوں میں سے ہوں

(82) پھر اس کے بعد جس نے اعراض برت لیا تو ایسے سب لوگ نافرمان ہوں گے

(83) کیا وہ اللہ کے دین کے سوا کچھ اور تلاش کرتے ہیں حالانکہ اس کے سامنے آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے خوشی سے اور مغلوب ہو کر گردن بچھائے ہوئے ہے اور اسی کی طرف سب لوٹائے جائیں گے

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾

''اور یاد کرو جب اللہ نے تمام نبیوں سے پختہ وعدہ لیا کہ جب میں تمہیں کسی کے ذریعہ کتاب و حکمت سے کچھ عنایت کروں پھر تشریف لائے تمہارے پاس عظیم رسول تصدیق کرنے والے جو تمہارے پاس ہے اُس کی تو تم ضرور ضرور ایمان لانا ان پر اور ضرور ضرور ان کی مدد کرنا، فرمایا کیا تم نے اقرار کرلیا اور اس اقرار پر تم نے میرا بھاری ذمہ قبول کرلیا، بولے ہم نے اقرار کیا فرمایا تم سب گواہ ہو جاؤ میں تمہارے ساتھ ہی گواہوں میں سے ہوں''۔

یادوں کا خوبصورت عہد

قرآن مجید کی یہ آیت ''وَ اِذْ'' سے شروع ہوتی ہے۔ بظاہر یہ دو حرفی لفظ ہیں لیکن ان کا آئینہ تاریخیت وسعت مآب ہے۔ ترتیب سخن سے شعلۂ نور روشن ہو رہا ہے جس میں ازمنۂ قدیم کی دعوتی یادوں کے چہرے نمایاں نظر آرہے ہیں۔ مظلوم مفسرین کی بے ترتیب یادداشتیں عقل کے بیابانوں اور جنگلوں میں کھوئی ہوئی اور تھکی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ طالبین ان سے مچھلیاں مانگتے ہیں اور وہ انہیں سانپ تحفے میں دیتے ہیں لیکن پھر بھی دعویٰ یہ ہے کہ وہ جود و کرم کے تاجدار ہیں۔ آیت کی تفسیر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا قول قطعی ہے جسے ابن عاشور نے اور فخر الدین رازی نے شہامت کے ساتھ نقل کیا ہے(295):

> ''اللہ نے جب آدم اور دوسرے انبیاء کو پیدا کیا تو ان سے عہد لیا کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوں گے تو وہ ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں''۔

علامہ آلوسی اور خازن اس کی مزید تشریح کرتے ہیں (296) کہ ''مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ'' تو ایک ہی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے لیا لیکن ہر نبی اُس کی تجدید اپنے اپنے دور میں اپنی قوم سے کرواتا رہا، گویا ہر زمانے اور ہر دور میں بعثت محمدیہ کی آواز گونجتی رہی، ایمان کی چنگاریاں سلگتی رہیں اور ان کی نصرت کے رنگ نکھرتے رہے۔ دعائے خلیل، نوید مسیحا، ذکر زبور، انابت آدم انبیاء کے دلوں میں موجود محمدی بعثت کے لیے منتظر آتش فشاں ہی تو تھے جن میں عبث تاویلات کے تنکے جلتے رہے اور خود بخود یہ اعتراف

مفردات

وَ اِذْ: اور جب
اَخَذَ: لیا
اللّٰهُ: اللہ نے
مِیْثَاقَ: پختہ عہد
النَّبِیّٖنَ: نبیوں سے
لَمَاۤ: جب
اٰتَیْتُكُمْ: میں تمہیں عطا کروں گا
مِّنْ: سے
كِتٰبٍ: کتاب
وَّ حِكْمَةٍ: اور حکمت
ثُمَّ: پھر
جَآءَكُمْ: آئے تمہارے پاس
رَسُوْلٌ: عظیم الشان رسول
مُّصَدِّقٌ: تصدیق کرنے والا
لِّمَا: اُس کی
مَعَكُمْ: جو تمہارے پاس ہے
لَتُؤْمِنُنَّ: تمہیں ضرور ایمان لانا ہے
بِهٖ: ساتھ اُس کے
وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ: اور ضرور تمہیں اس کی مدد کرنا ہے
قَالَ: کہا
ءَ: کیا؟
اَقْرَرْتُمْ: تم نے اقرار کرلیا
وَ اَخَذْتُمْ: اور لے لیا تم نے
عَلٰى ذٰلِكُمْ: اس پر
اِصْرِیْ: بھاری ذمہ داری
قَالُوْۤا: کہنے لگے
اَقْرَرْنَا: ہم نے اقرار کرلیا

تسلیم ورضا کی تاریخ بن گیا کہ ''مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ'' کی بارات کا دولہا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔

ضمیر کا شجر طوبیٰ

زندگی بھی راز ہے لیکن اس سے بھی زیادہ گہرا راز عالم ارواح کا وہ نورانی جلسہ ہے جس میں رحمت کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق اور نصرت کا وعدہ انبیاء کے نورانی اور روحانی قافلہ سے لیا گیا۔ ''بہ'' ضمیر اور ''وَلَتَنْصُرُنَّهٗ'' میں ''ہ'' ضمیر کی وحدت خود عنوان کو بکھرنے نہیں دیتی اور معنیٰ متعین کرنے میں کسی عادل محقق کو ڈگمگانے نہیں دیتی۔ اُس کا سہارا بن جاتی ہے کہ یہ کوئی ایک ہی ہستی ہے جس کی نصرت اور ایمانی تائید کا وعدہ لیا جا رہا ہے۔ محبت کا عنوان ایک ہی ہے لیکن اس کے جلوے مختلف زمانوں میں مختلف نظر آتے ہیں۔ شمع کو آئینے کے سامنے رکھ دیں تو شمع کی تعداد بڑھتی جائے گی۔ جتنے آئینے بڑھاتے جائیں گے۔ شمع تو ایک ہے آئینے متعدد ہوتے ہیں۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن میں وحدت ہے، تصدیق میں کثرت ہے۔ اصل میں تکریمات اور اکرامات کی تقسیم تو نسبتوں کا نور تقسیم کرنے کے لیے ہے۔

''مِیْثَاقَ'' کی لغوی تحقیق

''مِیْثَاقَ، وثوق'' سے ہے جو ''وثق، یثق'' کا مصدر ہے۔ اساسی معنیٰ بہت مضبوط اور پختہ ہونا ہوتا ہے۔ ''مِیْثَاقَ'' اسی مادہ سے مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا مفہوم ایسا عہد ہوتا ہے جو بہت زیادہ مضبوط ہو۔

مفتی احمد یار خان بدایونی لکھتے ہیں (297):

چھ لفظوں میں فرق کرنا ضروری ہوتا ہے:

1۔ اقرار 2۔ دعویٰ 3۔ وعدہ 4۔ عہد 5۔ میثاق 6۔ اور اصر

گزشتہ زمانے کی کسی چیز کو اپنے ذمہ لینا ''اقرار'' ہوتا ہے اور گزشتہ بات کو دوسرے کے ذمہ لگانا ''دعویٰ'' کہلاتا ہے اور آئندہ زمانے کے لیے کسی چیز کو اپنے ذمہ لے لینا ''وعدہ'' ہوتا ہے۔ اگر وعدہ ہی تحریر میں لایا جائے یا کسی اور طریقے سے اس میں پختگی لائی جائے تو یہ ''عہد'' ہوتا ہے اور اگر پختگی اس سے بھی بڑھا دی جائے تو یہ ''میثاق'' ہوگا اور اگر میثاق کو توڑنے کی سزا بھی مقرر کر دی جائے تو پھر یہ ''اصر'' ہوگا۔

لَمَا اور لِمَا کی قرأت میں فرق

زمخشری نے ''لمَا'' تشدید کے ساتھ پڑھنے میں دو معانی کیے ہیں (298):

- پہلا معنیٰ تو یہ ہوگا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت سے نوازوں پھر وہ وقت جب

مفردات

قَالَ: فرمایا
فَاشْهَدُوْا: گواہ بن جاؤ
وَاَنَا: اور میں
مَعَكُمْ: تمہارے ساتھ
مِّنَ: سے
الشّٰهِدِيْنَ: گواہوں سے ہوں

تمہارے پاس اس کی تصدیق کرنے والا رسول آئے تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا تم پر لازم ہوگا۔

- دوسرا معنیٰ یہ ہوگا کہ تمہیں کتاب اس لیے دی ہے کہ تم اس پر ایمان لاؤ۔

''لَمَا'' مخفف پڑھنے کی صورت میں لام برائے ابتدا ہے۔ یہ جملے میں حسن اور قسم دو معانی پیدا کرتا ہے۔ اگر یہ حلف لینے کے معنوں میں ہو تو میثاق میں بہت زیادہ پختگی کا مفہوم دے گا۔

''لَمَا'' میں لام کے نیچے کسرہ پڑھنے سے یہ تعلیل کا معنیٰ پیدا کرے گا، معنیٰ یہ ہوگا کہ نبیوں سے میثاق لیا اس لیے کہ جسے بھی کتاب وحکمت دی گئی ہے اسے اس فضلیت کے ساتھ مخصوص کرنا لازم کرتا ہے کہ وہ باقی انبیاء اور رسولوں کی تصدیق کریں۔ تفصیل تفسیر کبیر میں دیکھی جاسکتی ہے (299)۔

''رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ'' سے مراد

''ثُمَّ'' صراحت کے ساتھ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ایک ایسے عظیم الشان رسول دنیا میں تشریف لانے والے ہیں جو تمام انبیاء کی نبوت اور اصولی تعلیمات کی تصدیق کریں گے اور نزول وحی کے مؤید ہوں گے۔ علامہ فخر الدین رازی نے بھی یہی لکھا کہ یہاں آیت میں ''رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ'' سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں (300)۔

گواہی سے مراد

علمائے تفسیر نے اُس کے متعدد معانی لکھے ہیں (301):

- پہلا معنیٰ یہ ہے کہ تم ایک دوسرے پر اقرار کے ساتھ گواہ ہو جاؤ۔
- دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ یہ خطاب فرشتوں سے ہے کہ تم گواہ رہو۔
- تیسرا معنیٰ یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی ذات پر گواہ ہو جائے۔
- چوتھا معنیٰ یہ ہے کہ یہ عہد ہر خاص وعام کے سامنے بیان کرو تا کہ کوئی شخص بے خبری میں رہنے کا عذر نہ کر سکے۔
- پانچواں معنیٰ تم یقین کر لو کہ میں نے جس پر تم سے عہد لیا ہے اس پر تم اس طرح ہو جاؤ جیسے کوئی کسی شئی کو دیکھنے والا شاہد ہوتا ہے۔
- چھٹا معنیٰ یہ ہے کہ یہ عہد تمام نبیوں کی اُمتوں سے تھا انہیں کہا گیا کہ تم گواہ ہو جاؤ۔

میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں

قرآن مجید کی یہ آیت اوصاف رسالت بیان کرنے میں عرش معلیٰ کے جلوے رکھتی ہے۔ مقام

رسالت اور فضلیت نبوت کا گلستان نور و بہجت میں ڈوبا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ''اَنَا مَعَكُمْ، میں تمہارے ساتھ'' کی لذتیں اسرار معرفت کی ہزار جنتیں قاریٔ قرآن کے ساتھ لا کر کھڑا کر دیتی ہیں۔ یہ جملہ لزوم اور تقویت دونوں کو آشکار کر دیتا ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ اللہ نے اگر تمہیں گواہ بنایا ہے تو وہ ایسا کرنے میں تمہارا محتاج نہیں۔ یہ صرف تمہارا اعزاز ہے کہ ایک اہم تاریخی معجزے کے تم گواہ بنا دیے گئے ہو۔ دوسرا یہ کہ تاج پوشی کے مشاہدے کی لذتیں اپنی ہی تاریخ رکھتی ہیں اور سر محشر یہ بھی ہوگا کہ کسی اُمت کا کوئی فرد بول بھی نہ سکے گا اس لیے کہ ہر نبی اور رسول، ملائکہ اور اُمتیں میثاق وفا، عہد ایمان اور پیمان نصرت کی خود گواہ ہوں گی اور ان پر خود اللہ تعالیٰ کی گواہی ہوگی۔ شاہد کا معنیٰ اگر واقعۃً مشاہدہ سے لیا جائے تو معنوی اور عرفانی لذتوں کی شیرینی ''لا نظیر لہ'' ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٨٢﴾

''پھر اس کے بعد جس نے اعراض برت لیا تو ایسے سب لوگ نافرمان ہوں گے''۔

اس آیت سے پہلے میثاق کی وسعت بیان ہوئی۔ عہد وفا و نصرت کے تقاضے بیان ہوئے۔ انسانی ضرورتوں کے حوالے سے روحانی تاریخ کی ایجاز کے ساتھ تعبیرات بتائی گئیں۔ رسولوں کے حوالے سے کتاب و حکمت کی اہمیت و فضیلت قاریٔ قرآن کے سامنے لائی گئی۔ عہد کو توڑنے پر وعیدیں سنائی گئیں۔ جمالیاتی اعتبار سے میثاق کے پختہ اور مشاہد ہونے کا بیان دیا گیا۔ اقرار و تصدیق کے نقوش روشن کیے گئے۔ ایمان اور نصرت کا عالمی منشور قرآن کے سامنے بیٹھنے والوں پر آشکار کر دیا گیا اور ذمہ داریوں کے قبول کرنے کی بات بھاری اور ثقیل لفظوں میں لکھی گئی۔

قرآن مجید کی یہ آیت میثاق سے منہ پھیرنے والوں کے لیے عواقب اور نتائج کی نشان دہی کرتی ہے کہ ان تاکیدات، اصرار اور مستحکم و مضبوط عہد کے بعد بھی جو لوگ رسول رحمت کی نبوت اور اطاعت سے روگردانی کریں گے وہ فاسق اور حکم خدا سے برگشتہ ہو جانے والے ہوں گے۔ فسق کا لفظ اور منہ پھیرنے کی نسبت ہمارے نزدیک انبیاء کی ملتوں، قوموں اور اُمتوں کی طرف ہے کہ اس روحانی عہد و میثاق کے جس طرح انبیاء و مرسلین پابند رہے ان کی اُمتوں پر بھی لازم ہے کہ وہ پابند رہیں اور عرفانِ حق کی روحانی، انفرادی اور عالمی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوں۔ یہ آیت اگر یہ گراں بار نتیجہ بیان نہ کرتی تو میثاق پر تاکیدات میں نرمی محسوس ہوتی، اس لیے حکم عدولی کا انجام کردار کے فنا ہونے کی صورت میں بتایا گیا۔ اتنی سخت بات ظاہر ہے پیروکاروں ہی کے لیے ہو سکتی ہے۔ انبیاء اور مرسلین کی طرف ''فسق'' کی نسبت نہیں ہو سکتی۔

مفردات

فَمَنْ: تو جو
تَوَلّٰى: پھر گیا
بَعْدَ: بعد
ذٰلِكَ: اس کے
فَاُولٰٓئِكَ: تو یہی لوگ
هُمُ: وہ
الْفٰسِقُوْنَ: حکم کو توڑنے والے، اطاعت سے منہ موڑ لینے والے

مفردات

اَفَغَيْرَ: کیا تو غیر؟
دِيْنِ: دین
اللّٰهِ: اللہ
يَبْغُوْنَ: وہ تلاش کرتے ہیں
وَلَهٗٓ: حالانکہ اُسی کے لیے، واؤ کا معنیٰ اور بھی ہوسکتا ہے
اَسْلَمَ: اطاعت فگندہ ہے
مَنْ: جو بھی
فِي: میں
السَّمٰوٰتِ: آسمانوں میں
وَالْاَرْضِ: اور زمینوں میں
طَوْعًا: خوشی سے
وَّكَرْهًا: اور مجبوری سے
وَّاِلَيْهِ: اور اسی کی طرف
يُرْجَعُوْنَ: وہ لوٹ کر جائیں گے

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

''کیا وہ اللہ کے دین کے سوا کچھ اور تلاش کرتے ہیں حالانکہ اس کے سامنے آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے خوشی سے اور مغلوب ہو کر گردن بچھائے ہوئے ہے اور اسی کی طرف سب لوٹائے جائیں گے''۔

قرآن مجید کی اس آیت کے محکم، مضبوط اور روح میں اترنے والے اسلوب کی کمندِ تسخیر ان تمام ذہنوں پر ڈال دی جاتی ہے جو بھگوڑا ہونے کے لیے پر کٹے پرندوں کی طرح پھڑ پھڑاتے ہیں، بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں، دین کو چھوڑ کر اسطورے تلاش کرتے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ منکرین کیا اللہ کے دین کو چھوڑ کر کسی اور دین کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ کیا وہ لوگ دین اسلام کی تصدیق صرف اس لیے نہیں کرتے کہ ان کی جھوٹی آرزوؤں اور خواہشات کی یہاں سے تائید نہیں ہوتی۔ سمجھنے کے لائق بات یہ ہے کہ اسلام اپنی تمام تر حقیقتوں اور واقعیت کے ساتھ تکوین کے انگ انگ میں سمایا ہوا ہے۔ ارضین میں کوئی مقام ایسا نہیں اور آسمانوں میں کوئی مکان ایسا نہیں جہاں ضابطۂ اجباری یا ضابطۂ اختیاری کے نتیجہ میں ہر شئی مسلمانی کی تصویر نہ بنی ہوئی ہو۔ سمجھنے دیکھنے کے لیے دل میں دیوانگی کا شور ہونا چاہیے۔ روح میں عرفان حق کی آتش سوزاں کا وجود چاہیے اور ذہن میں تسلیم و وفا کی بے قراری بھڑکتی ہوئی ہونی چاہیے۔ یہ ساماں اگر موجود ہوں تو پھر قرآن کہتا ہے کہ سمٰوٰت کی وسعتوں میں، زمین کی مخلوقات میں، دریاؤں کی روانی میں، دھنک کے رنگوں میں، آبشاروں کی اٹکھیلیوں میں، سمندروں کی لہروں میں، ستاروں کی جھلملاہٹ میں، چٹانوں کی صلابت میں، ہر طرف اور ہر سو تمہیں مسلمانی نظر آئے گی۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ ہر شئی مسلمان ہو کر جی رہی ہے لیکن ان انسانوں کو کیا ہوا کہ جنہیں عقل و فکر کے عطیے دیے تھے وہ ہی مسلمانی کا مقام نہیں سمجھ پا رہے۔ سمجھنے والوں کے لیے اس آیت میں مسلمانی کی کتنی مؤثر تحریک ہے۔ جو دلوں میں تلاوت آیت سے ابل پڑتی ہے۔

❁❁❁❁❁

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ
وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ
مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿٨٤﴾
وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٨٥﴾

(84) کہہ دیجیے! ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو بھی ہماری طرف اُتارا گیا اور نازل کیا گیا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اور جو دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ اور سارے نبیوں کو ان کے ربّ کی طرف سے ہم تو ان میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں ڈالتے اور ہم اسی کے لیے روئے نیاز خم کرنے والے ہیں

(85) اور جس نے اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کیا تو ہرگز وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا

مفردات

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾

''کہہ دیجیے! ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو بھی ہماری طرف اُتارا گیا اور نازل کیا گیا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اور جو دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ اور سارے نبیوں کو ان کے ربّ کی طرف سے ہم تو ان میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں ڈالتے اور ہم اسی کے لیے روئے نیاز خم کرنے والے ہیں''۔

قُلْ: فرما دیجیے
اٰمَنَّا: ہم ایمان لائے
بِاللّٰهِ: اللہ پر
وَمَآ: اور جو
اُنْزِلَ: اترا
عَلَيْنَا: ہم پر
وَمَآ: اور جو
اُنْزِلَ: اتارا گیا
عَلٰٓى: پر
اِبْرٰهِيْمَ: ابراہیم
وَاِسْمٰعِيْلَ: اور اسماعیل
وَاِسْحٰقَ: اور اسحاق
وَيَعْقُوْبَ: اور یعقوب
وَالْاَسْبَاطِ: اور ان کی نسلوں میں
وَمَآ اُوْتِيَ: اور جو دیے گئے
مُوْسٰى: موسیٰ
وَعِيْسٰى: اور عیسیٰ
وَالنَّبِيُّوْنَ: اور سارے نبی
مِنْ: سے
رَّبِّهِمْ: ان کے ربّ کی طرف سے
نُفَرِّقُ: ہم فرق نہیں کرتے
بَيْنَ: درمیان
اَحَدٍ: کسی ایک کے
مِّنْهُمْ: ان میں سے
وَنَحْنُ: اور ہم
لَهٗ: اُسی کے لیے
مُسْلِمُوْنَ: مسلمان ہیں

کائنات ہستی کی محمودیت اعلیٰ

آیت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا جا رہا ہے، محبوب اب آپ فرما دو اس لیے کہ آپ کی زبان کو سعادتوں اور راست بازیوں کا سرچشمہ بنا دیا گیا ہے۔ آپ ہی کے وجود کو مقدس اور مطہر محبت کا مرکز و محور ہونے کی فضیلت دے دی گئی ہے، فلہٰذا آپ فرمایئے آپ کی زبان سے صادر ہونے والے الفاظ افکار کو مستقیم بنانے کا وسیلہ بن جائیں گے، اس لیے آپ اپنی زبان سے عرفان حق کے موتی نچھاور کریں اور اسلامی تحریک کی فکری تلخیص لوگوں کے سامنے لے آئیں، اس لیے کہ آپ کے لفظ خدائی احکام کی تبلیغ بھی ہوگی اور آپ کے غلاموں، چاہنے والوں کی اعتقادی ترجمانی بھی ہوگی۔ پہلوں کے بارے میں عقیدوں کے غنچے چٹک کر پھول بھی بنیں گے اور بعد میں آنے والوں کے لیے رہبری اور رہنمائی کی شاہراہ بھی کھل جائے گی۔

پہلا جملہ یہ ہے کہ کہہ دیجیے کہ ہم اللہ پر ایمان لانے والے ہیں اگر کوئی کور چشم آب صافی کے چشمۂ مطہر کا منکر ہو تو اس کے سامنے پانی کے جام غٹا غٹ نوش کرنا، جگر کو ٹھنڈا کرنا اور لذت کامی پر اپنے مالک کا شکر ادا کرنا دیکھنے والے کی تنگ ظرفی کی حقیقت کو کھول دیتا ہے تو بلا مثل عرض کروں گا کہ آیت میں نہ ماننے والوں کے سامنے ڈٹ کر یہ کہنا کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے ہیں، منکروں کا ککھ بھی نہیں چھوڑتا۔

آیت میں اگلا جملہ راسخ عقائد کی مزید عطر بیزی کرتا ہے اور تعلیم و تربیت کی خوشبو وجود علم کے رواں رواں کو مشک بار کر دیتی ہے۔ منوایا یہ جاتا ہے کہ ہم وہ بھی مانتے ہیں جو ہم پر اترا اور اُسے بھی تسلیم کرتے ہیں جو ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام پر اترا۔ اُمت مسلمہ اللہ کے عہد و میثاق پر قائم ہے اور بلا تفریق تمام انبیاء پر ایمان لاتی ہے۔ یہ اُمت ہر قسم کی عصبیتوں سے پاک ہے۔ یہود و نصاریٰ کی

طرح مسلمانوں کا اندازِ فکر یہ نہیں کہ وہ دیکھیں کون سا نبی کس نسل کا ہے اور کس قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ اُمت مسلمہ تو انبیاء پر اس لیے ایمان لاتی ہے کہ اللہ نے انہیں مبعوث کیا ہوتا ہے۔

قرآن مجید نے یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں سب کے سامنے برابر نور کا آئینہ رکھ دیا ہے اور دعوت دی ہے کہ دیکھو متعصب شخص کا چہرہ یہودیوں نصرانیوں کا ہے یا مسلمانوں کا ہے۔ مسلمان تو انبیاء اور رسولوں میں تفریق کے قائل نہیں جب کہ یہودی اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کے بارے میں نسلی تعصب کی بنا پر تفریق کے قائل ہیں۔

اس سے پہلی آیت میں تکوینی تصویر سے اسلامیت ابھاری گئی تھی۔ اب اس آیت کے آخر میں یہ جملہ جاذب روح ہے کہ ہم اُسی کے لیے مسلمان ہیں اور اب اسلام کے فضائل و محامد میں چوٹی کی چیز یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے فدویت اور جان نثاری کی سپاس گزاریاں عام اور ارزاں ہوں۔

واللہ اعلم

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٨٥﴾

''اور جس نے اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کیا تو ہرگز وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا''۔

قرآن مجید کا تیسرا پارہ تین چار آیات کے بعد اختتامی دائرے میں داخل ہو جائے گا۔ مضامین میں پُرکیف بہار زندہ ہوتی محسوس ہو رہی ہے۔ کفر، مایوسی اور نا اُمیدی پر موت طاری ہو گئی ہے۔ منافقت کے قبیلے کے ہر فرد نے ماتمی لباس پہن لیا ہے، معانی اور مطالب کے عندلیب ملہار گا رہے ہیں۔ افکار کے پھول خنداں ہیں اور دعوات کی کلیاں متبسم ہیں۔ سینوں میں محبوب سے وصل کا جذبہ تڑپنے لگ گیا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت تلاش حقیقت کے فدائیوں کو صراط المعبود اور طریق المحبوب کی راہ ڈال رہی ہے اور زندگی کو بہار خیزی سے آشنا کرنے کے لیے دین کی تلاش کو منزل بنا رہی ہے اور اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرنا جرم قرار دے رہی ہے۔ آیت سمجھاتی ہے کہ وہ لوگ جو اسلام کی واقعیت سے بیزاری کی راہ پڑیں گے ان سے زندگی کے یہ اُلٹے سیدھے مطلب ہرگز قبول نہ کیے جائیں گے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایسے کم بخت لوگ آخرت کے دن زیاں کاروں سے ہوں گے، اس لیے کہ انہوں نے اپنے وجود کا سرمایہ خرافات، بدعات، ہفوات اور جاہلانہ تعصّبات کے عوض بیچ دیا ہوگا۔

❁❁❁❁❁

مفردات

وَمَنْ: اور جو
يَّبْتَغِ: تلاش کرے
غَيْرَ: غیر
الْاِسْلَامِ: اسلام
دِيْنًا: دین
فَلَنْ: تو ہرگز نہیں
يُّقْبَلَ: قبول کیا جائے گا
مِنْهُ: اُس سے
وَهُوَ: اور وہ
فِي الْاٰخِرَةِ: آخرت میں
مِنَ: سے
الْخٰسِرِيْنَ: نقصان اُٹھانے والے

كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ
حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٦﴾
اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٧﴾
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٨٨﴾
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۖ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٨٩﴾

(86) ایسی کسی قوم کو اللہ کیسے منزل نصیب فرمائے گا جس نے ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کر دیا ہو حالانکہ وہ خود گواہ تھے کہ رسولِ معظّم حق ہیں اور ایسے لوگوں کے پاس روشن دلیلیں بھی آ چکی تھیں اور اللہ ظالم قوم کو کبھی بھی راہ یاب نہیں فرماتا

(87) ایسے لوگوں کی جزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت پڑتی رہتی ہے

(88) وہ ہمیشہ اس پھٹکار میں پڑے رہیں گے ان پر عذاب میں تخفیف نہیں ہو گی اور نہ ہی وہ مہلت دیے جائیں گے

(89) ہاں جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح میں لگ گئے تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے

مفردات

كَيۡفَ: کیسے، کیونکر
يَهۡدِى: ہدایت کرے
اللّٰهُ: اللہ
قَوۡمًا: کسی قوم کو
كَفَرُوۡا: کفر کیا انہوں نے
بَعۡدَ: بعد
اِيۡمَانِهِمۡ: ان کے ایمان کے
وَشَهِدُوۡۤا: حالانکہ وہ گواہی دے چکے تھے
اَنَّ: بے شک
الرَّسُوۡلَ: رسول معظم
حَقٌّ: حق
وَّجَآءَهُمُ: اور آئے ان کے پاس
الۡبَيِّنٰتُ: معجزات
وَاللّٰهُ: اور اللہ
لَا يَهۡدِى: ہدایت نہیں دیتا
الۡقَوۡمَ: قوم
الظّٰلِمِيۡنَ: ظلم کرنے والے

كَيۡفَ يَهۡدِى اللّٰهُ قَوۡمًا كَفَرُوۡا بَعۡدَ اِيۡمَانِهِمۡ وَشَهِدُوۡۤا اَنَّ الرَّسُوۡلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۸۶﴾

''ایسی کسی قوم کو اللہ کیسے منزل نصیب فرمائے گا جس نے ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کر دیا ہو حالانکہ وہ خود گواہ تھے کہ رسولِ معظم حق ہیں اور ایسے لوگوں کے پاس روشن دلیلیں بھی آ چکی تھیں اور اللہ ظالم قوم کو کبھی بھی راہ یاب نہیں فرماتا''۔

شان نزول

اس آیت کے شان نزول میں علماء نے تین روایات نقل کی ہیں:

- پہلی روایت حارث بن سوید کے بارے میں ہے کہ اس کے ہاتھ سے یذر بن زیاد نامی ایک شخص قتل ہو گیا۔ سزا کا خوف طاری ہوا تو اسلام ہی کو چھوڑ بیٹھا اور مکہ کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں پہنچا تو پشیمانی ہوئی اور سوچوں میں ڈوب گیا کہ اب میں کیا کروں۔ تدبیر بنائی کہ ایک آدمی کو مدینہ میں رشتہ داروں کے پاس بھیجوں تا کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھیں کیا اُس کے لیے واپس لوٹنے کی کوئی راہ ہے یا نہیں۔ اس پر قرآن مجید کا یہ حصہ نازل ہوا اور کچھ خاص شرائط کے ساتھ توبہ قبول ہونے کا عندیہ دے دیا گیا۔ حارث چنانچہ واپس لوٹا اور مسلمان ہو گیا اور وفا کے ساتھ اپنی وابستگی آخر عمر تک قائم رکھی لیکن اس کو چاہنے والے گیارہ افراد اپنے ارتداد پر قائم رہے (302)۔
- دوسری روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے کہ دس آدمی تھے جو مرتد ہو گئے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (303)۔
- آلوسی، رازی، خازن وغیرہم نے یہ روایت بھی لکھی کہ یہود و نصاریٰ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے آپ کے وسیلہ سے دعائیں کرتے تھے اور لوگوں کو آپ کی بعثت کی خوشخبری سناتے تھے لیکن آپ جب تشریف فرما ہو گئے تو وہ حسد کی وجہ سے منکر ہو گئے، ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (304)۔

چشمۂ حیوان سے شعوری واپسی

آیت کا عنوان رسول رحمت سے عرفان کے بعد مستی سے اعراض کرنا ہے۔ ایمان کے بعد کفر کا مطلب چشمۂ حیوان پر پہنچنے کے بعد پیاسا رہنے کی بے وقوفی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات کی روح

ہیں جو ''من و تو'' کو نہیں جانتی۔ زمین پر وہ لوگ بہت خطرناک ہوتے ہیں جو دکھائی پھولوں کی طرح دیتے ہیں لیکن ان کے اندر خوشبو نہیں ہوتی۔ آسمان پر چھائے جن بادلوں میں پانی نہ ہو وہ دھواں ہوتا ہے۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ کچھ لوگ ایمان لائے لیکن ان کی اصل میں فتنہ کا دھواں تھا پھر بھاگ گئے۔ کچھ تو واپسی کی قسمت پا گئے لیکن باقی آنجہانی ہی رہے۔ قرآن کا یہ حصہ ایک حیرت ہے جو قرآن پڑھنے والوں کے لیے ہدایت کے اصول واضح کر رہا ہے۔

آیت میں ''الرَّسُوْلَ'' سے مراد حضور ﷺ ہیں اور ''الْبَيِّنٰتُ'' سے مراد شواہد، حقائق اور سچی باتیں ہیں (305)۔

اسلوب میں ''اِيْمَانِهِمْ، اٰمَنُوْٓا'' کی قوت میں ہے (306) اور ''شَهِدُوْٓا'' سے مراد گواہی بھی ہے لیکن مشاہدہ کا معنیٰ زیادہ بلیغ اور ابلغ ہے۔ بارانِ رحمت کا نظارہ دیکھنے کے بعد بھی صحرائی ببولوں اور خارہائے مغیلاں کا عاشق بنا رہنا عجب ہے۔ آیت کا اختتام اس جملے پر ہوتا ہے ''ظالموں'' کو کوئی ہادی وبال اور عذاب سے بچا نہیں سکتا۔ ظلم کا مطلب ہی ہدایت سے محرومی ہے۔

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٧﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٨٨﴾

''ایسے لوگوں کی جزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت پڑتی رہتی ہے، وہ ہمیشہ اس پھٹکار میں پڑے رہیں گے ان پر عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی اور نہ ہی وہ مہلت دیے جائیں گے''۔

تعبیر کے لحاظ سے پہلی آیت میں سزا کا بیان ہے۔ ان لوگوں کی سزا جو حق سے عدول کرتے ہیں۔ سچائیوں کو میزان عدل پر پورا پانے کے باوجود ان کے منکر ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی سزا ابدی لعنت ہے جو ان پر برستی رہتی ہے۔ اللہ کی لعنت، تمام فرشتوں کی لعنت اور تمام انسانوں کی لعنت۔ قرآن مجید نے منکرین کے لیے جو سزائیں متعین کی ہیں ان سزاؤں میں سب سے سخت، رسوا کن اور ذلت افروز سزا لعنت ہے جو اللہ کی طرف سے غیظ و غضب کا معنیٰ رکھتی ہے، دھتکارنے کا مفہوم دیتی ہے۔ لعنتیوں کے قابل نفرت ہونے کا اعلان کرتی ہے۔ پروردگار جس وقت خود لعنت کرنے کا اعلان کرے تو مفہوم رحمت سے دور اور بالکل دور کرنے کا ہوتا ہے۔ لوگوں اور فرشتوں کی لعنت کا مطلب اظہار تنفر اور اعلان برأت ہوتا ہے۔ لوگوں میں معنوی لعنت کا مصداق ہر کافر اور منکر حق ہوتا ہے لیکن مثال اگر دیکھنی ہو تو یزید پلید کو دیکھ لیں۔ کتنا برا،

مفردات

اُولٰٓئِكَ: یہی ہیں
جَزَآؤُهُمْ: جزا ان کی
اَنَّ: بے شک
عَلَيْهِمْ: ان پر
لَعْنَةَ: لعنت، رحمت سے دور، غیظ و غضب اور تنفر
اللّٰهِ: اللہ
وَالْمَلٰٓئِكَةِ: اور فرشتوں کی
وَالنَّاسِ: اور لوگوں کی
اَجْمَعِيْنَ: سارے کے سارے
خٰلِدِيْنَ: ہمیشہ رہنے والے
فِيْهَا: اس میں
لَا يُخَفَّفُ: ہلکا نہ کیا جائے گا
عَنْهُمُ: اُن سے
الْعَذَابُ: عذاب
وَلَا هُمْ: اور نہ وہ
يُنْظَرُوْنَ: مہلت دیے جائیں گے

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ
تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿٩٠﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ
مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا
لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٩١﴾ ع

(90) بے شک وہ لوگ جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا پھر وہ کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے ایسوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور وہی لوگ گمراہ ہیں

(91) بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور کفر کی حالت ہی میں مر گئے اگر وہ زمین بھر کر سونا فدیہ میں دینا چاہیں تو بھی اُن سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا، ان کے لیے درد دینے والی سزا ہے اور ان کے لیے کوئی مددگار بھی نہیں

مفردات

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا پھر وہ کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے ایسوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور وہی لوگ گمراہ ہیں''۔

علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں اس آیت میں کفر کرنے والے لوگوں سے مراد وہ ہیں جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت، عبدیت اور معجزات سے انکار کر دیا۔ ''ایمان کے بعد'' جملہ سے مراد موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر ایمان لانے کے بعد ہے اور کفر میں بہت زیادہ آگے نکل جانے سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، اوصاف، کمالات اور فضیلتوں کا منکر ہو جانا ہے۔ ایسے لوگوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی۔ یہ لوگ مرتد ہو کر آخری سرحد سے بھی گزر گئے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ مکمل طور پر گمراہ لوگ ہیں (308)۔

قرآن مجید کی اس آیت سے آسانی کے ساتھ یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ توبہ، اصلاح اور بہتری کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ جس وقت مایوسیاں اور نا اُمیدیاں، قنوطیت اور ذلت انسان کو مکمل گھیر لے تو پھر انسان اپنے ساتھ خود دھوکے اور مخادعت کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسا چھچھورا شخص ظاہر میں کچھ اور ہوتا ہے اور اندر سے کچھ اور ہوتا ہے۔ قسمت کے تازیانے کھانے والا یہ مرتد اپنے لیے خود رحمت کی ساری ندیاں بند کر لیتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے زندگی بے رحمی کا جنگل بن جاتی ہے جہاں سب کچھ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور پھر اس جنگل میں تعمیر کا کوئی نقش و نشان نہیں رہتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور کفر کی حالت ہی میں مر گئے اگر وہ زمین بھر کر سونا فدیہ میں دینا چاہیں تو بھی اُن سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا، ان کے لیے درد دینے والی سزا ہے اور ان کے لیے کوئی مددگار بھی نہیں''۔

اس آیت میں چار چیزیں قابل توجہ ہیں:

- پہلی یہ کہ کفر کا بھوت جن لوگوں سے چمٹ جائے وہ انکار کی ظلمت اور بدمعاشی کی ضد میں رہ کر ہدایت کا ہر روزن اور دریچہ اپنے لیے بند کر دیتے ہیں جیسے بخار میں مبتلا شخص کے لیے ہر چیز ذائقہ کھو دیتی ہے۔ کفر کے مرض پر مبتلا لوگ ایمان و عمل کی ہر روشنی اور ذائقے

اِنَّ: بے شک
الَّذِيْنَ: جو لوگ
كَفَرُوْا: کافر ہوئے
بَعْدَ: بعد
اِيْمَانِهِمْ: ان کے ایمان کے
ثُمَّ: پھر
ازْدَادُوْا: بڑھتے ہی گئے
كُفْرًا: کفر میں
لَّنْ: ہرگز نہیں
تُقْبَلَ: قبول کی جائے گی
تَوْبَتُهُمْ: اُس کی توبہ
وَاُولٰٓئِكَ: اور اُسی میں
هُمُ: وہ ہی
الضَّآلُّوْنَ: گمراہ اور بھٹک جانے والے

اِنَّ: بے شک
الَّذِيْنَ: وہ جو
كَفَرُوْا: کافر ہوئے
وَمَاتُوْا: اور اسی حالت میں مر گئے
وَهُمْ: اور وہ
كُفَّارٌ: کفر کرنے والے
فَلَنْ: تو ہرگز نہیں
يُّقْبَلَ: قبول ہوگا
مِنْ: سے
اَحَدِهِمْ: ان میں سے کسی ایک سے

سے محروم ہو جاتے ہیں۔

- دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ دنیا میں تکبر اور رعونت جن لوگوں کو تباہ کر دیتی ہے، ان کا انداز فکر یہ ہوتا ہے کہ دولت اور پیسہ ہر مسئلے کا حل ہے۔ ان کا فلسفہ یہ ہوتا ہے کہ ہر ایک کی ایک قیمت ہوتی ہے جس پر اُسے خریدا جا سکتا ہے۔ اہل کتاب بھی سوچتے تھے کہ ہم فدیہ دے کر جان چھڑا لیں گے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ وہ زمین کا ظرف بنا لیں اور اُسے سونے سے بھر دیں پھر فدیہ دینا چاہیں تو اُن سے قبول نہ ہوگا۔
- تیسری چیز یہ ہے کہ وہ لوگ جو حالت کفر میں مر جاتے ہیں ان کے لیے دائمی عذاب ہوتا ہے۔ وہ کسی بھی قیمت پر عذاب میں تخفیف کی لذت نہیں پا سکتے۔
- اور چوتھی چیز اس آیت میں یہ واضح اعلان ہے کہ الٹی کھوپڑی کے ان بدقسمت انسانوں کے لیے کوئی مدد کرنے والا نہیں ہوگا۔ کفر اور شرک کے اگر ہزار کان بھی ہوں تو یہ آواز سن لیں ان کا کوئی مددگار نہیں اور اگر وہ ہزار آنکھیں بھی رکھتے ہیں تو دیکھ لیں ذلت اور بربادی کی ہر آتش بھری کھائی کافروں، منکروں اور مشرکوں کے لیے ہے۔ نور اور امن تو ہدایت قبول کرنے والوں کے لیے ہے۔

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے آج تین رمضان المبارک کی نورانی شام ہے۔ فضا میں جیسے کسی نے شفاف موتی بکھیر دیے ہوں۔ روزہ ابھی افطار نہیں ہوا لیکن تنہائیوں میں آنکھوں سے اشکوں کے بے تاب قطرے اوراق پر بی بی پاک کی یادوں میں قرآنی الفاظ کی خوشبو بنے پڑے ہیں۔ تیسرے پارے کی تفسیر کتنے مقدس دن اختتام پذیر ہوئی ہے۔ میری لائبریری میں لطیف مہک بسی ہوئی ہے۔ ایک نادیدہ، روح، روح ہی کی شفاف ندی میں منعکس محسوس ہو رہی ہے۔ قرآن اور بی بی پاک، تین رمضان اور بی بی پاک، آیت مباہلہ اور بی بی پاک، ابوتراب کا گھر اور بی بی پاک، فضل نور اور بی بی پاک، مرغزار پیار اور بی بی پاک، اللہ تیرا شکر ہے کہ تفسیر بھی دی اور بی بی پاک کی نسبت بھی دی اور تین رمضان کا نور بھی عطا کیا۔ ایسے محسوس ہوا جیسے بی بی پاک نے آواز دی اُٹھو! بصارتوں کو روشنی دو، زبانوں کو لہجہ دو، دلوں کو ایمان کی حرارت دو اور بدنوں کو رو بہ اطاعت کرو، آنکھوں کو لطیف آنسوؤں سے غسل دو، قرآن جدھر ہوگا میں ادھر ہی ہوں گی، میرے بابا نے ہمیں قرآن سے جوڑ دیا ہے۔ اس سے کبھی بھی جدا نہ ہونا، وقت ملے تو میرے حسن اور میرے حسین پر سلام بھیج دینا۔ ہم تو اُمت کے لیے دعا کرتے ہی رہتے ہیں۔ بابا ہمیشہ کہتے: رب اغفر اُمتی

❁❁❁❁❁

مفردات

مِلْءُ الْاَرْضِ: زمین بھر کر
ذَهَبًا: سونا
وَّلَوِ: اور اگر
افْتَدٰى: فدیہ میں دیا
بِهٖ: اس کے ساتھ
اُولٰٓئِكَ: یہی ہیں وہ
لَهُمْ: ان کے لیے
عَذَابٌ: عذاب
اَلِيْمٌ: دردناک
وَّمَا لَهُمْ: اور نہیں ہوگا، ان کے لیے
مِّنْ: سے
نّٰصِرِيْنَ: مدد کرنے والوں

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ
اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾
كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی
نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾
فَمَنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾
قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۟ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾

(92) ہرگز تم نیکی نہیں پا سکو گے یہاں تک کہ خرچ کرو اُس سے جو تم محبوب رکھتے ہو اور جو بھی تم کوئی چیز خرچ کرتے ہو تو اللہ اُسے خوب جاننے والا ہوتا ہے

(93) کھانے تو تمام ہی اولادِ یعقوب کے لیے حلال تھے سوائے ان کے جو یعقوب نے تورات کے نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر خود حرام کر لیے تھے آپ فرما دیں تورات لاؤ تو سہی پھر پڑھو اسے اگر تم سچّے ہو

(94) پھر اس کے بعد بھی جو اللہ پر جھوٹ کا بہتان باندھے تو وہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں

(95) آپ فرمایئے! اللہ نے سچ فرمایا تم ابراہیمی دین کے پیروکار بن جاؤ جو ہر باطل سے جُدا ہے اور آپ مشرکین میں سے نہیں تھے

مفردات

لَنْ: ہرگز نہیں
تَنَالُوا: تم پا سکو گے
الْبِرَّ: نیکی کو
حَتّٰى: یہاں تک کہ
تُنْفِقُوْا: تم خرچ کرو
مِمَّا: اس میں سے
تُحِبُّوْنَ: جو تم بہت پسند کرتے ہو
وَمَا: اور جو بھی
تُنْفِقُوْا: تم خرچ کرو گے
مِنْ: سے
شَيْءٍ: کوئی چیز
فَاِنَّ: تو بے شک
اللّٰهَ: اللہ
بِهٖ: اسے
عَلِيْمٌ: بہت زیادہ علم رکھنے والا

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾

''ہرگز تم نیکی نہیں پا سکو گے یہاں تک کہ خرچ کرو اُس سے جو تم محبوب رکھتے ہو اور جو بھی تم کوئی چیز خرچ کرتے ہو تو اللہ اُسے خوب جاننے والا ہوتا ہے''۔

قرآن مجید کا تیسرا پارہ جس مضمون اور اظہار کے ساتھ ختم ہوا وہ یہ تھا کہ منکرین اگر زمین برابر بھی سونا فدیہ میں خرچ کر دیں تو بھی ان کی طرف سے قبول نہ ہوگا۔ خرچ کرنا اگرچہ اچھی چیز ہے لیکن شراب طہور کو پیشاب کا ایک قطرہ بھی گندہ کر دیتا ہے۔ مشرکین اور منکرین اپنے کفر کی وجہ سے گندے لوگ ہیں، اس لیے ان کا اعتقادی اور وجودی گند انفاق کے اثر کو زائل کر دیتا ہے۔ یہاں چوتھا پارہ شروع ہوا تو مؤمنوں کو تسلی دی گئی کہ کہیں وہ نہ سمجھ لیں کہ انفاق فی سبیل اللہ انہیں کام نہ آئے گا۔ مال جب اللہ کے لیے خرچ ہو تو وہ بہترین وسیلہ ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ لوگ نیکی کے حصول میں آسانیاں پیدا کر سکتے ہیں۔

دوسری قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ سلسلہ کلام مسلسل اہل کتاب کی تاریخ سے مربوط چلا آ رہا ہے اور وہ لوگ خود کو اللہ کا لاڈلا، برگزیدہ اور پتہ نہیں کیا کیا سمجھتے تھے جبکہ ان کی اصل میں حرص، بخل، دولت پرستی اور مال اندوزی کا نشہ شامل ہو گیا تھا وہ مال عیاشیوں میں لگا سکتے تھے لیکن دین کی راہ میں وہ پھوٹی کوڑی بھی خرچ نہیں کر سکتے تھے، ان کے منفی کردار کو سامنے لا کر قرآن مجید کی اس آیت نے مؤمنوں کی کردار سازی کی کہ مؤمن کو مال سے محبت بھی ہو تو وہ مال کو رکاوٹ نہیں بننے دیتا ہے خرچ کر دیتا ہے اور باقی رہ گئے خواص تو وہ اللہ کی محبت کو ہر چیز پر فائق جانتے ہیں، جب دل میں اللہ کی محبت موج مار رہی ہو تو پھر محامد، فضیلتیں اور مراعات تقوٰی خود قدم چومتی ہیں۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا فہم آیت

مروی ہے جب یہ آیت اتری تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرا محبوب ترین مال بیرحا کا باغ ہے۔ سرکار میں اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہوں۔ حضور اب آپ کی مرضی اسے جہاں چاہیں اللہ کی راہ میں لگا دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: واہ واہ!! یہ بہترین مال ہے، نفع بخش مال ہے۔ اے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ میری رائے یہ ہے کہ اسے اپنے رشتہ داروں پر خرچ کر دیں چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اسے اقارب میں تقسیم کر دیا (309)۔

مظاہر محبت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس جب بھی کوئی قیمتی مال یا چیز پہنچتی آپ یہ آیت پڑھتے اور پھر مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے (310)۔

حضرت نجم الدین کبریٰ کا ارشاد ہے: تم اللہ کے جتنے بنو گے اللہ بھی اتنا ہی تمہارا بنے گا۔ حدیث قدسی ہے: ''جو اللہ کے لیے ہوگا اللہ اسی کا ہو جائے گا''۔ دیکھیے پروانے کو روشنی سے عشق ہے وہ خود کو اس پر نثار کر دیتا ہے جب تک بندگی میں عشق سوزاں کا مقام نہ ملے نیکی اور بِر کی تاریخ مکمل نہیں ہوتی (311)۔

امام قشیری فرماتے ہیں: جو شخص نیکی کا طالب ہے وہ بعض مال خرچ کر دے اور جو نیکی والے کا طالب ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ تمام مال محبوب کے نام پر لٹا دے (312)۔

بابرکت لمحات کی انوکھی تصویر

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ آنکھ انسان کی عقل کا چشمہ ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مال اور دنیا کے معاملہ میں کیسا رویہ رکھتے تھے؟ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آدھا مال خدمت اقدس میں پیش فرما دیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سارا مال نور کی دہلیز پر لا چھوڑا۔ رحمت عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ابوبکر گھر کیا چھوڑ آئے ہو؟ آپ نے عرض کی: گھر والوں کے لیے اللہ اور اس کا رسول چھوڑ آیا ہوں (313)۔

ایجاز بھری آیت کا مشکل حکم

مال، دنیا اور زر لوگوں پر دام فریب ڈالتے رہتے ہیں۔ وہی شخص دنیا کے مکائد سے بچ سکتا ہے جو دنیا سے غیر معمولی بے نیازی کا پیکر ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بجا طور پر دنیا کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا تھا:

''اے دنیا!
میرے علاوہ کسی اور پر دام فریب ڈال علی تیرے قابو
میں آنے والا نہیں''۔

یہ بے نیازی قضا و قدر کی زبان ہے اور زندگی کا عنوان ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت جو زیرِ تفسیر ہے تربیت کا عرش معلّٰی ہے۔ بہت بڑی تربیت ہے کہ جو چیزیں تمہیں سب سے زیادہ پسند ہیں اللہ کی راہ میں وہی خرچ کر دو۔ آیت دیکھنے میں ایک ہی ہے لیکن عظیم حقائق اور بے شمار ہدایات اس میں جمع کر دی گئی ہیں۔ یہ جملہ ایک معرکہ ہے جو پوری سورت میں بپا دکھائی دیتا ہے۔ اُمت مسلمہ اپنے دشمنوں کا مقابلہ بلاشبہ اسی اسلحہ سے کر سکتی ہے۔

واللہ اعلم

ہیں بعض حلال چیزوں کے بارے میں بطلان ہے"۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے بھی صوفیاء کی تردید جصاص کے قول کی بنیاد پر خواہ مخواہ ٹانک دی(318)۔

کسی چیز کا طبی طور پر کسی شخص کے لیے مفید ہونا یا مضر ہونا آج بھی ممکن ہے۔مقتضائے طبیعت کے موافق استعمال یا عدم استعمال آیت اس کو نہیں چھیڑتی۔قابل گرفت امر تو یہ ہے کہ طبیعتوں اور نسخوں اور عملیات کو دین نہیں بنالینا چاہیے۔آیت کا زور اس پر ہے جو دین میں ہے اسے نکالا نہ جائے اور جو دین میں نہیں ہے اسے داخل نہ کیا جائے۔

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

"پھر اس کے بعد بھی جو اللہ پر جھوٹ کا بہتان باندھے تو وہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں"۔

قرآن مجید کی اس آیت میں فہم کے نکتہ نظر سے اہمیت "مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ" کی ہے۔علامہ بیضاوی نے لکھا کہ اس سے مراد ان شہادتوں کے بعد بھی ہے(319) یعنی اتنی صریح شہادتیں ،اتنے واضح حقائق ،اتنے مضبوط دلائل اور اتنے محکم براہین ان کی نظر سے گزرے لیکن اس کے باوجود یہ لوگ اپنے جھوٹ پر قائم ہیں اور کہے جا رہے ہیں کہ فلاں فلاں چیزیں اللہ کی طرف سے حرام کی ہوئی ہیں۔ان کی فتنہ پروریاں ،فسوں کاریاں اور بہتان طرازیاں یہ نہ سمجھا جائے کہ ہلکا قسم کا جرم ہے حقیقتہً یہ لوگ ظالم ہیں۔کسی کو تیز دھار آلے کی چوٹ مارنا اتنا بڑا ظلم نہیں جتنا بڑا ظلم ان کی اقدار کشی ہے۔یہ لوگ صداقت اور سچائی کو ذبح کر دینا غلطی ہی نہیں سمجھتے خصوصاً اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا اور افترے گھڑنا ان کو لے ڈوبا ہے انہوں نے خود اپنے آپ کو اندھیروں اور ظلمتوں میں جا پٹخا ہے۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾

"آپ فرمایئے! اللہ نے سچ فرمایا تم ابراہیمی دین کے پیروکار بن جاؤ جو ہر باطل سے جدا ہے اور آپ مشرکین میں سے نہیں تھے"۔

آیت کا اسلوب فردوسی لذتوں کو قالبِ قرآن میں سموئے ہوئے ہے۔رنگوں اور کیفیتوں کی ایک بہار ہے، جو روحوں کو مشکبار بنا دیتی ہے۔بولتے حضور ہیں، رنگ الوہی نظر آتا ہے۔ربّ خود ہی فرماتا ہے محبوب آپ فرمادو: "اللہ کی بات سچی ہے"۔مفہوم خود جملے کے سینے سے ابھرتا ہے کہ یہودی جھوٹے ہیں، فتنہ پرداز ہیں، فسوں کار ہیں، جو باتیں وہ حلال وحرام کی پیغمبروں کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ سوائے دجل وفریب کے اور کچھ نہیں۔خازن نے صحیح لکھا کہ آیت میں تعریضاً یعنی اشارۃً یہود کے جھوٹ کو ذکر کر دیا گیا ہے۔

مفردات

فَمَنِ: تو جس نے
افْتَرٰى: گھڑا
عَلَى: پر
اللّٰهِ: اللہ
الْكَذِبَ: جھوٹ
مِنْۢ بَعْدِ: بعد
ذٰلِكَ: اس کے
فَاُولٰٓئِكَ: تو یہی لوگ ہیں
هُمُ: خاص کر وہی
الظّٰلِمُوْنَ: ظلم کرنے والے

قُلْ: آپ کہہ دیجیے
صَدَقَ: سچ بات فرمادی ہے
اللّٰهُ: اللہ نے
فَاتَّبِعُوْا: تو پیروی کرو تم
مِلَّةَ: ملت، دین، راہ
اِبْرٰهِيْمَ: ابراہیم
حَنِيْفًا: یکسو، سیدھے راہ والے، اللہ کے غیر سے مجتنب
وَمَا: اور نہیں
كَانَ: تھے وہ
مِنَ: سے
الْمُشْرِكِيْنَ: شرک کرنے والے

تفسیری معنیٰ یہ بنتا ہے کہ بے شک اللہ اپنے کلام اور خبر میں صادق ہے اور اے یہود تم لوگ جھوٹے ہو (320)۔

آیت میں واضح راستے کی نشاندہی

قرآن مجید کی آیت مشام طلب کو ہدایت کی خوشبو سے معطر کرنے کے لیے حکم نقل کرتی ہے کہ دین ابراہیم کی پیروی کرو اس طرح کہ محسوس ہو کہ تم نے ہر باطل سے جدائی اختیار کر لی ہے۔ آیت میں ملت ابراہیم سے مراد دین اسلام ہے وہ دین جس کی طرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاتے ہیں۔

علامہ نسفی لکھتے ہیں (321):

> ''دین ابراہیم سے مراد دین اسلام ہے جس کی طرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا رہے ہیں۔ وہ شخص جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا اس نے یہودیت سے چھٹکارا حاصل کر لیا، اس لیے کہ یہود نے لوگوں کو دین و دنیا کے فساد کی دلدل میں پھنسا دیا ہے اور اللہ کی کتابوں میں تحریف کو ایسا عام کر دیا ہے جیسے لوگ اضطرار میں پڑے ہوئے ہوں''۔

علامہ اسماعیل حقی نے دین حنیف کی خصلتیں احسن انداز میں قلم بند کی ہیں (322):

- دین ابراہیم میں مہمانوں پر مال خرچ کرنا تھا۔
- امتحان کے وقت جان کا نذرانہ پیش کر دینا تھا۔
- قربانی کو تسلیم کر کے زندگی میں جاری کر دینا تھا۔
- شرک سے بیزاری تھی۔
- ہر باطل سے دور اور جدا رہنا تھا۔
- صدق کی ہر حالت میں حفاظت تھی۔
- ابراہیم علیہ السلام دین کے اصول و فروع کسی چیز میں بھی مشرکوں کے ساتھ شامل نہیں تھے۔
- شریعت اسلام کی بنیاد اسی حنفیّت پر تھی۔
- کسی بھی دین میں اعتقاد کے بعد عملیت اور روحانیت ہی اس کی فضیلت کا ذریعہ بنتی ہیں۔

واللہ اعلم

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾

(96) بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے برکتوں والا اور تمام جہانوں کے لیے ہدایت ہے

(97) اس میں بڑی روشن نشانیاں ہیں مقام ابراہیم، جو داخل ہو گیا اس میں امن پا گیا اور واجب ہے لوگوں کے لیے کہ وہ اس عظیم گھر کا حج کریں جو اس کی راہ چلنے کی طاقت رکھتے ہوں اور جس نے انکارِ حق کیا تو اللہ بھی سارے جہانوں سے بے پروا ہے

(98) فرمایئے! اے اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں سے کیوں انکار کرتے ہو جبکہ اللہ تم جو بھی کرتے ہو اس سے پوری طرح باخبر اور اُسے دیکھنے والا بھی ہے

مفردات

اِنَّ: بے شک
اَوَّلَ: پہلا
بَيْتٍ: گھر
وُّضِعَ: جو وضع کیا گیا، بنایا گیا، مقرر کیا گیا
لِلنَّاسِ: لوگوں کے لیے
لَلَّذِيْ: وہ ہے جو
بِبَكَّةَ: مکہ میں ہے
مُبٰرَكًا: برکتوں والا
وَّهُدًى: اور ہدایت دینے والا
لِّلْعٰلَمِيْنَ: سب جہاں والوں کے لیے

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾

''بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے برکتوں والا اور تمام جہانوں کے لیے ہدایت ہے''۔

شان نزول

یہود نے مسلمانوں سے کہا کہ قدس ہمارا قبلہ ہے اور کعبہ تمہاری توجہات کا مرکز ہے۔ جیسے ہم لاڈلے ہیں ایسے ہی ہمارا قبلہ بھی تمہارے قبلے سے افضل ہے۔ اسے کعبے پر اولیت بھی حاصل ہے۔ انبیاء کی تاریخ بھی اسی کے گرداگرد گھومتی ہے اور اسے ان کی ہجرت گاہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ یہ جگہ کے اعتبار سے بھی شرافت مآب ہے۔ قیامت ادھر ہی قائم ہوگی۔ اس پر مسلمانوں نے کعبہ سے فطری محبت کا اظہار کیا اور کہا کعبہ قدس سے افضل ہے اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی (323)۔

شان نزول میں دوسری روایت روح البیان کی ہے کہ تبدیلیٔ قبلہ کے موقع پر یہود نے طعنہ دیا کہ مسلمان اعلیٰ اور پرانے قبلے کو چھوڑ کر ادنیٰ اور نئے قبلے کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے لگ گئے ہیں۔ ان لوگوں کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی (324)۔

قرآن کا بیان صریح ہے

قرآن مجید کی یہ آیت خود کعبہ کی تاریخ وثوق سے بیان کرتی ہے کہ روئے زمین پر وجود میں آنے والا خدا کا پہلا گھر کعبہ معظّمہ ہی ہے اور زمین پر پہلی عبادت گاہ اور دعاؤں کا مرکز بھی یہی اللہ کا گھر ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ انسانی معاشرہ کے تزکیہ کے لیے خانہ کعبہ ہی کو زمین کے مرکزی نقطہ سے وجود بخشا گیا ہے۔ احادیث اور تاریخ بلاشبہ اس بات کی وضاحت کرتی ہیں، خانہ کعبہ کی تعمیر اول حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوئی۔ طوفان نوح کے بعد اس کی تعمیر نو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوئی۔ تفصیل درمنثور میں دیکھی جاسکتی ہے (325)۔

شہر نور کو بکّہ کہنے کی حکمتیں

علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں کہ ''بکّہ'' کا لغوی معنیٰ کسی چیز کو پھاڑ دینا، پارہ پارہ کر دینا، کسی پر ہجوم کر دینا، مزاحمت کرنا اور کسی کی گردن توڑ دینا ہوتا ہے (326)۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ لوگ کثرت کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف ہجوم بناتے ہیں اس لیے اسے ''بکّہ'' کہہ دیتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں سرکشوں اور ظالموں کی گردن ٹوٹ جاتی ہے اس لیے اس شہر کا یہ نام رکھا گیا ہے (327)۔

میں سوچتا ہوں یہاں کہ روحانی عبادتوں کی وجہ سے نفوس جس طرح ٹوٹ جاتے ہیں اور رغبت الی اللہ میں یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے اس وجہ سے بھی اس شہر کو ''بکّہ'' کہہ دیا جاتا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ مکہ کو بکّہ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہاں جانے اور طواف وغیرہ کرنے میں مرد اور عورتیں ازدحام کرتے ہیں (328)۔

حضرت عکرمہ کی روایت کے مطابق بیت اللہ شریف اور اس کا اردا گرد بکّہ ہے اور اس کے علاوہ سارا شہر مکہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے مسجد الحرام اور بیت اللہ شریف بکّہ ہے باقی سب مکّہ ہے (329)۔

مجاہد نے کہا کہ صرف کعبہ بکّہ ہے باقی مقامات مکہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق مقام فخ سے مقام تنعیم تک مکہ ہے اور تنعیم سے بیت اللہ شریف تک بکّہ ہے۔

ابن جریر نے لکھا کہ مکہ اور بکّہ ایک معنیٰ میں ترادف رکھتے ہیں (330) البتہ قرطبی نے لکھا کہ عربی میں میم کے با کے ساتھ بدل جانے کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً سبد اور سمد اور ایسے ہی لازب اور لازم یوں ہی نبط اور نمط ہیں ان میں با ہو یا میم معنیٰ ایک ہی دیتے ہیں (331)۔

واللہ اعلم

آیت میں خانہ کعبہ کے اوصاف

- خانہ کعبہ کی پہلی خصوصیت اس کی پہلی وضع اور تخلیق ہے، یہ نہیں کہا گیا کہ یہ ''بنائے اول'' ہے یہ کہا گیا اس کی وضع اور تخلیق سب سے پہلے ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آیت زیرِ تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کے لیے سب سے پہلے بننے والا گھر کعبہ شریف ہے جو مکہ میں ہے اگرچہ لوگوں کے رہائشی گھر اس سے پہلے بھی موجود تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور سوال عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون سی مسجد سب سے پہلے بنائی گئی؟

  آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

  مسجد حرام! میں نے عرض کیا پھر اس کے بعد یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ آپ نے فرمایا مسجد اقصیٰ۔ میں نے عرض کی ان کے درمیان کتنا عرصہ کا فرق تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چالیس سال کا فرق تھا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو زمین سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا جبکہ عرش پانی پر جھاگ کی صورت میں تھا۔ زمین اس کے نیچے جزیرہ کی صورت میں تھی اس کے نیچے سے زمین کو پھیلایا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا(332):

''سب سے پہلے زمین کا ٹکڑا بیت اللہ کی جگہ رکھا گیا پھر
اسی سے زمین کو پھیلایا گیا''۔

- خانہ کعبہ شریف کی دوسری خصوصیت اس کی وضع اور تخلیق کا عام لوگوں کے لیے ہونا ہے اشارہ اس طرف ہے کہ یہ مرکز کسی قبائلی مذہب کا مرکز نہ ہوگا بلکہ اس کی وضع بتاتی ہے کہ یہاں سے آفاقی دین کی اٹھان ہوگی جو تمام انسانیت اور آدمیت کے لیے مرکز کا کام دے گا۔
- خانہ کعبہ شریف کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یہاں ہر وقت لوگوں کا ازدحام اور ہجوم رہتا ہے یہاں نفس کشی اور تزکیہ کے صدا اہتمام موجود ہیں۔
- خانہ کعبہ شریف کی چوتھی خصوصیت اس کا برکت والا ہونا ہے۔ اس گھر میں اللہ تعالیٰ نے مادی اور روحانی ہر قسم کی برکتیں رکھی ہیں۔ یہاں کا امن، عبادتیں اور مادی ثمرات سب اس کی برکتوں کی بہترین دلیل ہیں۔
- خانہ کعبہ شریف کی پانچویں خصوصیت اس کا ''هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ'' ہونا ہے۔ کعبہ تمام جہانوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ اس کی عظمتوں اور فضیلتوں کا اعتراف ہر ایک کرتا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت اسے ''هُدًى'' کا سبب قرار دیتی ہے۔ فخر الدین رازی نے اس کی تین وجوہات لکھی ہیں(333):

1۔ کعبہ کا ''هُدًى'' ہونے کا ایک مطلب تو یہ ہے یہ قبلہ ہے۔ لوگ دور افتادہ علاقوں سے خشکی اور دریائی راستوں کو روندتے ہوئے اس معبد کی طرف کھنچے آتے ہیں اور شان وشوکت سے حج ادا کرتے ہیں۔ زیارتوں سے دلوں کو سکون پہنچاتے ہیں اور روحیں روحی لذتوں سے مطمئن ہوتی ہیں۔

2۔ رازی نے دوسری وجہ یہ لکھی کہ کعبہ شریف کے فضائل وبرکات سے رب تعالیٰ کے صانع اور قادر ہونے کا علم حاصل ہوتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل ملتی ہے اور وہ تمام نشانیاں جو تاریخی صداقتوں کا نور بکھیرتی ہیں وہ بندوں کو اللہ اور اس کے رسول پر یقین کے ساتھ مربوط کر دیتی ہیں۔

3۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ کعبہ شریف جنت کی ہدایت دیتا ہے اس لیے کہ جو لوگ کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز ادا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو جنت عطا فرماتا ہے۔

مفردات

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

''اس میں بڑی روشن نشانیاں ہیں مقام ابراہیم، جو داخل ہو گیا اس میں امن پا گیا اور واجب ہے لوگوں کے لیے کہ وہ اس عظیم گھر کا حج کریں جو اس کی راہ چلنے کی طاقت رکھتے ہوں اور جس نے انکارِ حق کیا تو اللہ بھی سارے جہانوں سے بے پروا ہے''۔

قرآن مجید کی اس آیۂ کریمہ میں پہلی آیت کے مضامین کی تکمیل ہو رہی ہے۔ خانہ کعبہ شریف کی خصوصیات کو مزید بیان کیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی کعبہ کے حقوق بھی بیان ہو رہے ہیں خصوصاً اسلام کی تربیتی، روحانی اور معاشی زندگی میں اس مرکز کا کردار کھول کر قرآن حکیم بیان کر رہا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی چھٹی خصوصیت قاریٔ قرآن کے سامنے لاتے ہوئے یہ آیت کہتی ہے کہ اس میں بے شمار اور فضیلت مآب روشن آیتیں ہیں۔ جملہ کی تفسیر میں دو احتمالات ہیں: ایک تو یہ ہے کہ کعبہ کی جو فضیلتیں پہلے بیان ہوئی انہی کی طرف آیات کہہ کر ان کی عظمت بیان ہوئی یعنی اس گھر کا امن کی آماجگاہ ہونا، مریضوں کو شفا ملنا، کعبہ کو شہید کرنے کی غرض سے آنے والوں کا تباہ و برباد ہو جانا اور برکتوں کا باران رحمت کی طرح برسنا اور جمیع عوالم کے لیے کعبہ کا سرچشمۂ ہدایت ہونا ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ مقام ابراہیم آیات بینات کی تفسیر واؤ عاطفہ کا نہ ہونا اس تفسیری احتمال کا مؤید ہونا ہے۔

مقام ابراہیم قرآن مجید کہتا ہے کہ آیات بیّنات میں شامل ہے اس لیے کہ یہ رسولِ رحمت کی صداقت اور کعبہ کے قبلہ مسلمین ہونے کی واضح دلیل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کا نشان ایک زندہ ثبوت اور روحانی معنویت کا اعجاز ہے۔ دنیا میں بے شمار طبیعی اور حربی حالات کا زار و زبوں ہونے کے باوجود کعبہ کی سلامتی اور بقا اس کے آیت ہونے کی علامت ہے اور خانہ کعبہ کی یہ ساتویں خصوصیت ہے جو یہاں بیان ہوئی۔

خانہ کعبہ کی آٹھویں خصوصیت یہ ہے کہ اس گھر کو مقام امن قرار دیا گیا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو امن کی تاریخی روحانیت نصیب کی۔ اس گھر میں امن کی مظہریت کا اندازہ اس سے بھی لگا لیا جائے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی جب کہ اقدار کی تباہی کا دور اسے کہا جاتا ہے کعبہ معظّمہ کو امن کا روشن نشان تصور کیا جاتا۔

خانہ کعبہ شریف کی نویں خصوصیت یہ بیان ہوئی کہ یہاں حج ادا کیا جاتا ہے جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور اس میں اللہ نے جو تسلسل رکھا وہ کسی اور مقدس مقام کو حاصل نہ ہو سکا۔

فِيْهِ: اس میں
اٰيٰتٌ: نشانیاں
بَيِّنٰتٌ: روشن اور واضح جو ہر آدمی کو محسوس ہوں
مَّقَامُ: کھڑا ہونے کی جگہ
اِبْرٰهِيْمَ: ابراہیم
وَمَنْ: اور جو
دَخَلَهٗ: اس میں داخل ہوا
كَانَ: ہو گیا
اٰمِنًا: امن والا
وَلِلّٰهِ: اور اللہ کے لیے ہے
عَلَى: پر
النَّاسِ: لوگوں
حِجُّ: حج کرنا
الْبَيْتِ: خانہ کعبہ کا
مَنِ: جو
اسْتَطَاعَ: طاقت پائے
اِلَيْهِ: اس کی طرف
سَبِيْلًا: راہ، راستہ
وَمَنْ: اور جو
كَفَرَ: کافر ہوا
فَاِنَّ: تو بے شک
اللّٰهَ: اللہ
غَنِيٌّ: غنی، بے نیاز
عَنِ: سے
الْعٰلَمِيْنَ: تمام جہانوں سے

تفسیر مظہری کے مندرجات سے یہ روحانی نکتہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے (334) کہ ''النَّاسِ'' پر الف لام عہد خارجی ہے اور اس کا معنیٰ ہے خاص لوگ یعنی اس گھر کی زیارت جن لوگوں کو ملتی ہے وہ خاص لوگ ہوتے ہیں عام نہیں ہوتے۔

خانہ کعبہ شریف کی دسویں خصوصیت اس گھر کا مرجع خواص ہونا ہے یعنی ہر وقت یہاں ہزاروں کی تعداد میں اولیائے کرام موجود ہوتے ہیں۔ اس گھر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی صحبت اور زیارت نصیب فرماتا ہے۔

آیت کے آخر میں جو کہا گیا کہ ''اور جس نے کفر کیا تو اللہ بے پرواہ ہے تمام جہان والوں سے'' اس میں کفر سے مراد حج، مقامات حج کا تقدس، مقام ابراہیم کی فضیلت، کعبہ معظّمہ کی عظمت اور اسلام کی صداقت سے انکار کرنا ہے۔ واللہ اعلم

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾

''فرمایئے! اے اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں سے کیوں انکار کرتے ہو جبکہ اللہ تم جو بھی کرتے ہو اس سے پوری طرح باخبر اور اُسے دیکھنے والا بھی ہے''۔

قُلْ: فرمایئے
يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ: اے اہل کتاب
لِمَ: کیوں؟
تَكْفُرُوْنَ: تم کفر کرتے ہو
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ: اللہ کی آیات سے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
شَهِيْدٌ: جانتا ہے، دیکھتا ہے، ذاتی علم رکھتا ہے
عَلٰى: پر، اس سے
مَا: جو
تَعْمَلُوْنَ: تم کرتے ہو

اہل کتاب سے خطاب

آیت میں اہل کتاب سے خطاب کیا گیا ہے، اس کی وجہ علامہ بیضاوی نے یہ لکھی کہ کفر یوں تو ہر منکر کا کفر ہی ہوتا ہے لیکن اہل کتاب کا کفر اس لیے قبیح کفر تھا کہ یہ آیات کو زیادہ جاننے والے تھے، انہوں نے تورات اور انجیل میں رسول اکرم ﷺ کے اوصاف حمیدہ اور نشانیاں مشاہدہ کر رکھی تھیں لیکن اس کے باوجود یہ انکار کیے جا رہے تھے (335)۔ مفسرین کی یہ بات بھی خوبصورت ہے کہ آیات سے مراد سمعی اور عقلی ہر قسم کی آیات ہیں یعنی بعض آیات وہ صفحہ تکوین پر پڑھ رہے تھے اور بعض آیات وہ لسانِ نبوت سے سن رہے تھے اور بعض آیات اپنی حقیقت کے ساتھ ان کی اپنی کتابوں میں بھی موجود تھیں، وہ سب ان کے سامنے تھیں اور اس پر مزید یہ کہ ''لِمَ'' سے استفہامی اسلوب اور وہ بھی لسانِ محمدیہ سے جہاں توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ میں جلوے دکھا رہا ہے وہاں داعی کی دعوت کا حسن بھی بکھیر رہا ہے۔ آیت کا انداز ایک شفیق طبیب کا لہجہ ہے جس میں دردمندی اپنے عروج پر دکھائی دے رہی ہے۔

آیت میں ''قُلْ'' لفظ کے اندر رحمۃ للعٰلمینی کا جوش ہے ''يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ'' میں خطاب کی شفقت سے اتمام حجت ہے۔ ''لِمَ تَكْفُرُوْنَ'' میں کفر کی قباحت اور شناعت بتائی جا رہی ہے۔ آیات کی نسبت اللہ کی طرف مقصد قرآنی کا عروج ہے اور ''وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ'' کہنے میں توجہ اس طرف پھیرنا ہے کہ جو مالک ہے وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

❁❁❁❁❁

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا
عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾
وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ
وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع

(99) فرمادیں اے اہل کتاب! تم ایمان والوں کو اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو تم ان کی راہ کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو حالانکہ تم خود ان کی سچائی کے گواہ ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے کسی عمل سے بھی بے خبر نہیں

(100) اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب میں سے کسی فریق کی اطاعت کرنے لگو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں ایسا پھیریں گے کہ تم کفر کرنے لگ جاؤ گے

(101) اور تم کیسے انکار حق کر سکتے ہو حالانکہ تم پر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول موجود ہے بے شک جس نے اللہ کا سہارا لیا تو وہ سیدھی راہ کی ہدایت دے دیا گیا

مفردات

قُلْ: فرمادو
يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ: اے اہل کتاب
لِمَ: کیوں؟
تَصُدُّوْنَ: تم روکتے ہو
عَنْ: سے
سَبِيْلِ: راستے
اللّٰهِ: اللہ
مَنْ: اسے جو
اٰمَنَ: ایمان لایا
تَبْغُوْنَهَا: تم اس کے لیے تلاش کرتے ہو
عِوَجًا: ٹیڑھاپن
وَاَنْتُمْ: اور تم لوگ
شُهَدَآءُ: حقیقت دیکھنے والے ہو
وَمَا اللّٰهُ: اور نہیں اللہ
بِغَافِلٍ: بے خبر
عَمَّا: اس سے جو
تَعْمَلُوْنَ: تم لوگ کرتے ہو

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

''فرمادیں اے اہل کتاب تم ایمان والوں کو اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو تم ان کی راہ کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو حالانکہ تم خود ان کی سچائی کے گواہ ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے کسی عمل سے بھی بے خبر نہیں''۔

آیت کی تفسیر اہلِ کتاب کے لیے فہمائشی تازیانہ ہے، ایک منطقی گرفت ہے اور روحانی برق باری ہے۔ کہا جارہا ہے کہ اے اہل کتاب! تم ''سبیل اللہ'' کو ٹیڑھا بنانے کے درپے ہو، تم چاہتے ہو کہ اپنے غلط اعتراضات اور نکتہ چینیوں سے راہ راست کو سمجھنے والوں کو دھوکہ میں ڈال دو۔ تم چھپکلی کی طرح پھونکیں مار کر آتشِ شبہات کو تیز کر دینا چاہتے ہو اور تم اسلام پر شکوک انگیزی کی فضا سے راہ راست کو کج مج بنانے کی منصوبہ بندی کرتے رہتے ہو تا کہ کوئی نہ کوئی راہ بنے اور مسلمان سیدھے راستے سے منحرف ہو جائیں (336)۔

آیت کا ایک دوسرا معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم لوگ طلبِ حق صحیح اور درست راستے سے نہیں کرنا چاہتے بلکہ ٹیڑھے راستوں سے گوہر مقصود حاصل کرنا چاہتے ہو (337)۔ آیت کا زیادہ زور راہ راست سے روکنے کی منصوبہ بندیوں کی مذمت ہے۔ قاریٔ قرآن کے لیے ضروری یہ ہوتا ہے کہ وہ ''سبیل اللہ'' کا عرفان ضائع نہ ہونے دے اور خوب سمجھے کہ کون سبیل اللہ کی شناخت خراب کرتا ہے۔ مفسرین نے سبیل اللہ سے مراد اسلام لیا ہے (338) اور یا ''اَهْلَ الْكِتٰبِ'' سے سمجھا ہے کہ یہودی لوگوں کے مکائد، دھوکے اور اسلام کو نقصان پہنچانے کی سفلی تدبیریں ہیں۔

آیت میں ''شُهَدَآءُ'' کی تفہیم

آیت میں اہل الکتاب کو ''شُهَدَآءُ'' کہا گیا ہے۔ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ اس کے کئی معانی ہیں (339):

- پہلا معنیٰ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ تم اس پر گواہ ہو کہ تورات میں یہ لکھا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اسلام کے علاوہ کوئی اور دین قبول نہیں فرمائے گا۔
- دوسرا معنیٰ تم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر ظہور معجزات کے گواہ ہو۔ یہ جلوے تم نے آنکھوں سے دیکھ رکھے ہیں۔

- تیسرا معنیٰ یہ ہے کہ تم خود اس بات کے گواہ ہو کہ اللہ کے راستے سے روکنا جائز نہیں۔
- چوتھا معنیٰ یہ ہے کہ تم اپنے دینی دائرہ میں گواہ ہو اور تم جب اپنے ماحول میں معتمد ہو تو اس شہادت کا تقاضا یہ ہے کہ تم لوگوں کو خراب نہ کرو۔
- اور پانچواں معنیٰ یہ ہے کہ اللہ نے تمہارے اندر ضمیروں کی عدالت رکھی ہے تم خود کو تھوڑی دیر کے لیے ضمیروں کی عدالت میں حاضر کرو خود سمجھ جاؤ گے کہ حق کیا ہے؟ (340)۔

آیت میں عرفانی نکات یہ ہیں:

- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمائی ہوئی بات قطعی ہوتی ہے اس پر اتم اور اٹل یقین ہونا چاہیے۔
- لہجے صاف اور ستھرے ہونے چاہییں۔ جتنی ''قُلْ'' کے قائل کی قوت ہوگی دعوت اتنی ہی مؤثر ہوگی۔
- عام داعی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارتباطِ کامل کے لیے درود وسلام سے روحانیت سازی کرنی چاہیے۔
- اہل الکتاب میں خاص کر یہودی ہیں جن کے مکائد اسلام کے خلاف جاری ساری ہیں، مسلمانوں کو ان کے فریبوں سے آگاہ رہنا چاہیے۔
- اللہ کی راہ میں پڑے ہوئے لوگوں کو آگے بڑھنے دینا چاہیے، ان کی حوصلہ افزائی مسلمانی ہے اور انہیں روکنا یہودیت ہے۔
- زندگی میں اہدافِ ترقی سیدھے، سادے، دوٹوک، واضح اور قابلِ عمل ہونے چاہییں، ٹیڑھے راستے بذات خود شخصیتوں اور قوموں کو بکھیر دیتے ہیں۔
- قرآن مجید نے کہا ہے کہ مسلمانوں کے دشمن شہداء ہیں یعنی آگاہ ہو کر زندگی گزارتے ہیں۔ مسلمانوں کو ان سے زیادہ آگاہ ہو کر زندگی گزارنے کا خوگر ہونا چاہیے۔
- قرآنی تربیت یہ ہے کہ سبیل اللہ سے ہر وقت آگاہ رہیں اور یہ بھی دیکھتے رہیں کہ سبیل اللہ کو کون کون ٹیڑھا کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔
- مسلمانوں کا اپنا وہی ہے جو ان کے رسول کا ہے، جو احمد مجتبیٰ کا وفادار نہیں وہ کبھی بھی مسلمانوں کا دلدار نہیں ہوسکتا۔
- مسلمانوں کو اللہ کی سنت کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیے۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ غافل نہیں مسلمانوں کو دیکھتے رہنا چاہیے کہ دنیا میں کون کیا کر رہا ہے خصوصاً مذہبی بگاڑ پیدا کرنے والے کیا کر رہے ہیں، غفلت اچھی چیز نہیں۔ واللہ اعلم

بازی کی باتوں سے متاثر نہ ہوں۔ان کی اطاعت کو اسلامی کیمپ کے اجڑنے کی تدبیر سمجھیں۔ بدقسمتی سے اس وقت مسلمان یا تو بالکل بے دین ہو چکے ہیں وہ اپنا ملجا و ماوٰی یہود و نصاریٰ ہی کو سمجھتے ہیں اور یا پھر دین دار ہیں لیکن ان کی سوچیں اس قدر بوسیدہ ہو چکی ہیں کہ انہیں زندگی کے ہر میدان میں کافرین اور ملحدین بے وقوف بنا رہے ہیں۔انسانیت کے نام پر ان کے اسلامی افکار اور اقدار کے خزانے لوٹے جا رہے ہیں۔آیت میں جو مسلمانوں کی تربیت کا مواد ہے اُسے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

- آیت میں پہلی بات یہ ہے کہ ایمان والے سمجھیں کہ وہ ایمان والے ہیں جس وقت مؤمنین مخلص ہو کر ایمانی شعور کی روشنی میں آجائیں گے خود بخود ان کا ایمان ان میں ''اسلامیت'' پیدا کر دے گا۔
- دوسری چیز یہ ہے کہ مسلمانو! تم نے بیعت رسولِ اعظم کی، کی ہے اس لیے اطاعت بھی تمہیں انہی کی کرنی ہوگی۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا دُم چھلا بننے کی کیا ضرورت ہے۔
- تیسری چیز یہ ہے کہ جماعت اور فرقہ کا فرق سمجھنا چاہیے۔ جماعت جوڑنے کا نام ہوتا ہے اور فرقہ بکھیرنے کا نام ہوتا ہے۔اسلام دلوں کو جوڑتا ہے اور دوسرے مذاہب بکھیرتے ہیں۔
- قرآن مجید کی یہ آیت سکھاتی ہے کہ عروج کے تمام مراحل طے کر لینے کے بعد قعرِ مذلت میں چھلانگ لگانا دانائی نہیں ہوتی یہ چوتھا نکتہ تھا جسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔
- اس آیت سے پانچویں یہ بات بھی سیکھی جا سکتی ہے کہ لڑنا جھگڑنا، حسد بغض رکھنا، تفرقہ تشتت کافرین کی خصلتیں ہیں اور یہود و نصاریٰ مسلمانوں کو مکرّر اسی فضا میں لے جانا چاہتے ہیں جہاں کافرانہ ظلمتوں کا زور ہو جبکہ قرآن ہدایت کی معنبر اور معطر فضا کی طرف لے جاتا ہے جہاں ایمان کی فرماں روائی ہوتی ہے۔

وَكَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيۡكُمۡ رَسُوۡلُهٗ‌ؕ وَمَنۡ يَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۱۰۱﴾

''اور تم کیسے انکار حق کر سکتے ہو حالانکہ تم پر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول موجود ہے بے شک جس نے اللہ کا سہارا لیا تو وہ سیدھی راہ کی ہدایت دے دیا گیا''۔

قرآن مجید کی اس آیت سے پہلے ایسے لوگوں سے متعلق کلام فیض بار تھا جنہیں بجا طور پر شب زادے کہا جا سکتا ہے۔کور نگاہی کے بوجھ تلے دبے یہودیوں کو نور کی باتیں سمجھائی گئیں لیکن اس آیت میں جمالیاتی ادب نے سامعین اور قارئین کو بلا واسطہ آغوش رحمت میں لے لیا۔وہ لوگ جو اس آیت

مفردات

وَكَيۡفَ: اور کیسے
تَكۡفُرُوۡنَ: تم کفر کر سکتے ہو
وَ: حال یہ ہے کہ، یہاں واؤ حالیہ ہے
اَنۡتُمۡ: جب کہ تم
تُتۡلٰى: پڑھی جاتی ہیں
عَلَيۡكُمۡ: تم پر
اٰيٰتُ: آیتیں
اللّٰهِ: اللہ کی
وَفِيۡكُمۡ: اور تم میں موجود ہیں
رَسُوۡلُهٗ: اُس کے رسول
وَمَنۡ: اور جو
يَّعۡتَصِمۡ: مضبوط پکڑے یعنی دین کو مضبوطی سے پکڑے
بِاللّٰهِ: اللہ کے ساتھ
فَقَدۡ هُدِىَ: تو وہ چلا دیا گیا
اِلٰى: کی طرف
صِرَاطٍ: راستہ
مُّسۡتَقِيۡمٍ: سیدھا

قرآن میں ''اعتصام باللہ'' کے دو معانی ہو سکتے ہیں: ایک معنیٰ تو یہ ہو سکتا ہے کہ جس نے اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑا تو یقینی امر ہے کہ اسے سیدھی راہ نصیب ہوگئی اور دوسرا معنیٰ یہ ہے جس نے اپنے تمام امور میں اللہ کی پناہ لی تو وہ یقین کر لے کہ اُسے سیدھے راستے کی ہدایت نصیب ہوگئی۔

شیخ زادہ نے ''فَقَدْ هُدِیَ'' کی تفسیر میں لکھا (345) کہ ''قد'' ماضی پر داخل ہو یا مضارع پر داخل ہو اس میں تحقیق کا معنیٰ ضروری ہوتا ہے اور توقع کا مفہوم بھی اُجاگر ہوتا ہے۔ ہاں مضارع پر داخل ہونے کی صورت میں تحقیق کا معنیٰ ضروری اور توقع کا معنیٰ تقلیلی ہوتا ہے یعنی کبھی کبھی کا مفہوم کبھی کبھی آتا ہے جبکہ ''قد'' ماضی پر داخل ہو تو تحقیق کی طرح توقع کا معنیٰ فی الفور اور ضروری ہو جاتا ہے۔

یہاں آیت میں مفہوم یہ نکلے گا جو شخص اپنے امور اللہ کے سپرد کرے گا یا اللہ کا دین مضبوط پکڑے گا۔ یہ ضروری امر ہے کہ اللہ اس کو سیدھی راہ کی ہدایت دے گا اور اُسے وصل نصیب کرے گا۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

(102) اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے جیسے کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو

(103) اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں بکھر نہ پڑو اور اپنے اُوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم آپس میں دشمن تھے تو اُس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم سب اس کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم تو آگ کے ایک گڑھے کے کنارے تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تا کہ تم ہدایت پر قائم رہو

مفردات

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾

''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے جیسے کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو''۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا!

یہ خطاب دلنواز ہے

جو روحوں اور دلوں کی تاروں پر محبت اور قربانی کے حسین، خوبصورت اور ایمان ساز نغموں کو بیدار کر دیتا ہے۔

اے ایمان والو!

یہ آقا کا اپنے بندوں کو خطاب ہے جس سے آنکھوں میں اُجالے مسکرانے لگ جاتے ہیں۔ لبوں پر آقا کی تقدیس کا جلوہ حروف عجز کی روحانی مسکراہٹ بن جاتا ہے اور زندگی کا ہر لمحہ اپنے وجود کے ریزہ ریزہ کو پیغام بہاراں دینے لگ جاتا ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے کھلی دھوپ کے مسافر درختوں کے سائیوں سے تنگ ہوتے ہیں انہیں اپنے آقا کی آواز میں بہار رتوں کی تازگی محسوس ہوتی ہے۔

اے ایمان والو!

الوہی آواز ہے جس میں ایمان والوں کی شرافت، بزرگی اور عزت کا اظہار ہے۔ آلوسی نے ٹھیک لکھا کہ (346) ''اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ'' والی قوم کے نصیحت نامے کے بعد غلامان رسول کو ایمان والے کہہ کر آواز دینا جنتوں کو ان کے قدموں کے نیچے رکھ دینا ہے اور مؤمنین کی دستاروں پر رضوانی زربفت کا چھڑکاؤ قدسیوں کے ہاتھوں سے سرانجام دیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ سبحان اللہ!

ڈرو اللہ سے

آوازیں خوف بھی پیدا کرتی ہیں اور رجا و اُمید کی جنتوں تک رسائی بھی دیتی ہیں۔ آوازیں خود کلامی کی خاموشی بھی ہوتی ہیں اور خدا کلامی کا روشن نشان بھی ہوتی ہیں۔ بلبل کے نغمے، مینا کی خوش صدائی، کوئل کی کوکو اور ہدہد کی ٹک ٹک کی آوازیں ہی ہیں لیکن ان میں ریلی آوازوں کا سحر موجود ہے بعض آوازیں اچھی نہیں ہوتیں قرآن کہتا ہے ''اَنۡكَرَ الۡاَصۡوَاتِ'' گدھوں کی آوازیں ہیں۔ آوازیں اچھی بھی ہوں تو ایک مقام ایسا ہے جہاں کہا جاتا ہے اپنی آوازوں کو پست رکھو کہیں نبی کی آواز سے وہ اونچی نہ ہو جائیں اور بے شعوری کے عالم میں تمہارے اعمال ختم کر دیے جائیں۔

قرآن مجید کی اس آیت میں جو آواز رسولِ محترم کے لبوں سے صدور کے بعد اُمت کی روحوں میں

يٰۤاَيُّهَا: اے کہ
الَّذِيۡنَ: وہ لوگ
اٰمَنُوا: جو ایمان لائے ہو
اتَّقُوا: ڈرو، تقویٰ اختیار کرو
اللّٰهَ: اللہ سے
حَقَّ: جیسا کہ حق ہے
تُقٰتِهٖ: تقویٰ کا، ڈرنے کا
وَلَا: اور نہ
تَمُوۡتُنَّ: ہرگز نہ مرنا
اِلَّا: مگر
وَ: حالے کہ، اور
اَنۡتُمۡ: تم
مُّسۡلِمُوۡنَ: مسلمان ہو

کھب گئی ہے وہ تقویٰ کی آواز ہے۔ اتحادِ اُمت کے لیے خوفِ خدا کا ہونا ضروری ہے، تقویٰ کا ہونا ضروری ہے، حرام کاموں سے بچنے کا جذبہ دلوں میں ہونا ضروری ہے۔ ''انقیاد اطاعت'' کا نور ضمیر کی رگوں میں متحرک ہونا ضروری ہے، اس لیے اللہ نے اتحاد کے حکم سے پہلے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ ڈرنے کا حق ادا کرنا یہاں آیت میں ایمان کے وجود میں روح کی حیثیت سے لایا گیا ہے۔ اخلاق اور عقیدہ کے بغیر تقویٰ مؤثر نہیں ہوتا، اس لیے یہاں تقویٰ کی روح بتائی گئی ہے اور ایمان والوں میں حدِ انتہا تک اسے بیدار کرنے کا حکم صادر ہوا ہے۔

درالمنثور کی روایت

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آیت جب نازل ہوئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کرنے کے لیے اپنی توانائیاں کھپا دیں، عبادت میں کھڑا رہ کر پاؤں پر ورم آ گیا۔ ان کی پیشانیاں زخمی ہو گئیں اور وہ کمر خمیدہ رہنے لگے۔ ٹوٹے ہوئے جسموں کا اضمحلال دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے تخفیف کا حکم نازل فرما دیا کہ تم اللہ سے ڈرو جتنی تم میں طاقت اور سکت ہے (347)۔

حق تقویٰ کی ادائیگی

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تقویٰ کا حق ادا کرنا یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کی جائے، اس کی نافرمانی نہ کی جائے، اس کا خوب ذکر کیا جائے اور اس کی یاد کو ہرگز چھوڑا نہ جائے (348)۔

آیت کا آخری حصہ

تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

علامہ صابونی لکھتے ہیں کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ تم ہر حال میں اسلام پر قائم رہو اور صحت و سلامتی کی نعمتوں میں اسلام ایسی نعمت کی حفاظت کرو اس لیے کہ کرم کی عادت یہی جاری ہے کہ جو شخص کسی عمل پر دنیوی زندگی میں ہوتا ہے اسے اسی حالت میں موت نصیب ہوتی ہے اس لیے اسلام پر قائم رہنا چاہیے تاکہ موت اسلام ہی کی حالت میں نصیب ہو (349)۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾

''اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں بکھر نہ پڑو اور اپنے اُوپر اللہ کی

مفردات

وَاعْتَصِمُوْا: اور مضبوط پکڑو
بِحَبْلِ: رسی
اللّٰهِ: اللہ کی
جَمِيْعًا: سب مل کر
وَّلَا: اور نہ
تَفَرَّقُوْا: تفرقہ کرو
وَاذْكُرُوْا: اور یاد کرو
نِعْمَتَ اللّٰهِ: اللہ کی نعمت
عَلَيْكُمْ: تم پر تھی
اِذْ كُنْتُمْ: جب تم تھے
اَعْدَآءً: دشمن، عدو کی یہ جمع ہے
فَاَلَّفَ: تو اس نے جوڑ دیے، تالیف کر دی
بَيْنَ: درمیان
قُلُوْبِكُمْ: تمہارے دلوں کے
فَاَصْبَحْتُمْ: تو ہو گئے تم
بِنِعْمَتِهٖٓ: اس کی نعمت کے سبب سے
اِخْوَانًا: بھائی بھائی
وَكُنْتُمْ: اور تم تھے
عَلٰى: پر
شَفَا: کنارے
حُفْرَةٍ: گڑھے
مِّنَ: سے
النَّارِ: آگ
فَاَنْقَذَكُمْ: تو اس نے بچایا تمہیں
مِّنْهَا: اس سے
كَذٰلِكَ: اسی طرح
يُبَيِّنُ: بیان کرتا ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ''الحبل'' سے مراد جماعت لیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا (358):

''اے لوگو! تم پر اللہ کی اطاعت لازم ہے اور یہ بھی
تمہارے لیے ضروری ہے کہ جماعت کے ساتھ رہو،
بے شک یہ دونوں چیزیں اللہ کی رسیاں ہیں بلاشبہ اللہ
تعالیٰ نے اپنی رسی کو مضبوط تھامنے کا حکم دیا ہے''۔

ابوالعالیہ نے روایت کیا کہ اللہ کے لیے دل میں اخلاص اور خلوص رکھنا اللہ کی رسی ہے جسے مضبوط پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے ''حبل'' کا معنیٰ ''عہد'' کیا ہے اور ابنِ زید کہا کرتے تھے کہ حبل سے مراد اسلام ہے اور مضبوط پکڑنے سے مراد اس پر قائم رہنا ہے (359)۔

مجاز کی مٹھاس اور مطالب کی گہرائی

قرآن مجید اپنے قاری کو پُر تاثیر الفاظ، رس انگیز افکار اور اچھوتی ترکیبوں سے آشنا کرتا ہے۔ یہ آیۂ کریمہ مطالب کی گہرائی اور نتائج کی ضمانت کا ایک پر مغز اور دلنشیں درس دینے کے لیے آبِ حیات کے چشمہ پر لے جاتی ہے جہاں حکمت خضر کے جام اٹھائے قدسی صفت لوگ کھڑے ہوتے ہیں جو لوگوں کو مسائل کے کنوؤں سے نکالنے کے لیے ہاتھوں میں رسیوں کا گچھا ''عروۃ الوثقیٰ'' کے ساتھ باندھے آوازیں دے رہے ہوتے ہیں: ''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو''۔ آواز مجازات سے بات کو پیچیدہ بنانے کے لیے نہیں خلوص کی راہ چلنے والوں کو ایک ایسا وسیلہ اور ذریعہ دے دینا ہے جہاں شخصیتیں زرد بیلیں نہیں رہتیں جن پر کوئی صورت سحاب نہ اترے بلکہ یہاں نقاش حسن خود آنکھوں پر آئینے آویزاں کر دیتا ہے اور چشمہ مشام پر پھول باندھ دیتا ہے اور زبانوں میں بلاغت کی توانائیاں سمو دیتا ہے اور پھر ''محسوسات'' مرشد بن کر عقل کی تسخیر کر لیتے ہیں اور عقل کا بھوت مسلمان ہو کر نعرہ زنیاں شروع کر دیتا ہے۔ چلو چلیے سوہنڑے دالڑ پھڑیے ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ'' اصل میں کسی کی اطاعت کی ڈور مضبوطی سے پکڑ لینا ہے۔ کہتے ہیں محبت جب جسم و جاں سے ماوریٰ ہو جائے تو وصل لازوال کی رسی خود بخود ہلنے لگ جاتی ہے اور حسن جب لطافت کی آخری حد چھو لے یا وہ روشنی بن جاتا ہے اور یا وہ خوشبو ہو جاتا ہے۔ میرے نزدیک قرآن، رسول رحمت، اہل بیت، صحابہ کی جماعت اور خلوص و اطاعت سب وہ ماہتاب ہیں جو اللہ کی رسیاں ہیں جن سے وابستگی فضیلت و انقلاب کی خوشبو بھی ہے اور روشنی بھی۔ اللہ مقدر کا حسن دے دے۔

ہوئے نظر آرہے ہیں۔ایسے میں حقیقی اسلام کے ہاتھ پر بیعت پستی سے بلندی اور ناتوانی سے توانائی کی طرف لاسکتی ہے۔دنیا میں ایک بار پھر صبحیں اور شامیں قرآنی نور بانٹنے کی امین ہوسکتی ہیں لیکن اس کے لیے قرآنی اور اسلامی حقیقتوں کی رسی ہمیں عملاً مضبوط پکڑنی ہوگی۔اسی میں ہماری زندگی ہے، ہماری لیلیٰ بھی یہی ہے اور ہماری شیریں بھی یہی ہے، ہماری سسی بھی اور ہماری سونڑی بھی یہی ہے، مزہ تو جب ہے کہ حق چاند بن کر ہمارے جسموں میں پگھلنے لگ جائے پھر جا کر لہو میں روشنی کی آمیزش ہو سکتی ہے اللہ اکبر۔

''وَلَا تَفَرَّقُوْا'' کا معنیٰ اور رازی کا تعمق فکر

قرآن مجید کی ممانعت کہ ''تفرقہ نہ کرو'' اپنے تعبیری ثمرات کے ساتھ قاریٔ قرآن کو اطمینان کے گلستان میں لے آتی ہے جب فخر الدین رازی کی تفسیر پڑھی جاتی ہے۔آپ لکھتے ہیں کہ تفرقہ سے ممانعت کی تین ''وجوہ'' ہیں:

- پہلی وجہ یہ ہے کہ افتراق سے انسان حق سے دور ہوتا ہے اس لیے کہ حق صرف ایک ہوتا ہے اور افتراق واختلاف وحدت حق سے بُعد کا سبب بنتے ہیں اس لیے یہ درست نہیں۔ آیت میں زور بھی اس پر ہے کہ دین حق کے قبول کرنے میں تفرقہ نہ کرو۔
- دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ نے دشمنی کرنے اور جھگڑا کرنے سے منع کیا ہے۔دشمنیاں، عداوتیں اور لڑائیاں قوموں کو برباد کر کے خاکستر بنا دیتی ہیں اور تفرقہ عداوتوں کی جہنم میں جا گراتا ہے، فلہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔
- اور تیسری وجہ یہ ہے کہ تفرقہ محبت اور الفت کو زائل کر دینے والی چیز ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے ممانعت فرمادی ہے تاکہ محبت اور الفت کا چشمہ زائل نہ ہو(361)۔

آیت میں نعمت کا بیان

آیت میں نعمت کا ذکر دو مرتبہ آیا ہے اور اللہ کے حکم بھی دو بیان ہوئے ہیں۔دو حکم یہ ہیں کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑا جائے اور اللہ کی نعمت کو یاد کیا جائے۔حبل اللہ کی تعبیر وتفسیر دل جمعی کے ساتھ لکھ دی گئی ہے۔مقام غور اللہ کی وہ نعمت ہے جس کا ذکر مکرر آیت میں لایا گیا ہے۔میرے نزدیک ایک حکم دوسرے حکم کی تشریح اور معاشرہ پر اسلام کے اثرات ہیں، ارشاد یہ ہوتا ہے تم لوگوں کو بھولنا نہیں چاہیے کہ عداوتوں نے تم کو جلا رکھا تھا یہ اللہ کے دین کی برکت تھی، حضرت محمد ﷺ کی نسبتوں کی رحمت تھی اور نزول قرآن کا کرم تھا کہ اللہ نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے انس اور الفت پیدا

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ
الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ﴿۱۰۵﴾
يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ
وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ
تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

(104) اور تمہارے اپنوں میں سے ایک جماعت ضرور ہونی چاہیے جو بلاتے رہیں بھلائی کی طرف اور حکم دیتے رہیں اچھے کاموں کا اور منع کرتے رہیں برائی سے اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں

(105) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ کیا اور اختلاف میں پڑ گئے بعد اس کے کہ ان کے پاس روشن نشانیاں آ چکی تھیں اور ایسے لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے

(106) اُس دن جب کچھ چہروں پر اُجالا چھایا ہوگا اور کچھ چہروں پر سیاہی چھائی ہوگی تو وہ لوگ جن کے چہرے کالے پڑے ہوں گے (اُن سے کہا جائے گا) کیا تم لوگوں نے ایمان لانے کے بعد انکارِ حق کیا لو چکھو عذاب اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے

مفردات

وَلۡتَكُنۡ: اور ہونا چاہیے
مِّنۡكُمۡ: تم میں سے
اُمَّةٌ: ایک گروہ، ایک جماعت اور ایک طبقہ
يَّدۡعُوۡنَ: دعوت دیں وہ
اِلَى: کی طرف
الۡخَيۡرِ: بھلائی
وَيَاۡمُرُوۡنَ: اور حکم کریں
بِالۡمَعۡرُوۡفِ: نیکی کا
وَيَنۡهَوۡنَ: اور منع کریں
عَنِ: سے
الۡمُنۡكَرِ: برائی سے
وَاُولٰٓئِكَ: اور وہی ہیں
هُمُ: وہ
الۡمُفۡلِحُوۡنَ: فلاح اور کامیابی پانے والے

وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾

''اور تمہارے اپنوں میں سے ایک جماعت ضرور ہونی چاہیے جو بلاتے رہیں بھلائی کی طرف اور حکم دیتے رہیں اچھے کاموں کا اور منع کرتے رہیں برائی سے اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔

کامیابی اور فلاح کے راستے

فکری سفر کرنے والوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قافلۂ انسانیت کے بالغ ہونے پر ان کے لیے ابلغ اور کامل ترین رہنمائی اسلام کی ہے۔ اسلام دین حق ہے جس کا فکری اور ایمانی دستور قرآن حکیم ہے۔ زیر تفسیر آیت بغیر کمانیں کسے، نیزے جوڑے اور طمنچے چڑھائے سادگی اور فطری حسن کی زبان میں سمجھاتی ہے کہ کامیابی کے راستے اور فلاح کی راہیں چار ہیں:

(1) جماعت سازی
(2) دعوت الی الخیر
(3) نیکی کا حکم
(4) اور برائی سے منع کرنا

وہ لوگ جو قرآن سے وابستہ ہیں انہیں ''تفرقات'' اور تنازعات سے نفرت ہوتی ہے، ان کی تربیت میں قرآن حکیم جماعت سے محبت ڈالتا ہے اور رحمت عالم ﷺ بھی اپنے غلام کی تربیت اسی نہج پر فرماتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ''بڑی جماعت کی پیروی کرو بے شک وہ شخص جو اس سے بچھڑ بکھر گیا وہ آگ میں جل کر ٹوٹ پھٹ گیا''۔

رحمت عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

> ''شیطان انسانوں کا بھیڑیا ہے۔ بے شک جو بھیڑ اور بکری ریوڑ سے جدا ہوتی ہے اُسے بھیڑیا پکڑتا ہے اسی طرح تم پر لازم ہے کہ جماعت کے ساتھ رہو تا کہ تباہی سے بچ جاؤ''۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو آدمی جماعت سے ایک بالشت جدا ہو گیا وہ سمجھے کہ اس نے گردن سے اسلام کا ڈورہ اتار دیا''۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک خوبصورت ارشاد

آپ فرماتے ہیں:

''افعالِ خیر سارے کے سارے، اعمالِ احسان سب کے سب اور امورِ جہاد اول الی الآخر امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور دعوت الی الخیر کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے ایک بے کراں سمندر کے مقابلے میں پانی کا ایک قطرہ ہوتا ہے''۔

آیت میں اُمت کا مفہوم

اُمت لفظ ''ام'' سے ماخوذ ہے۔ ''ام'' ہر اُس چیز کو کہہ دیتے ہیں دوسری چیزیں جس کا ضمیمہ ہوں۔ اُمت اُس جماعت کو کہیں گے جو مذہبی، روحانی اور فکری بنیاد پر وحدت رکھتی ہو پھر وحدت زمانی بھی ہو سکتی ہے اور مکانی بھی ہو سکتی ہے اور فکری اور نظریاتی بھی ہو سکتی ہے۔ اُمت کی اس آیت میں ذمہ داری بیان کی گئی ہے کہ ان میں ہر وقت وحدت کی سلامتی اور تربیت کے لیے کام جاری رہنا چاہیے۔ اُمت اور ملت کے دشمن ہر وقت وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں، اس لیے دعوت اور امر حق کی پرچم بردار متحرک رہنے چاہییں، اصل ہدف خیر، معروف اور اجتماعیت کی حفاظت اور پرچار ہے۔ یہ کام فضیلت مآب ہے لیکن مشکل بھی بڑا ہے کہ فضیلت جو بڑی ہے تو مصیبت بھی بڑی ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾

''اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ کیا اور اختلاف میں پڑ گئے بعد اس کے کہ ان کے پاس روشن نشانیاں آ چکی تھیں اور ایسے لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے''۔

افتراق اور اختلاف کی سہ جہتی تعبیر

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں (362) کہ مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ اور اختلاف کیا۔

مفردات

وَلَا: اور نہ
تَكُوْنُوْا: ہو جانا
كَالَّذِيْنَ: ان لوگوں کی طرح
تَفَرَّقُوْا: جنہوں نے بکھیر ڈالا
وَاخْتَلَفُوْا: اور اختلاف ڈالنا
مِنْۢ بَعْدِ: بعد سے
مَا: جو
جَآءَهُمُ: آیا ہے ان کے پاس
الْبَيِّنٰتُ: معجزے اور نشانیاں
وَاُولٰٓئِكَ: اور وہی ہیں اور یہی ہیں
لَهُمْ: ان کے لیے
عَذَابٌ: عذاب
عَظِيْمٌ: بہت بڑا

| | | |

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

''اُس دن جب کچھ چہروں پر اُجالا چھایا ہوگا اور کچھ چہروں پر سیاہی چھائی ہوگی، تو وہ لوگ جن کے چہرے کالے پڑے ہوں گے (اُن سے کہا جائے گا) کیا تم لوگوں نے ایمان لانے کے بعد انکارِ حق کیا لو چکھو عذاب اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے''۔

قرآن مجید مفروضات کی کتاب نہیں صداقتوں کا وقوع نامہ ہے۔ اس میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کا ایک ایک حرف سورج سے زیادہ روشن ہے۔ جب ہنگامِ محشر ہوگا اس جہاں میں جو کام انسان نے کیے ہوں گے وہ اپنی کیفیات کے ساتھ سامنے آجائیں گے۔ انسان کا ہر فعل، قول اور عمل روح کی گہرائیوں میں اثر چھوڑتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے چہروں کی کتاب پر اعمال اور عقیدوں کا عکس نہ دیکھا جا سکے۔ یہاں بات سادے اور حقیقی اسلوب میں کی جارہی ہے لیکن قرآنی بلاغت اختصار میں بھی تفصیل کی روشنی سمونے کا کام کر رہی ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ قیامت کے دن کفر، منافقت، تفرقہ بازی، حسد، بغض اور دینی عداوت کا لک بن کر مبغوض چہروں سے عیاں ہو رہی ہوگی۔ منکرین کے لیے کوئی عزت نہیں ہوگی بلکہ ذلت اور صغار اور ہوان اور بربادی کا عالم یہ ہوگا کہ ان کی روسیاہی دیکھ کر ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم ایمان کے بعد پھر کفر کی راہ چل نکلے تھے، تم چونکہ اپنی من موجیوں کو پیغمبرانہ استدلال پر فوقیت دیتے تھے، اس لیے آج کالک تمہارے چہروں پر لیپ کر دی گئی ہے اب چکھو یہ ذلت کا عذاب، جب بھی کوئی رسوائی کا تازیانہ پڑے سوچ لینا یہ سب کچھ تمہارے کفر کے سبب ہوا ہے۔

آیت دراصل ایک گہری سوچ کا ابلتا چشمہ ہے، ایسا چشمہ جو وقوعِ قیامت کے بے کراں سمندر کی خبر دے رہا ہے۔ وہ لوگ جو اپنے گندے افکار کے کالے سمندر کی خوفناک لہروں میں لپٹے رہتے ہیں۔ ان کی زندگی کا سیاہ فسوں انہیں گھیرے رکھتا ہے اور بالآخر کفر و بغض کی تاریکی میں رہنے والے یہ کالے لوگ رنگین زندگی کے متوالے لوگ سمجھ ہی جائیں گے اور دیکھ لیں گے جب ہر شئی بکھر جائے گی ایمان ہی کی دلہن کا حسن ہر سو چھایا ہوگا!!!!!

❁❁❁❁❁

مفردات

يَّوْمَ: خاص دن مراد روزِ محشر ہے
تَبْيَضُّ: سفید ہوں گے
وُجُوْهٌ: چہرے
وَّ: اور
تَسْوَدُّ: کالے ہوں گے
وُجُوْهٌ: چہرے
فَاَمَّا: پس
الَّذِيْنَ: وہ لوگ
اسْوَدَّتْ: کالے پڑ گئے
وُجُوْهُهُمْ: ان کے چہرے
اَكَفَرْتُمْ: کیا تم منکر ہو گئے تھے
بَعْدَ: بعد
اِيْمَانِكُمْ: تمہارے ایمان
فَذُوْقُوا: تو چکھو
الْعَذَابَ: عذاب
بِمَا: سبب اس کے
كُنْتُمْ: تم تھے
تَكْفُرُوْنَ: کفر کرتے

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾
تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا
لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾
وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ ع
كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا
لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

(107) اور وہ لوگ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو گویا وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے

(108) یہ ہیں اللہ کی آیتیں جو ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں اور اللہ تمام جہاں والوں کے لیے کسی ظلم کا ارادہ نہیں کرتا

(109) اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹا دیے جائیں گے

(110) تم بہترین اُمت ہو جس کی تشکیل ہی لوگوں کے لیے کی گئی تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بُرائی سے منع کرتے ہو اور اللہ کے ساتھ ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بھلائی ہی بھلائی ہوتی ان میں مومن بھی ہیں لیکن ان کی اکثریت دائرہ ہدایت سے نکلی ہوئی ہے

مفردات

وَ: اور
اَمَّا: پس، رہے، جہاں تک تعلق ہے
الَّذِيْنَ: وہ لوگ، ان لوگوں کا
ابْيَضَّتْ: نور رنگ، سفید ہوئے، چمک اٹھے
وُجُوْهُهُمْ: ان کے چہرے
فَفِيْ: تو بیچ میں، فی ظرف کے لیے ہے
رَحْمَةِ: رحمت
اللّٰهِ: اللہ
هُمْ: وہ
فِيْهَا: اس میں
خٰلِدُوْنَ: ہمیشہ رہنے والے

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

''اور وہ لوگ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو گویا وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے''۔

آیت میں ''وَ'' عاطفہ ہے اور ''اَمَّا'' تفصیلیہ ہے اور ''سفید رو'' لوگ مؤمنین ہیں (364)۔

مفسرین نے لکھا کہ چہروں کا سفید ہونا اور کالا ہونا ایک تو مجازی معنیٰ رکھتا ہے اور دوسرا حقیقی معنیٰ رکھتا ہے۔

چہروں کا سفید ہونا یہ مجازی معنیٰ دیتا ہے کہ وہ فرحت وسرور میں ڈوبے ہوں گے اور فخر الدین رازی نے کہا کہ مؤمنین کے چہرے حقیقی طور پر سفید ہوں گے، ان میں نورانیت ہوگی اور روشنی سے وہ جگمگا رہے ہوں گے (365):

- قیامت کے دن جب مؤمنوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا تو ایمان والوں کے چہرے سفید اور روشنی میں ڈوبے ہوں گے۔
- اور دوسرا چہروں کے کھل اٹھنے کا مقام وہ ہوگا جب اعمال نامہ ہاتھ میں پکڑا جائے گا تو مؤمنوں کے چہرے سفید اور روشن ہوں گے۔
- تیسرا مقام وہ ہوگا جب مؤمنین اور منافقین کو جدا جدا کیا جائے گا تو مومن خوش ہوں گے اور ان کے چہرے سفیدی سے دمک رہے ہوں گے۔
- چوتھا مقام میزان پر اعمال تلنے کا ہوگا جب مؤمنوں کی نیکیاں وزن میں بڑھ جائیں گی تو وہ خوش ہوں گے اور ان کے چہرے سفید ہوں گے۔
- پانچواں مقام شوق لقا کی برآری پر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنی زیارت کا شرف مؤمنوں کو عطا فرمائے گا تو وہ سجدہ میں گر جائیں گے۔ نور ورحمت کے ان جلووں میں مؤمنوں کے چہرے برف کی طرح سفید ہوں گے۔ تفصیل کے لیے قرطبی اور رازی کی تفسیریں پڑھی جا سکتی ہیں (366)۔

آیت میں رحمت سے مراد جنت ہے (367)۔

نحاس اور زجاج وغیرہ نے لکھا کہ رحمت سے مراد اہل اطاعت کے لیے ثواب ہے (368)۔

''فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ'' جمالیاتی ادب کی ہری شاخ ہے۔ چہروں کی سفیدی مسرور اور خوش ہونے کی علامت ہے۔ ''فَفِيْ'' کی ظرفیت خوشیوں کے وفور، ہجوم اور جوش پر دلالت کرنے والا اسلوب ہے اور

رحمت میں شفقت، توجہ، التفات، نرمی اور عطا کا معنیٰ جیسے سمندر موجزن ہو۔ رحمت کی قرآنی نسبت تکاثر معنوی پر بھی دلالت کرتی ہے۔ مزے کی بات یہ کہ رحمت دور نہیں ہوتی اس میں قرب کا معنیٰ ایسا لگتا ہے جیسے نرگس کی نرگسیّت میں تجاذب ہو اور وہ لوگ جن میں جمالیاتی احساسات کا چشمۂ فیض بار ہو، وہ سمجھتے ہیں کہ رحمت اور نور دو ایسے کنائے ہیں جن سے حسن کے قبیلے کا کوئی فرد کتراتا ہوا محسوس نہیں ہوتا۔ میں کہہ سکتا ہوں محبت کے جذبات کے لیے عواطف حسن کا یہاں طوفاں ہے جو قاریٔ قرآن محسوس کر سکتا ہے۔ دل کرتا ہے یہ آیت بار بار دل اور روح کو چھو کر محبت کا ہنگامہ کھڑا کر دے۔ آیت میں لطافت کا عرش دیکھیے کہ کہا جا رہا ہے یہ سب کچھ لمحہ بھر کے لیے نہیں ہوگا اس نعمت کو خلود اور دوام حاصل ہوگا۔

واللہ اعلم

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۸

''یہ ہیں اللہ کی آیتیں جو ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں اور اللہ تمام جہاں والوں کے لیے کسی ظلم کا ارادہ نہیں کرتا''۔

''تِلْكَ'' مبتدا ہے اور ''اٰيٰتُ اللّٰهِ'' اس کی خبر ہے اور ''نَتْلُوْهَا'' جملہ حالیہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے ''اٰيٰتُ اللّٰهِ'' بدل ہے ''تِلْكَ'' سے اور جملہ پورے کا پورا خبر واقع ہو رہا ہے اور ''بِالْحَقِّ، نَتْلُوْهَا'' کے فاعل سے حال ہے یا مفعول سے حال ہے۔ تمام صورتوں میں معنیٰ ہوگا: یہ اللہ کی آیات ہیں ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں ہمارا پڑھنا حق ہے۔

مفعول سے حال واقع ہونے کی صورت میں ترجمہ ہوگا: ''یہ اللہ کی آیات ہیں ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ آیات حق ہیں'' (369)۔

آیت کی عمومی تفہیم یہ ہوگی کہ یہ آیات جو قاریٔ قرآن پڑھ رہا ہے ایسی مثمرات اور حقیقتیں رکھنے والی آیات ہیں جو ثابت اور مثبوت ہیں۔ یہ ہماری تلاوت اور تحفیظ کا اعزاز رکھتی ہیں، ان کے اندر پختگی اور اتقان ہے، یہ اپنے باطن میں ایسے مخفی خزانے رکھتی ہیں کہ جن کی قیمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ اللہ نے بیان کی ہیں۔

آیت کا اختتام ایک محکم اظہار پر ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام عوالم میں کسی ایک پر بھی ظلم کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا، اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے گناہوں سے زیادہ عذاب نہیں دیتا۔ جرائم کے موافق سزائیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

مفردات

تِلْكَ: یہ
اٰيٰتُ: آیتیں، نشانیاں
اللّٰهِ: اللہ
نَتْلُوْهَا: ہم تلاوت کرتے ہیں انہیں
عَلَيْكَ: آپ پر
بِالْحَقِّ: حق کے ساتھ
وَمَا: اور نہیں
اللّٰهُ: اللہ
يُرِيْدُ: ارادہ کرتا
ظُلْمًا: ظلم کا
لِّلْعٰلَمِيْنَ: تمام جہانوں اور عوالم کے لیے

ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں:

''کُنْتُمْ 'کَانَ'' سے ہے جس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

معنوی اعتبار سے یہ زائدہ ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ جملہ میں ''کَانَ'' تامہ ہے اور تیسری صورت اس کی تامہ نہ ہونے کی ہے۔صورت جو بھی ہو دلالت دوام نسبت پر کی گئی ہے(371)۔

اگر ''کَانَ'' تامہ ہو تو اس صورت میں معنیٰ وقوع اور حدوث کا ہوگا اور وہ خبر کا محتاج نہ ہوگا۔اُردو میں اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ تمہیں پیدا ہی سب امتوں سے بہتر کیا گیا ہے۔ترکیب کے اعتبار سے ''خَيْرَ اُمَّةٍ'' حال واقع ہوگا، یہ بات رازی نے لکھی ہے(372)۔

علامہ قرطبی نے یہ بھی لکھا کہ ''کَانَ'' زائدہ ہے۔اس صورت میں ''کَانَ'' مذکور ہو یا مخفی کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ ابن الانباری نے اس احتمال کو ضعیف قرار دیا ہے(373)۔

فخر الدین رازی نے یہ احتمال بھی لکھا کہ آیت میں ''کَانَ' صار'' کے معنوں میں لایا گیا ہے۔اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ تم تمام اُمتوں سے بہترین اُمت ہو گئے ہو، تمہاری تربیت ایسے ہاتھوں سے ہوئی ہے جہاں خیر و رحمت لپک لپک کر نوازتی ہے(374)۔

علامہ شیخ زادہ، رازی، اندلسی اور اسماعیل حقی نے ''کَانَ'' ناقصہ ہونے کا احتمال بھی لکھا ہے، اس صورت میں یہ کہا جا سکے گا کہ وہ لوگ پہلے خیریت کی صفت سے متصف تھے جبکہ اب ان کے اندر یہ صفت نہیں رہی اس اعتراض کا جواب یہ ہوگا کہ ''کَانَ'' ناقصہ ہمیشہ انقطاع صفت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ کبھی کبھی دوام پر بھی دلالت کرتا ہے مثلاً ''كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا'' میں ''کَانَ'' دوام پر دلالت کر رہا ہے(375)۔

''کَانَ'' ناقصہ کی صورت میں دلالتیں

اس عنوان پر فخر الدین رازی کی باتوں کو معاصر مفسر بھترالوی نے خوبصورت کھولا ہے(376):

- پہلی دلالت معنوی یہ ہوگی تم غلامانِ رسول اللہ تعالیٰ کے علم میں تمام اُمتوں سے بہترین اُمت ہو۔
- دوسری دلالت معنوی یہ ہوگی کہ جو امتیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں تم ان سب سے بہترین اُمت ہو۔
- تیسری معنوی دلالت یہ ہوگی کہ لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا کہ تم بہترین اُمت ہو۔
- چوتھی معنوی تطبیق یہ ہوگی تم جب سے ایمان لائے ہو اس وقت سے تم تمام اُمتوں سے بہتر ہو۔

مفردات

وَتُؤْمِنُوْنَ: اور ایمان رکھتے ہو
بِاللّٰهِ: اللہ پر
وَلَوْ: اور اگر
اٰمَنَ: ایمان لے آتے
اَهْلُ الْكِتٰبِ: اہل کتاب
لَكَانَ: تو ہوتا
خَيْرًا: بہتر
لَّهُمْ: ان کے لیے
مِنْهُمُ: ان میں سے بعض
الْمُؤْمِنُوْنَ: ایمان والے
وَاَكْثَرُهُمُ: اور ان کی اکثریت
الْفٰسِقُوْنَ: بھگوڑی ہے، گناہوں میں مبتلا لوگ، نافرمانی کرنے والے

دل اور روح خود بخود ان کی طرف کھنچے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بزرگ ترین ہستی اللہ کے بعد کس کی ہوگی، آپ ہی کی خوبیوں اور کمالات کی نسبت سے مسلمان خیر اُمت ہیں اور ان کا زمانہ خیر القرون ہے اور انہی کے سینہ پر نازل ہونے والی کتاب کو پڑھنے پڑھانے والے خیر الناس بن جاتے ہیں، اس لیے کہ ان کا وجود ''من ینفع الناس'' کا چشمہ ہوتا ہے اور ''خیر الزاد التقویٰ'' کا پیغام قرآن ہی کا پیغام ہے۔ ہر قسم کی خوشگواریاں اور وسعتیں اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کو خیر اُمت کہہ کر ان سے وابستہ کر دی ہیں۔

خیر اُمت انسانیت کے لیے ظاہر ہوئی

قرآن مجید کی اس آیت میں خیر اُمت کا مقصد حیات واضح کر دیا گیا ہے کہ تم لوگ لوگوں کی فلاح و اصلاح کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔ مفسرین نے لکھا کہ ''اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ'' کا معنیٰ ظہور ہے یعنی تمہیں ظاہر ہی لوگوں کے لیے کیا گیا ہے، تم سے پہلے دعوتیں اور تحریکیں معصوم بچوں کی طرح تھیں تم پر پہنچ کر نہضت اسلامی پر شباب آ گیا، تم نے تکامل کا ہر مرحلہ طے کر لیا۔ اعتقادی، ایمانی، عملی، اخلاقی اور روحانی اعتبار سے فطرت کی تدبیریں ہلال سے ترقی کر کے بدرِ کامل کا نمونہ بن گئیں۔ ذمہ داری کے اعتبار سے اب مسلمانو تم ایسا کوئی نہیں۔ ماضی میں ہوا ہے نہ مستقبل کی کسی کی اُمید کی جا سکتی ہے، جیسے تمہارے رسول خاتم النبیّن ہیں ایسے ہی تم خاتم الامم ہو۔ توحید کی امانتیں اب تمہارے سپرد ہیں۔ شرک سے منع کرنے والے اب محتسب تم ہو، ارض اللہ پر خلافت کا نظام اب تم نے قائم کرنا ہے، نظام عدل کو برقرار رکھنے والے شہداء بھی تم ہو، تمہارے سر پر اصطفا کا جو تاج رکھا گیا ہے اس میں خیر و خوبی کا ہر موتی جگمگا رہا ہے۔ اب تم نے نظام باطل کو چلنے نہیں دینا، نظام حق کے ہر پرزہ کو تحفیظ تمہارے وجود نے دینی ہے، تم وہ لوگ ہو جنہوں نے نیکی کے پرچار اور برائی سے منع کرنے کا ایک ایسا فعال نظام بنانا ہے جس کے رگ و پے میں اسلام ہی اسلام ہو۔ تم نے اپنے کردار کو ہر زمانے میں اتنا خوشبودار بنا دینا ہے کہ قومیں اور ملتیں تمہاری خوشبو سے اپنے مشام وجود کو معطر کرنے کے لیے تڑپنے لگ جائیں، نہ بھولنے والی بات یہ ہے کہ تم نے یہ تمام کام ایمان کی روشنی میں کرنا ہے۔ سچ صرف اسلام ہے، جو ایمان اور اسلام سے جڑ جائے، سچ وہ ہے باقی سب جھوٹ ہے۔ جھوٹ دنیا میں ایک ہی مرتبہ جوان ہوتا ہے جبکہ اسلام کے وجود سے سچائیوں کی نسلیں پیدا ہو کر جواں ہوتی رہتی ہیں۔ تمہیں اور ہمیں فکر صرف اسلام کی ہونی چاہیے۔

کافروں کو فاسق کیوں کہا؟

کفر اور فسق میں نسبت عموم خصوص مطلق ہے۔ ہر کافر فاسق ہوتا ہے لیکن ہر فاسق کافر نہیں

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا
يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾
ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ
مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ
حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ق

(111) وہ تھوڑی بہت اذیت کے سوا تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ تم سے لڑے تو بزدلی سے انہیں پیٹھ ہی دکھلانی پڑے گی پھر وہ مدد بھی نہ کیے جائیں گے

(112) ان پر ذلّت مسلط کر دی گئی جہاں کہیں بھی یہ پائے گئے اِلّا یہ کہ انہیں اللہ کی رسی اور لوگوں کی رسی کا سہارا مل جائے وہ اللہ کا غضب ہی لے کر لوٹے اور اُن پر محتاجی اور بدحالی تھوپ دی گئی، یہ اس لیے ہوا کہ یہ لوگ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے، ایسا ہونا ہی تھا اس لیے کہ وہ نافرمان ہوئے اور سرکشی کرنے لگ گئے

مفردات

لَنْ یَّضُرُّوْکُمْ: ہرگز وہ تمہیں ضرر نہیں دے سکتے، نقصان نہیں پہنچا سکتے
اِلَّآ: سوائے، مگر
اَذًی: معمولی ایذیت کے
وَاِنْ: اور اگر
یُّقَاتِلُوْکُمْ: تم سے جنگ کریں گے
یُوَلُّوْکُمُ: تمہاری طرف سے بھاگیں گے
الْاَدْبَارَ: پشت دے کر
ثُمَّ: پھر
لَا: نہ، نہیں
یُنْصَرُوْنَ: مدد نہ کیے جائیں گے

لَنْ یَّضُرُّوْکُمْ اِلَّآ اَذًی ؕ وَاِنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ یُوَلُّوْکُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

''وہ تھوڑی بہت اذیت کے سوا تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ تم سے لڑے تو بزدلی سے انہیں پیٹھ ہی دکھلانی پڑے گی پھر وہ مدد بھی نہ کیے جائیں گے''۔

آیت میں تین بشارتیں ہیں

مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ اگر تم نے خیر اُمت کے منصب پر فائز ہونے کی شرط پوری کی یعنی نیکی کا حکم دیتے رہے، برائی سے منع کرتے رہے اور ایمان کی حرارت اپنے وجود میں قائم رکھی تو اللہ تعالیٰ تمہیں تین نعمتوں سے مالا مال کرتا رہے گا۔

- اول تو یہ کہ دشمن تمہیں ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے ہاں معمولی ایذیتوں کا سلسلہ قائم ہو سکتا ہے یعنی طعن و تشنیع، خفیہ چالیں اور نفسیاتی حربوں سے معمولی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔
- دوسری بشارت یہ ہے کہ دشمن اگر میدان جنگ میں مقابلے کے لیے اتریں گے تو انہیں شکست ہوگی۔
- اور تیسری بشارت یہ ہے کہ دشمن بے یار و مددگار رہیں گے اور ان کا کوئی حمایتی نہ ہوگا۔

آیت میں صاف، صریح اور دوٹوک اشارہ موجود ہے کہ مسلمان اپنی اُمت ہونے کی فکر مضبوط کریں۔ تشتت اور تفرقہ سے بچیں، اپنی صفوں میں اتحاد اور وحدت پیدا کریں اور دعوتی، اصلاحی اور اسلام کی تنفیذی کوششوں کو تیز کریں۔ اس وقت تبلیغ کا سارا کام فرقہ وارانہ دباؤ میں ہو رہا ہے جب کہ کامیابی اُمت کی سطح پر خیر اُمت ہونے کی شرط پوری کرنے کے ساتھ مربوط کر دی گئی ہے۔

واللہ اعلم

ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

''ان پر ذلت مسلط کر دی گئی جہاں کہیں بھی یہ پائے گئے الّا یہ کہ انہیں اللہ کی رسی اور لوگوں کی رسی کا سہارا مل جائے وہ اللہ کا غضب ہی لے کر لوٹے اور اُن پر محتاجی اور بدحالی تھوپ دی گئی، یہ اس لیے ہوا کہ یہ لوگ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے، ایسا

ضُرِبَتْ: تھونپ دی گئی
عَلَیْهِمُ: ان پر
الذِّلَّةُ: ذلت
اَیْنَ مَا: جہاں بھی ہوں گے
ثُقِفُوْۤا: پائے گئے
اِلَّا: سوائے
بِحَبْلٍ: رسی کے ساتھ یعنی کسی عہد کے تحت
مِّنَ اللّٰهِ: اللہ کی طرف سے
وَحَبْلٍ: اور رسی
مِّنَ: سے
النَّاسِ: لوگ
وَبَآءُوْ: اور لوٹیں گے
بِغَضَبٍ: غضب اور غصہ
مِّنَ اللّٰهِ: اللہ کی طرف سے

ہونا ہی تھا اس لیے کہ وہ نافرمان ہوئے اور سرکشی کرنے لگ گئے''۔

آیت میں یہود کا نام تو نہیں لیا گیا لیکن قرآئن بتاتے ہیں کہ اشارہ انہی کی دائمی ذلتوں اور رسوائیوں کی طرف کیا گیا ہے۔ اسلوب کا عموم یہ بھی بتاتا ہے کہ قرآنی اور اسلامی ضوابط جو ارتقا اور عروج کی طرف محو پرواز کر دیتے ہیں کسی ایک قوم کے ساتھ معلق نہیں کیے جا سکتے، جیسے آکسیجن اور ہائیڈروجن کے معین مقدار میں ملنے سے پانی بنتا ہے ایسے ہی قرآن کی راہ چلنے سے عظمت وفضلیت کی جنتیں ملتی ہیں اور اس راستہ سے منہ موڑنے پر ذلت ومسکنت ہمیشہ کے لیے زندگی کے ایک ایک لمحہ پر اپنا تسلط جما لیتی ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت یہود کے بارے میں عموماً اور ''اعداالدین'' کے بارے میں خصوصاً یہ اعلان کرتی ہے کہ صرف دو صورتیں ہیں کہ یہ لوگ ذلت اور رسوائی کی مہر کو مٹا سکتے ہیں:

- پہلی صورت تو یہ ہے کہ اللہ کی طرف رجوع کر لیں، اس سے رابطہ جوڑ لیں اور اس کی بندگی کی رسی مضبوطی سے پکڑ لیں ''بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ'' اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنا وہی چیز ہے جو مسلمانوں کے لیے کہی گئی تھی کہ ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ'' اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔
- اور دوسری صورت یہ ہے کہ لوگوں کی رسی پکڑ لینا یعنی ان کے ساتھ کسی عہد اور معاہدے میں آجانا۔

پہلی صورت ایمان کی بنتی ہے اور دوسری صورت کسی کے امان میں آجانے کی ہے۔

''ثُقِفُوْٓا'' میں باریک اشارات

''ثقف'' کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو آیت فہم وذکاء کے چند مزید مفہومات سے بہرہ مند کر دیتی ہے۔

''الامثل'' کا مؤلف لکھتا ہے(387):

''الثقاف'' کا بنیادی معنیٰ جھگڑنا اور تلوار چلانا ہوتا ہے۔

تاج العروس میں صراحت ہے کہ وہ آلہ جس سے نیزے سیدھے کیے جائیں وہ ''ثقاف'' کہلاتا ہے(388)۔

راغب اصفہانی نے خامہ فرسائی کی اور مصطفوی نے اس کی تائید کی کہ ''ثقف'' کا معنیٰ بھانپ لینا ہوتا ہے۔ کسی چیز کی دریافت میں مہارت ہونا ''ثقفه'' ہوتا ہے۔ ایک قبیلے کا نام ''ثقیف'' تھا۔ یہ کھوجی لوگ تھے۔ حذاقت اور ذہانت سے کسی امر کی تہہ تک رسائی حاصل کر لینا(389)۔

مفردات

وَضُرِبَتْ: اور مسلط کر دی گئی
عَلَيْهِمُ: ان پر
الْمَسْكَنَةُ: مسکنت
ذٰلِكَ: یہ اس لیے ہوگا
بِاَنَّهُمْ: تحقیق وہ
كَانُوْا: تھے
يَكْفُرُوْنَ: کفر کرتے
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ: اللہ کی نشانیوں
وَيَقْتُلُوْنَ: اور قتل کرتے
الْاَنْۢبِيَآءَ: نبیوں کو
بِغَيْرِ حَقٍّ: ناحق
ذٰلِكَ: یہ سب کچھ
بِمَا: اس سبب سے تھا
عَصَوْا: وہ نافرمان ہوئے
وَّكَانُوْا: اور تھے
يَعْتَدُوْنَ: زیادتی کرتے

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ
الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾
وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ
شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

(113) وہ سب برابر نہیں ہیں اہل کتاب میں سے لوگوں کی ایک جماعت فرمانبردار بھی ہے جو رات کے مختلف حصّوں میں اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے رہتے ہیں درآنحالیکہ وہ سجدہ کناں ہوتے ہیں

(114) وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے منع کرتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کا شمار نیکوکاروں میں ہوتا ہے

(115) اور وہ جو بھی نیکی کرتے ہیں تو ہرگز اس کی ناقدری نہ ہوگی اور اللہ تمام تقویٰ داروں کا خوب جاننے والا ہے

(116) بے شک جن لوگوں نے انکارِ حق کر دیا ان کے مال اور ان کی اولادیں انہیں اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکیں گی اور وہ دوزخی ہیں ہمیشہ اسی میں رہیں گے

مفردات

لَيْسُوْا: وہ سب نہیں
سَوَآءً: برابر
مِنْ: سے
اَهْلِ الْكِتٰبِ: اہل کتاب
اُمَّةٌ: ایک گروہ
قَآئِمَةٌ: قائم ہے
يَتْلُوْنَ: وہ تلاوت کرتے ہیں
اٰيٰتِ اللّٰهِ: اللہ کی آیتیں
اٰنَآءَ: اوقات
الَّيْلِ: شب: رات
وَ: اور
هُمْ: وہ
يَسْجُدُوْنَ: وہ سجدہ کرتے ہیں

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

''وہ سب برابر نہیں ہیں اہل کتاب میں سے لوگوں کی ایک جماعت فرمانبردار بھی ہے جو رات کے مختلف حصّوں میں اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے رہتے ہیں درآنحالیکہ وہ سجدہ کناں ہوتے ہیں''۔

ربط وضبط

علامہ بقاعی نے لکھا(391):

''یہود مدینہ کے دو گروہ ہو گئے۔ اکثر تو اپنی ضد پر قائم رہے مگر قلیل سے لوگ ایسے ضرور تھے جو ایمان لے آئے۔ گزشتہ آیات میں ڈھیٹ لوگوں پر غضب کا ذکر تھا اس آیت میں مومنین پر رحمتوں کا ذکر ہے''۔

مفتی احمد یار خاں بدایونی لکھتے ہیں(392):

''پچھلی آیات میں کتابیوں کے بُرے اعمال کا ذکر تھا اس آیت میں مومن اہل کتاب کے اچھے اعمال ذکر کیے جا رہے ہیں''۔

ابن عاشور نے لکھا(393):

''قرآن مجید عصبیتوں کو ابھارنے والی کتاب نہیں اس سے ہر شخص مستفید ہوسکتا ہے۔ وہ لوگ جو اہل کتاب میں سے قرآن کی طرف بڑھے اس آیت میں ان کی اچھی خصلتوں کو تسلیم کی سند دی جا رہی ہے''۔

شان نزول

حضرت عبداللہ بن سلام دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو فضا سازگار ہوئی اور اہل کتاب میں سے مزید کچھ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ مفسرین نے لکھا ہے: ظہور اسلام سے پہلے بھی نجران کے چالیس لوگ، حبشہ کے بتیس اور روم کے تین آدمی تلاش حق میں عیسائی ہوئے لیکن جونہی زمانۂ اسلام

پایا وہ سب دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ جب کوئی شخص مسلمان ہوتا تو یہود طعن و تشنیع کرتے اور نومسلم لوگوں کو بدتر کہتے۔ اس آیت میں قرآن حکیم نے نظریاتی حسن سے زندگی آراستہ کرنے والوں کی تعریف فرمائی (394)۔

وہ سب برابر نہیں

جمالیاتی ادب کا حسین مرقع ہے جو قرآن حکیم اپنے ماننے والوں کے سامنے آراستہ کر دیتا ہے اور روحانی عدل کی خوبصورت تصویر ہے جو قرآن حکیم کے زیر تربیت لوگوں کے دلوں میں اتر جاتی ہے۔ قرآن حکیم کہتا ہے: سلیم الفطرت شخص جس کے ضمیر کا ہما بلندیوں پر پرواز کرتا ہو، بے ضمیر لوگوں کے کبھی برابر نہیں ہوسکتا۔ اسلام لانے والے اور اسلام قبول نہ کرنے والے کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ قرآن حکیم کہتا ہے اہل کتاب تمام کے تمام ایک جیسے نہیں، ان کے قافلے میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کا شمار نیک طینت افراد میں ہوتا ہے۔ وہ لوگ ایمان و اطاعت پر ثابت قدم ہیں۔ ان کی حیاتِ نیم شبی تلاوتِ آیات میں بسر ہوتی ہے۔ وہ اپنے ربّ کے سامنے سربسجود ہونے والے لوگ ہیں۔

سمجھنے والی بات یہ ہے کہ قرآن حکیم یہودی نسل کی مذمت یہودی ہونے کی وجہ سے نہیں کرتا، نہ ہی ان کے خون کو خراب کہتا ہے۔ قرآن حکیم یہودیوں کے بُرے اعمال، فاسد سوچوں اور مکروہ عزائم کی نشاندہی ضرور کرتا ہے لیکن ان میں ان فضیلت مآب لوگوں کی عزت اور تکریم کی بات کرتا ہے جنہوں نے فاسد اور گھٹیا گروہ سے خود کو جدا کر کے جنت کی راہ لگا دیا ہو۔ اسلام رنگوں، نسلوں اور عصبیتوں پر یقین نہیں رکھتا، ایمانی روحانیت اور روحانی اخلاقیت کی بنیاد پر تربیت کرتا ہے۔ اس آیت میں قرآنی تربیت کی خوشبو اپنے عروج پر محسوس ہوتی ہے۔ اسلام میں مشخصات رکھنے والے یار نہیں دیکھے جاتے، یارانے کی خوشبو کو اہمیت دی جاتی ہے۔ یہاں لوگوں کی ضدوں کا انتخاب نہیں ہوتا اسوۂ حسنہ کے رنگوں کا میلہ ہوتا ہے۔

کوئی آئے کوئی جائے کوئی روئے کوئی گائے
کوئی کھوئے کوئی پائے میلہ رکنے نہ پائے

اسلام زندہ باد (ساحر لدھیانوی)

آیت کا اہم عنوان

ابوالحسن واحدی نے ''التفسیر البسیط'' میں ایک اہم عنوان اٹھایا ہے (395)۔ ''اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ'' بلاشبہ آیت تعبیری حسن کے ساتھ جب مطلع شہود سے جلوہ گر ہوتی ہے تو زمین پر ایک اُمت نظر آتی ہے

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

دوسری صفت

''اُمَّۃٌ'' کی دوسری صفت تلاوت آیات بتائی گئی ہے۔ تلاوت کا معنیٰ پیچھے ہونا ہوتا ہے، اتباع بھی تلاوت ہے۔ تلاوت کرنے والا پہلے تو الفاظ پڑھ کر حروف کے چراغاں سے زندگی کی راہیں منور کرتا ہے پھر آیات کے عملی تقاضے پورے کر کے تلاوت کی معنویت کا نور زندگی میں سمو لیتا ہے اور آیات کے روحانی جلووں میں ڈوب جاتا ہے اور پھر یہ خوشبوئیں آفاق کی بستی میں رہنے والے ایک آدمی تک پہنچاتا ہے۔ یہ سب مفاہیم تلاوت آیات کے معنوی جلوے ہیں جو قرآن مجید کے چاہنے والوں ہی کو اللہ عطا فرماتا ہے۔

تیسری صفت

آیت میں ''یَسْجُدُوْنَ'' سے مراد نماز قائم کرنا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نماز تہجد قائم کرنا ہے۔ خازن وغیرہ نے لکھا کہ آیت میں سجدہ کی نماز سے مراد عشاء کی نماز قائم کرنا ہے (401)۔ روح البیان نے لکھا یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو مغرب کے بعد بارہ رکعت نماز اوابین پڑھتے تھے (402)۔ بعض مفسرین نے لکھا کہ سجدہ سے مراد خشوع ہے۔ درمختار نے لکھا کہ اوابین مغرب کے بعد چھ رکعات نفل ادا کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص نے مغرب کے بعد بیس رکعت ادا کیں
اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا'' (403)۔

چوتھی صفت

اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہے۔ عقیدۂ توحید اور آخرت پر یقین بندے کو بندگی کا جمال عطا کر دینے والے عقیدے ہیں۔ وہ شخص جو توحید پر ایمان نہیں رکھتا، وہ رسالت کو بھی نہیں مانتا اور آخرت پر عدم یقین انسان کو فکر صحیح سے محروم کر دیتا ہے۔

پانچویں صفت

اُمہ قائمہ کا ہر فرد صرف اپنی اصلاح پر ہی قناعت نہیں کرتا بلکہ دوسروں کی زندگی کو بھی فلاح وصلاح کی روشنیوں سے منور کرنے کے لیے بے تاب ہوتا ہے۔ وہ اچھے مشوروں سے لے کر ہدایت کے خوبصورت تحفوں تک ہر خیر کا نفع دوسرے افراد کو پہنچانے کی سعی کرتا ہے۔ معروف عرف سے ہے اور عرف مرغ کی کلغی کو کہتے ہیں۔ یہ مرغ کا تاج ہوتا ہے، اس کی غیرت کا نشان ہوتا ہے اور اس کی

عادات کا فطری پرچم ہوتا ہے۔ نیکی کو معروف کا نام دے کر قرآن مسلمانوں کی فطرت کو لفظوں میں منعکس کر دیتا ہے کہ وہ عادات سے لے کر دستور تک ہر معاملہ میں رحمت عالم ﷺ کی خوبصورت زندگی کا نشان اور علامت ہوتے ہیں اور اسی کی وہ تبلیغ کرتے ہیں۔ قرآن حکیم ان شعائر اور عزائم کو اُمت قائمہ کی صفت لازم قرار دیتا ہے کہ مسلمان کبھی بھی اس فریضۂ زندگی کی ادائیگی میں تساہل نہیں برت سکتے۔

❁ چھٹی صفت

اُمت قائمہ کی چھٹی صفت منکرات کے جہاں کو نیست و نابود کر دینا ہے، ہر برائی کے سامنے ''روک'' پیدا کرنا ہے۔ اپنی ذات کے منکرات سے لے کر حکومتوں کے مظالم تک ہر بدی کو ختم کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ آیت میں منکرات سے منع کرنے کا خاص اشارہ کس طرف ہے۔ التفسیر الشامل کے مؤلف نے ٹھیک لکھا کہ اُمہ قائمہ کی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ وہ شرک سے روکیں اور وہ لوگ جو محمد ﷺ کی نبوت سے انکار کرتے ہیں انہیں روکیں اس لیے کہ معروف کی اساس توحید پر ایمان ہے اور محمد ﷺ کی رسالت اور ان کے اوصاف اور کمالات کو تسلیم کرنا ہے (404)۔

❁ ساتویں صفت

اُمہ قائمہ کی صفات میں ضمنی طور پر یقین کی صفت بھی سامنے آتی ہے۔ حصول یقین کے بغیر ''قائمہ'' ہونے کا وصف پھیکا رہتا ہے۔ مومنانہ یقین ہی عظمتوں کا ہمالہ نصیب کر دیتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب نور دل میں آتا ہے تو اس میں کشادگی اور وسعت پیدا ہوتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ اس کی نشانی کیا ہے؟ ارشاد ہوا آخرت کی رغبت، دنیا سے نفرت اور موت سے پہلے اس کی تیاری۔ شیخ ابو طالب مکی نے لکھا کہ یقین سے مقامات پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''یقین ایمان ہے''۔ اللہ تعالیٰ کے دین پر یقین ایمان ہی کا کرشمہ ہوتا ہے۔

❁ آٹھویں صفت

اُمت قائمہ کی آٹھویں صفت ''یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ'' ہے۔ وہ نیکیوں میں سبقت لے جانے کے لیے جلدی کرتے ہیں۔ خیرات سے اشارہ ہر قسم کے نیک اعمال کی طرف ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ سستی یا غفلت سے نیکیاں نہیں کرتے بلکہ شوق، رغبت اور ذوق کے ساتھ کرتے ہیں اور اس راہ شوق میں دوسروں سے آگے نکل جانے کی روحانی طمع رکھتے ہیں۔

❁ نویں صفت

خوبصورت اور عظیم لوگوں کی ایک وصفی کیفیت بتائی کہ وہ صالحین میں سے ہوں گے۔ ربّ تعالیٰ کی

طرف سے غلامان رسول کو یہ خطاب ایک بڑا خطاب ہے، اس لیے کہ قرآن حکیم میں اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل کا ذکر کر کے انہیں صالحین سے قرار دیا گیا۔ سلیمان علیہ السلام کی دعا مذکور ہوئی کہ ربّ کریم مجھے اپنے صالح بندوں میں شامل فرما دے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ صلاحیت ساز وظیفہ قرآن حکیم سے وابستگی ہے، کتاب اللہ کی تلاوت ہے، عبادت میں انہماک ہے، تقویٰ کی راہ چلنا ہے، رحمۃ للعالمین کی نعتیں تلاوت کر کے ایمان رسالت مضبوط کرنا ہے، نیکی کا حکم دینا ہے، برائی سے منع کرنا ہے اور خیرات اور بر واحسان کا نظام نافذ کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہونا، تعصّبات اور عصبیتوں سے نفوس کو بچانا ہے۔ یہ وہ لطائف ہیں جن سے ارتباط مسلمانوں کو مضبوط اور مستحکم کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿١١٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١١٦﴾

''اور وہ جو بھی نیکی کرتے ہیں تو ہرگز اس کی ناقدری نہ ہوگی اور اللہ تمام تقویٰ داروں کا خوب جاننے والا ہے۔ بے شک جن لوگوں نے انکارِ حق کر دیا ان کے مال اور ان کی اولادیں انہیں اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکیں گی اور وہ دوزخی ہیں ہمیشہ اسی میں رہیں گے''۔

شانِ نزول

علامہ صاوی، آلوسی اور خازن نے شانِ نزول میں دو روایات نقل کی ہیں (405):

- پہلی روایت یہ نقل کی کہ ان آیات کا نزول حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں ہوا۔ یہود نے جب ان کے خلاف طعن و تشنیع کا طوفان اٹھایا کہ تم لوگوں نے بڑے خسارے کا سودا کیا ہے، ہدایت دے کر گمراہی خرید لی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو روح میں اتارنے والے مخلصین کو تسلی دی کہ تمہاری بھلائیوں کی ناقدری ہرگز نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اخلاص و تقویٰ سے خوب آگاہ ہے جنہوں نے علم صحیح کے نور کی اتباع کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اطاعت کو منزل بنا لیا۔
- دوسری روایت یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے مشرکین خصوصاً ابوجہل نے اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کے لیے بے دریغ اپنے اموال خرچ کرنے شروع کر دیے، اسی طرح یہود و نصاریٰ نے بھی ہجرت کے بعد اپنی دولتیں اسلام کو مٹانے کے لیے کھپا دیں۔ محل ملاعنت کہ وہ اپنی سفلی کوششوں کو بھی باعثِ اجر و ثواب جانتے تھے۔ ان دونوں

مفردات

وَمَا: اور جو کچھ
يَفْعَلُوْا: وہ کریں گے
مِنْ: سے
خَيْرٍ: بھلائی سے
فَلَنْ: تو ہرگز نہ
يُّكْفَرُوْهُ: اس کی ناقدری ہوگی
وَاللّٰهُ: اور اللہ
عَلِيْمٌۢ: بہت جاننے والا
بِالْمُتَّقِيْنَ: تقویٰ داروں کو
اِنَّ: بے شک
الَّذِيْنَ: جو لوگ
كَفَرُوْا: کافر ہوئے
لَنْ تُغْنِيَ: ہرگز کام نہ آئیں گے
عَنْهُمْ: ان کی طرف سے
اَمْوَالُهُمْ: ان کے اموال
وَلَآ: اور نہ
اَوْلَادُهُمْ: ان کی اولادیں
مِّنَ اللّٰهِ: اللہ سے
شَيْـــًٔا: ذرہ بھر
وَاُولٰۗىِٕكَ: اور یہی ہیں
اَصْحٰبُ: مالک، ملکیت رکھنے، صحبت میں رہنے والے
النَّارِ: آگ
هُمْ: وہ لوگ
فِيْهَا: اس میں
خٰلِدُوْنَ: ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے

آیات کے مضامین کو مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں پڑھا جائے۔

صالحین بھی اور متقین بھی

قرآن مجید کی زیر تفسیر آیات میں پہلی آیت ''اُمت قائمہ'' کی دسویں صفت اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائی۔ گزشتہ آیت میں انہیں صالحین کہا گیا تھا اس آیت میں انہیں متقین کہا گیا۔ یہ مدح اور تعظیم میں خوبصورت ترین انعام ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس گروہ کے بارے میں کہا گیا کہ ان کی بھلائیوں اور نیکیوں کا کفران نہیں ہوگا۔ کفر کا مطلب انکار کرنا بھی ہوتا ہے اور چھپانا بھی ہوتا ہے، اسی لیے عربی میں چھلکے کو ''کفریٰ'' کہتے ہیں، اس لیے کہ وہ مغز کو چھپا کر رکھتا ہے۔ ایک خوشبو ہے جس کا نام کافور ہے اسے کافور اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنی تیز خوشبو سے دوسری خوشبوؤں کو چھپا لیتی ہے۔ عربی میں ٹائر کو ''کفرہ'' کہتے ہیں اس لیے کہ وہ ٹیوب کو ڈھانپ لیتا ہے (406)۔ ناشکری کو کفران اس لیے کہتے ہیں کہ ناشکرا شخص ربّ کی نعمتوں کا انکار کر دیتا ہے، وہ نعمتوں کو چھپاتا ہے۔ زیر تعبیر آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اُمت قائمہ کی کسی بھلائی اور نیکی کی ناقدری نہ ہوگی اور نہ ہی ان کی مساعی کے اثرات چھپے رہیں گے گویا لفظوں میں اُمت مسلمہ کے اعمال و مساعی پر نتیجہ خیزی کی ضمانت دی گئی۔

دوسری آیت پہلے تو کافرین، منکرین، مشرکین اور ملحدین کے اعتقادی، اخلاقی اور تحریکی رویوں کو بے نقاب کرتی ہے کہ یہ لوگ اپنی افرادی قوت اور اقتصادی قوت کو اپنے لیے نجات دہندہ تصور کرتے ہیں۔ اولاد افرادی قوت کا نشان ہے اور اموال اقتصادی طاقت کی علامت ہے۔ نفسیاتی لحاظ سے کسی حد تک یہ انسانی کمزوری بھی ہے کہ وہ اولاد اور اموال کو تکلیفوں اور مصیبتوں میں نجات دہندہ تصور کر بیٹھتا ہے۔ قرآن حکیم واشگاف اعلان کرتا ہے، سر محشر اموال اور اولادیں کافروں کے کام نہ آئیں گی اس لیے کہ ان کا کفر اور ڈھٹائی انہیں اماکن رحمت سے بہت دور لے جانے والے بن کر ظاہر ہوئے، اب فیصلہ ہو چکا ہے کہ یہ دوزخی ہیں اور انہوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ ہی میں رہنا ہے۔

آیت کتنی خوبصورتی کے ساتھ یہ حقیقت قاریٔ قرآن کے سامنے لے آتی ہے کہ کافر کا کوئی دانہ اگتا نہیں اور مومن کی کوئی نیکی ضائع ہوتی نہیں۔ دوسری چیز جو یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جیسے مومنوں کا جہاں کافروں کے جہاں سے منفرد ہے ایسے ہی ماں باپ، آل اولاد ایمان کی شرط کے ساتھ مومنین کے لیے ان کے دلوں اور روحوں کی ٹھنڈک ہوں گے اور آخرت میں وہ کام آئیں گے۔ یہ کافروں کا جہاں ہے جہاں نیکی نیکی نہیں رہتی، اموال مٹی بن جاتے ہیں اور رشتے بے اثر ہو کر پت جھڑ کا موسم بن جاتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ
اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ
وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ
خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا
تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

(117) مثال اس کی جو وہ خرچ کرتے ہیں اس دنیا کی زندگی میں جیسے مثال ہوتی ہے ہوا کی جس میں کہ پالا ہو پہنچے ایسی قوم کی کھیتی کو جس نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہو تو اسے ہلاک کر کے رکھ دے اور اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں

(118) اے ایمان والو! اپنوں کو چھوڑ کر دوسروں کو رازداں نہ بنایا کرو وہ تمہاری بدخواہی میں ذرا بھی کمی نہیں کرتے انہیں پسند رہتا ہے کہ تم مصیبت میں پڑے رہو دیکھتے نہیں ان کی زبانوں سے بغض کیسے ظاہر ہوتا رہتا ہے اور جو ان کے سینوں میں مخفی ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے ہم نے تو خوب کھول کھول کر آیتیں بیان کر دی ہیں اگر تم سوچ سے کام لو

مَثَلُ مَا يُنۡفِقُوۡنَ فِىۡ هٰذِهِ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَثَلِ رِيۡحٍ فِيۡهَا صِرٌّ اَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٍ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَاَهۡلَكَتۡهُ‌ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰـكِنۡ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾

''مثال اس کی جو وہ خرچ کرتے ہیں اس دنیا کی زندگی میں جیسے مثال ہوتی ہے ہوا کی جس میں کہ پالا ہو پہنچے ایسی قوم کی کھیتی کو جس نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہو تو اسے ہلاک کر کے رکھ دے اور اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں وہ قانون بیان کیا گیا جس کے تحت رحمتیں زحمتیں بن جاتی ہیں۔ عطائیں، عتاب اور غضب میں ڈھل جاتی ہیں۔ خوشیاں غموں کا روپ دھار لیتی ہیں۔ سرسوں ہتھیلی میں اُگانے والے تازیانوں کی زد میں آجاتے ہیں۔

ایک چھوٹا سا فیصلہ ہے جو کہانی کو کہاں سے کہاں جا پہنچاتا ہے۔ وہ فیصلہ یہ ہے کہ بندہ ایمان کے نور میں زندہ رہنے سے اِبا کر دیتا ہے وہ اپنے لیے کفر کو پسند کر لیتا ہے، ناشکری اس کی عادت بن جاتی ہے، مثلاً مال خرچ کرنا ہے یہ ایک اچھی عادت ہے لیکن مال اگر انکار حق کے لیے کھپنے لگ جائے اور اس سے کفر کے ایوانوں کو طاقت ملنے لگ جائے تو قرآن مجید کہتا ہے کفار کا مال اس دنیوی کروفر کی زندگی میں ٹھٹھرتی، خشک اور ہلاک کر دینے والی ہوا کی مانند ہے جو فصلوں کو تباہ کر دینے والی ہوتی ہے۔

غور والی بات یہ ہے کہ زراعت بھی اچھی چیز ہے اور عام طور پر ہوا کی طبیعت بھی خوشیاں بکھیرنے والی ہوتی ہے۔

یہ نسیم بہار ہی ہے جس کے تازہ جھونکے ہر سو خوشبوئیں بکھیر دیتے ہیں۔ غنچوں کے دہن کھولتے ہیں اور درختوں کے اساسی پیکروں میں زندگی کی روح پھونکتے ہیں اور ایمان بھی وہ چیز ہے جس سے قبولیت اور ثمر باری کی لذتیں ملتی ہیں لیکن کافر کی ہر شئے خراب ہوتی ہے۔

حیات برباد، نسیم خوشگوار تباہی کے طوفان، کھیتیاں برباد اور وائی تباہی کے طوفان کفر اور ظلم بربادیوں کے وہ کالے سمندر ہیں جس میں کسی برباد فکر آدمی کی کشتی بچتی نہیں، طوفانوں میں سفینۂ نوح کی طرح سفینۂ ایمان ہی ناجی ہوسکتا ہے۔

واللہ اعلم

مفردات

مَثَلُ: مثال
مَا: جو
يُنۡفِقُوۡنَ: وہ خرچ کرتے ہیں
فِىۡ: میں
هٰذِهِ: اس میں
الۡحَيٰوةِ: زندگی
الدُّنۡيَا: دنیا
كَمَثَلِ: جیسے مثال ہے
رِيۡحٍ: ہوا کی
فِيۡهَا: ہوا اس میں
صِرٌّ: ختم کر دینے والی، شدید سردی، برباد کر دینے والی یخ بستہ ہوا
اَصَابَتۡ: پہنچے
حَرۡثَ: زراعت، کھیتی یا کھیت
قَوۡمٍ: قوم
ظَلَمُوۡۤا: ظلم کیا انہوں نے
اَنۡفُسَهُمۡ: اپنے آپ پر
فَاَهۡلَكَتۡهُ: تو ہلاک کر دیا اسے
وَمَا: اور نہیں
ظَلَمَهُمُ: ظلم کیا ان پر
اللّٰهُ: اللہ
وَلٰـكِنۡ: اور لیکن
اَنۡفُسَهُمۡ: اپنے نفوس پر
يَظۡلِمُوۡنَ: وہ ظلم کرتے

هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا
لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ
قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾
اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ
وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا
يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

(119) تم تو ان سے محبت کرنا چاہتے ہو اور وہ ہیں کہ تمہیں پسند ہی نہیں کرتے اور تم سب کتابوں کو مانتے ہو اور وہ جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم ایمان والے ہوئے اور جب الگ ہوتے ہیں تو غصّے سے تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں، کہیے اپنے غصّے ہی میں مر جاؤ بے شک اللہ دل کی باتوں تک کا خوب جاننے والا ہے

(120) اگر تمہیں بھلائی ذرا سی بھی حاصل ہو تو انہیں وہ بُری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی بُرائی پہنچ جائے تو اس سے وہ سارے ہی خوشیاں مناتے ہیں اور اگر تم نے صبر سے کام لیا اور تقویٰ اختیار کیے رکھا تو ان کا فریب تمہارا ذرہ بھر کچھ نہیں بگاڑ سکتا' بے شک اللہ جو بھی وہ کرتے ہیں اس کا احاطہ کرنے والا ہے

مفردات

هٰٓاَنْتُمْ: یہ تم
اُولَآءِ: جو ہو
تُحِبُّوْنَهُمْ: تم محبت کرتے ہو ان سے
وَلَا: اور نہیں
يُحِبُّوْنَكُمْ: وہ تم سے محبت کرتے
وَتُؤْمِنُوْنَ: اور تم مانتے ہو
بِالْكِتٰبِ: کتاب یا کتابیں سب
كُلِّهٖ: سب کی سب
وَاِذَا: اور جب
لَقُوْكُمْ: وہ تم سے ملتے ہیں
قَالُوْٓا: کہتے ہیں
اٰمَنَّا: ہم ایمان لائے
وَاِذَا: اور جب
خَلَوْا: وہ تنہا ہوتے ہیں
عَضُّوْا: کاٹتے ہیں
عَلَيْكُمُ: تم پر
الْاَنَامِلَ: انگلیوں کے پورے
مِنَ: سے
الْغَيْظِ: شدت غضب سے
قُلْ: فرمایئے
مُوْتُوْا: مرجاؤ
بِغَيْظِكُمْ: اپنے غضب ہی سے
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
عَلِيْمٌ: بہت جاننے والا
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ: سینے کی باتیں

هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾

''تم تو ان سے محبت کرنا چاہتے ہو اور وہ ہیں کہ تمہیں پسند ہی نہیں کرتے اور تم سب کتابوں کو مانتے ہو اور وہ جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم ایمان والے ہوئے اور جب الگ ہوتے ہیں تو غصّے سے تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں، کہیے اپنے غصّے ہی میں مرجاؤ بے شک اللہ دل کی باتوں تک کا خوب جاننے والا ہے''۔

ابوالعالیہ اور مقاتل کا مؤقف ہے کہ مسلمانوں کو سمجھایا جارہا ہے کہ تم لوگ تو ان کے بارے میں خواہش رکھتے ہو کہ وہ مسلمان ہوجائیں، اس لیے تمہاری ان سے محبت پُرخلوص ہوتی ہے لیکن وہ لوگ منافق ہیں ان کے اندر بغض کا گند بھرا ہوا ہے (410) اس لیے وہ تمہیں بالکل بھی نہیں چاہتے۔ مفسرین نے یہی لکھا کہ آیت میں ''المحبہ'' مصافات کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ وہ تمہیں قومی امور میں جھانسہ دینے کی خاطر ''ہم مومن ہیں، مومن ہیں'' کی رٹ لگاتے رہتے ہیں لیکن ان کی تنہائیاں تمہارے بارے میں آگ اگلتی رہتی ہیں۔

آیت میں ''عَضُّوْا'' کا مفہوم شدید غصے کا اظہار کرنا ہے۔ یہ تین طرح استعمال ہوتا ہے: ''العض'' عین کی فتحہ کے ساتھ معنیٰ ہوتا ہے کاٹنا، حضرت ابوطالب کا قول ہے کہ مشرکین ہماری عدم موجودگی میں اپنی انگلیوں کے پورے چباتے ہیں۔ ائمہ لغت لکھتے ہیں ''العض'' عین مضموم کے ساتھ معنیٰ ہوتا ہے اس نے شہر والوں کے چوپاؤں کو چارہ ڈالا ''بعیر عضاضی'' وہ اونٹ ہوتا ہے جو چارہ کھا کھا کر بہت موٹا ہوجائے اور ''العض'' عین مکسور کے ساتھ انتہائی ہوشیار اور چالاک آدمی کو کہتے ہیں۔ یہود کی پانچ حالتیں مسلمانوں کے سامنے لائی گئی (411):

1۔ وہ منافقین ہیں، تمہاری محبت کے اہل نہیں
2۔ بغیض لوگ ہیں ہر وقت سازشیں بُنتے رہتے ہیں
3۔ اپنے مخلص ہونے کے جھوٹے نشانات گھڑتے رہتے ہیں
4۔ لالچی اور طمّاع ہوتے ہیں، رشوت کا لین دین کرکے دین کو کمزور کرتے ہیں
5۔ چالاک، ہوشیار اور خداع یعنی دھوکے باز ہوتے ہیں۔

وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ﴿۱۲۱﴾

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَ اللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

(121) اور یاد کرو محبوب! جب آپ اپنے دولت خانہ سے رخصت ہو کر مومنوں کو جنگی مورچوں پر قائم فرما رہے تھے اور اللہ خوب سننے والا اور علم والا ہے

(122) یاد کرو جب تمہارے اپنوں میں سے دو گروہوں نے ارادہ کیا کہ ہمت چھوڑ دیں حالانکہ دونوں کا مددگار اللہ تھا اور ایمان والوں کو تو اللہ پر ہی توکّل کرنا چاہیے

(123) اور بلاشبہ اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جبکہ تم بے سروسامان اور تعداد میں تھوڑے تھے، سو اللہ سے ڈرو تا کہ تم شکر گزار بن سکو

مفردات

وَ: اور
اِذۡ: جب
غَدَوۡتَ: آپ نے صبح کی اور نکلے
مِنۡ: سے
اَهۡلِكَ: اپنے اہل وعیال سے
تُبَوِّئُ: قائم کرتے ہو، ٹھکانہ بناتے ہوئے
الۡمُؤۡمِنِيۡنَ: ایمان والے
مَقَاعِدَ: مورچے
لِلۡقِتَالِ: قتال کے لیے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
سَمِيۡعٌ: بہت زیادہ سننے والا
عَلِيۡمٌ: بہت زیادہ جاننے والا

وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ تُبَوِّئُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ مَقَاعِدَ لِلۡقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۙ﴿۱۲۱﴾

''اور یاد کرو محبوب! جب آپ اپنے دولت خانہ سے رخصت ہو کر مومنوں کو جنگی مورچوں پر قائم فرما رہے تھے اور اللہ خوب سننے والا اور علم والا ہے''۔

قرآن مجید کی یہ آیت ''وَاِذۡ'' سے شروع ہو رہی ہے۔ ایسے مواقع دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتے: کبھی تو مرکز تعلق مذکور ہوتا ہے اور کبھی مذکور نہیں ہوتا۔ اس صورت میں متعلق کو محذوف ماننا پڑتا ہے اور قرائن مطلب کو واضح کر دیتے ہیں۔ اکثر مفسرین ''اذکر'' کو محذوف مانتے ہیں، دریں صورت مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ موقع خاص کر یاد رکھنے کے قابل ہے۔

یادوں کا اُجالا

''غَدَوۡتَ، غَدَوٌ'' سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنوی منظر حضور ﷺ کا صبح صبح روانہ ہونا ہے۔ آیت میں اہل کا معنیٰ گھر والے ہیں۔ غزوۂ احد کے لیے رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے روانہ ہوئے۔ ''تُبَوِّئُ، بواء'' سے ماخوذ ہے۔ لغوی اعتبار سے اس کا معنیٰ ہموار جگہ ہوتا ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ حضور ﷺ مومنین جو آپ کی اطاعت میں نکلے تھے، انہیں جنگی اعتبار سے مناسب اور موزوں جگہ مستعد قائم فرماتے تھے۔ حضور ﷺ کا معمول تھا کہ آپ جب کسی غزوہ کے لیے نکلتے تو مسجد اور کاشانۂ فاطمیہ کا رخ فرماتے اور واپسی بھی اسی ترتیب سے ہوتی۔ اس اعتبار سے ''اھل'' کا مفہوم کاشانۂ بتول بھی ہو سکتا ہے، اس لیے کہ آپ کی مبارک اولاد حسنین کریمین ہی کے وجود سے پھیلی۔

واللہ اعلم

اُحد کی تاریخی تجسیم

زندگی کے عمومی معاملات میں لوگ تاریخ کو اہمیت نہیں دیتے، شاید اس لیے کہ فکری اعتبار سے لوگوں کے من زاد مسالک اور مذاہب کو تاریخ بُرے طریقے سے پٹکا دیتی ہے اور خود ساختہ مصنوعی فکری چراغوں کو وہ اوندھا کر دیتی ہے۔ قرآن مجید میں ایسی آیات کی تاریخی تجسیم قاریٔ قرآن کے ذہن، سوچ اور حواس کو بوتل بند کر لیتی ہے اور پھر بھٹکے ہوئے جنات کو تاریخی مواقع کا ورد کرایا جاتا ہے تاکہ فکری اعتبار سے یہ کنواں بند عبادت ان کی ہدایت کا سبب بن جائے۔

اُحد کا توقیتی منظر نامہ

قریش اپنے حلیفوں کے ساتھ ابوسفیان کی قیادت میں شوال تین ہجری کو مدینہ منورہ کی طرف چلے

اور اُحد پہاڑ کے قریب فروکش ہوئے۔ ان کا مقصد بدر کے مقتولین کا بدلہ لینا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے صدق وحق کی حفاظت کے لیے مشرکین کے خلاف صف بندی کا فیصلہ فرمایا۔ قریش کے کمانڈوز کا ایک دستہ جو عقبی جانب سے حملہ کرنا چاہتا تھا اسے روکنے کے لیے رسول معظم ﷺ نے عبد اللہ بن جبیر کی قیادت میں پچاس تیر انداز مقرر فرمائے۔ جب مسلمانوں کی فتح آشکار ہوگئی تو تیر اندازوں نے مالِ غنیمت کے شوق میں اپنی جگہ چھوڑ دی، حالانکہ رسول اکرم ﷺ کا حکم یہ تھا کہ حالات کا رخ جو بھی ہو تم نے اپنی جگہ نہیں چھوڑنی۔ محافظین نے اپنی جگہ جونہی خالی کی دشمن کے ایک مستعد دستہ نے مسلمانوں کے قلب لشکر پر جان توڑ حملہ کر دیا۔ مسلمان مشکل میں پھنس گئے اور ستر صحابہ شہید ہو گئے۔ اتنا بڑا نقصان ہونے کے باوجود رسول کریم ﷺ نے زخمی فوج کے حوصلوں اور ہمتوں کی شعلہ انگیزیوں میں ابوسفیان کی فوج کا تعاقب کیا اور انہیں مکہ کی طرف دھکیل دیا اور شام کی طرف جانے والی تجارتی شاہراہ کو مشرکین کے قبضہ میں دینے سے محفوظ کر لیا۔

اُحد کا جنگ نامہ ایک دوسرے مقام پر تفصیل کے ساتھ نقل کیا جائے گا۔ مبسوط تاریخ پڑھنے کے لیے ''سبل الہدیٰ'' کی طرف مراجعت انتہائی مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم

مفردات

اِذْ: یاد کرو جب
هَمَّتْ: ارادہ کیا
طَّآئِفَتٰنِ: دو گروہوں نے
مِنْكُمْ: تم میں سے
اَنْ: یہ کہ
تَفْشَلَا: وہ بزدلی دکھائیں
وَاللّٰهُ: اور اللہ، واؤ حالیہ بھی ہو سکتا ہے ترجمہ ہوگا حالانکہ اللہ
وَلِيُّهُمَا: ان کا مالک اور سرپرست ہے
وَعَلَى اللّٰهِ: اور اللہ پر
فَلْيَتَوَكَّلِ: بھروسہ کرنا چاہیے
الْمُؤْمِنُوْنَ: ایمان والوں کو

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

''یاد کرو جب تمہارے اپنوں میں سے دو گروہوں نے ارادہ کیا کہ ہمت چھوڑ دیں حالانکہ دونوں کا مددگار اللہ تھا اور ایمان والوں کو تو اللہ پر ہی توکّل کرنا چاہیے''۔

آیت کی تفسیر دانی کے لیے ضروری ہے کہ ''فشل'' کا مفہوم اچھی طرح جان لیا جائے، اس لیے کہ اصل گرفت تو ''تفشیل'' پر ہے۔ قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لیے اصل ممانعت تو ''فشل'' کی ہے۔ آیت میں صحابہ پر تنقید تو نہیں سکھائی جا رہی، کردار سازی کی جا رہی ہے تو آیئے دیکھتے ہیں کہ ائمہ لغت نے ''فشل'' کا معنیٰ کیا لکھا ہے۔ زبیدی حنفی نے اس لفظ کی اصل کریدتے ہوئے خامہ فرسائی کی ہے کہ ''اَلْفَشِلُ'' ہودج کے کپڑے کو کہتے ہیں جس کے پیچھے عورتیں بیٹھتی ہیں۔ وہ گدّا بھی ''فشل'' کہلاتا ہے جس پر عورتیں ہودج میں چھپ کر بیٹھیں یا دلہنیں پالکی کے اندر پردہ نشیں ہوں۔ پانی جب روکا نہ جا سکے اور بہہ پڑے وہ بھی ''تفشیل'' ہوتی ہے۔ ''الید الفشلا'' بائیں ہاتھ کو کہتے ہیں اس لیے کہ یہ سیدھے ہاتھ کی نسبت سے قدرے کمزور ہوتا ہے (416)۔

قرآن حکیم نے اس مادہ لفظی کو کمزور ہونے، بزدل ہونے اور پردۂ اخفا میں بیٹھ جانے کے معنوں

مفردات

- پہلا مرتبہ ''ھاجس'' ہے
- دوسرا مرتبہ ''خاطر'' ہے
- تیسرا مرتبہ ''حدیث النفس'' کا ہے
- چوتھا مرتبہ اس سے متصل ''ھمّ'' کا ہے
- اور پانچواں مرتبہ ''عزم'' کا ہے۔

علامہ لکھتے ہیں کہ سوائے عزم کے کسی میں بھی گرفت نہیں۔

آیت کا آخری حصہ مسلمانوں کا اللہ پر توکل ہے۔توکل کا معنیٰ اپنے عاجز ہونے کے وقت غیر پر اعتماد ہوتا ہے۔یوں اللہ پر توکل کا مفہوم بندے کی اپنی عاجزی ہوتی ہے اور اللہ پر اعتماد ہوتا ہے۔مفسرین کی یہ بات پسندیدہ ہے جو انہوں نے لکھی کہ آیت میں ظرف کو مقدم کرنا حصر کا معنیٰ پیدا کرتا ہے یعنی مومنوں کو اپنے تمام معاملات اللہ کے سپرد کرنے چاہییں اور اعتماد اللہ ہی کے حسن تدبیر پر ہونا چاہیے(420)۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

''اور بلاشبہ اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جبکہ تم بے سروسامان اور تعداد میں تھوڑے تھے،سو اللہ سے ڈرو تاکہ تم شکرگزار بن سکو''۔

وَلَقَدْ: اور بے شک
نَصَرَكُمُ: مدد کی تمہاری
اللّٰهُ: اللہ نے
بِبَدْرٍ: بدر کے مقام پر
وَّاَنْتُمْ: حالانکہ اور تم لوگ
اَذِلَّةٌ: کمزور
فَاتَّقُوا: تو ڈرو تم
اللّٰهَ: اللہ سے
لَعَلَّكُمْ: تاکہ تم
تَشْكُرُوْنَ: شکرگزاری کرسکو

بدر کا جغرافیہ

یہ مدینہ کے جنوب مغرب میں ایک سو پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ بدر بیضوی شکل کا ساڑھے پانچ میل لمبا اور چار میل چوڑا وسیع ریگستانی میدان ہے جس کے اردگرد اونچے اونچے پہاڑ ہیں۔

یاقوت حموی لکھتے ہیں(421):

''بدر وادیِ ''یلیل'' میں واقع ہے۔اس کے دونوں سروں پر ریت اڑ اڑ کر جمع ہوتی رہتی ہے یہاں تک یہ بھی ٹیلے محسوس ہونے لگ گئے ہیں۔اس کے ٹیلوں کے درمیان ایک بلند پہاڑ ہے جو جبلِ اسفل کہلاتا ہے۔اس پہاڑ کی چوٹی سے سمندر صاف نظر آتا ہے یہ سمندر بحیرۂ قلزم کہلاتا ہے''۔

پروفیسر عبدالرحمان نے حسن الدین خاموش کے حوالے سے لکھا ہے(422):

''بدر کو مقامی لوگ ''بدرو'' بولتے ہیں۔اس نام کا ایک گاؤں پہاڑی پر واقع ہے جہاں ایک بڑی مسجد بھی ہے''۔

سید مودودی سفر نامہ ارض القرآن میں لکھتے ہیں (423):

''مغرق سے ایک سڑک مدینہ کو جاتی ہے اور دوسری ''ینبع'' کو جو بحیرۂ قلزم پر ایک بندرگاہ ہے۔ مغرق کا فاصلہ مدینہ سے ایک سو پچپن کلومیٹر اور جدہ سے 269 کلومیٹر ہے''۔

علامہ قرطبی نے لکھا (424):

''بدر پانی کا ایک کنواں ہے اسی سبب سے اب شہر کا نام بدر پڑ گیا ہے۔ شعبی نے لکھا کہ قبیلہ جہینہ کا ایک آدمی تھا جس کی ملکیت میں وہ کنواں تھا۔ پانی کے کنویں کا نام مالک کے نام پر تھا۔ واقدی نے لکھا کہ بدر غیر منقول جگہ کا نام ہے''۔

آیت کا تفسیری انطباق

مؤرخین اور مفسرین نے لکھا (425) کہ غزوۂ احد کے بعد ابوسفیان خوشیوں کے شادیانے بجاتے ہوئے مکہ کی طرف واپس لوٹا۔ راستے میں اس کو توجہ دلائی گئی کہ اسلامیان مدینہ کے اصل لوگ تو بقید حیات ہیں۔ ابوسفیان تمہاری خوشیاں بے معنیٰ ہیں۔ اچھا یہ ہے کہ تم مدینہ کی طرف واپس لوٹو۔ محمد اور علی جب تک زندہ ہیں تمہاری فتح فتح نہیں۔ ابوسفیان کو شرارت آمیز افکار نے شہ دلائی اور وہ اپنی فوج کے ساتھ واپس لوٹا۔ درحقیقت غزوۂ اُحد کا یہی وقت خطرناک ترین تھا کیوں کہ مسلمان کثیر تعداد میں شہید اور زخمی ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر معمولی جرأت سے کام لیا اور کافروں کی فوج کا تعاقب کرنے کا فیصلہ فرما دیا، جس کے نتیجے میں ابوسفیان کو حالات نے دھکیل کر مکہ پہنچا دیا۔ یہ آیات اس نازک مرحلے پر نازل ہوئیں، مسلمانوں کی ہمت بندھائی گئی اور انہیں تاریخ کے وہ لمحات یاد کروائے گئے جب مسلمان تعداد میں بھی قلیل تھے اور دشمن کے مقابلے میں کمزور تھے۔ جنگی ساز و سامان کی بھی کمی تھی لیکن اللہ نے مدد فرمائی۔ آیت میں اللہ سے ڈرنے کا مطلب جواں ہمتی کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم رکاب ہو کر دشمنوں پر دوبارہ ٹوٹ پڑنا ہے۔ اس مقام پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عزم و وفا تازہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں میدان جنگ میں تقویٰ اور شکر دونوں کا معنیٰ خوب آتا ہے''۔

❁❁❁❁❁

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ
مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾
بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ
رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾
وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَ لِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَ مَا النَّصْرُ
اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾
لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

(124) وہ بھی کیا منظر تھا جب آپ مومنوں سے فرماتے تھے کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ تمہارا ربّ تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے

(125) ہاں اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اپنائے رکھو اور وہ تم پر بغیر بتائے تیزی سے آ دھمکیں تو ربّ تمہارا اس سے بھی جلدی مخصوص نشان رکھنے والے پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا

(126) اور اسے اللہ نے نہیں بنایا مگر تمہاری خوشی کے لیے اور اس لیے بھی کہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں اور مدد غالب حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہو سکتی ہے

(127) یہ اس لیے تھا تا کہ وہ کافروں کا ایک حصّہ کاٹ دے یا انہیں ذلیل کر کے ہلاک کر دے سو وہ نامراد واپس لوٹیں

مفردات

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

''وہ بھی کیا منظر تھا جب آپ مومنوں سے فرماتے تھے کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ تمہارا ربّ تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے''۔

آیت میں فرشتوں کی نزول اور ہبوط کی بات کی گئی ہے۔ یقین افزائی، ہمت سازی اور ایمان نوازی کے یہ سارے جلوے ہیں۔ مختلف مقامات پر فرشتوں کی تعداد کبھی ایک ہزار اور کبھی تین ہزار اور اگلی آیت میں پانچ ہزار اللہ کی مدد کے نشانات ہیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور تسکین قلوب کا رنگ بکھیرا۔ آپ نے اظہار میں یوں جلوے سموئے (426):

> ''بدر والے دن میں کنویں سے پانی کھینچ رہا تھا کہ تیز ہوا آئی جس کی مثل میں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ دوبارہ میں نے محسوس کیا کہ پہلے کی طرح ہوا آئی اور چلی گئی۔ یوں انہوں نے مکرر ذکر فرمایا کہ تیز ہوا چلی پس پہلی ہوا کے وقت جبرائیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کے ساتھ اترے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لشکر میں شامل ہو گئے۔ دوسری ہوا کے وقت حضرت میکائیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں طرف اترے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسی جانب تھے۔ تیسری ہوا کے وقت اسرافیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بائیں جانب آ کھڑے ہوئے میں علی رضی اللہ عنہ بھی اسی جانب تھا''۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ سب اللہ کی مدد کا جلوہ تھا۔

واللہ اعلم

اِذْ: یاد کرو جب
تَقُوْلُ: آپ فرما رہے تھے
لِلْمُؤْمِنِيْنَ: مومنین سے
اَلَنْ: کیا نہیں
يَّكْفِيَكُمْ: یہ کافی تمہارے لیے
اَنْ: یہ کہ
يُّمِدَّكُمْ: مدد کرے وہ تمہاری
رَبُّكُمْ: تمہارا ربّ
بِثَلٰثَةِ: تین کے ساتھ
اٰلٰفٍ: ہزار
مِّنَ: سے
الْمَلٰٓئِكَةِ: فرشتوں
مُنْزَلِيْنَ: اتارے گئے، مخصوص نشان رکھنے والے

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

''ہاں اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری اپنائے رکھو اور وہ تم پر بغیر بتائے تیزی سے آ دھمکیں تو ربّ تمہارا اس سے بھی جلدی مخصوص نشان رکھنے والے پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا''۔

علامہ فخر الدین رازی نے لکھا کہ پانچ ہزار فرشتوں کے نزول کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں تین شرطوں سے مربوط کر دیا:

- پہلی شرط یہ کہ اگر تم نے صبر و مصابرہ سے کام لیا یعنی ڈٹے رہے اور جم کر دشمن کا مقابلہ کیا تو مزید کمک اور مدد اللہ تعالیٰ اتارے گا۔
- دوسری شرط یہ کہ تم تقویٰ کے پابند رہے یعنی تمہارے باطن روحانی اعتبار سے اللہ کی بندگی اور محبت سے مربوط رہے اور اطاعت نبی ﷺ پر دوام استقامت رہا۔
- اور تیسری شرط یہ کہ کافروں نے فوری اگر تم پر حملہ کر دیا۔ رازی لکھتے ہیں کہ تیسری شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے فرشتوں کی تعداد پانچ ہزار پوری نہ ہوئی بلکہ تین ہزار ہی تعداد رہی (427)۔

علامہ فخر الدین رازی کے علاوہ مفسرین نے پانچ ہزار فرشتوں کی مدد پر صاد کیا اور اس نعمت کے اتمام کا قول کیا (428)۔ اصل بات ربّ کریم کی مدد پر یقین و اعتماد ہے۔ فرشتہ تو ایک بھی کافی ہوتا ہے اصل چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے محمد ﷺ کی بات کی تائید ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو جو اُمید دلائی تھی وہ اللہ کی رحمت اور مدد کے بھروسے پر دلائی تھی کہ یہ تین سو آدمیوں کی قلت اللہ نے فرشتوں سے دور فرما دی، قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے کیا ہوا وعدہ پورا فرما دیا۔ پہلے تین ہزار پھر تعداد پانچ ہزار کر دی گئی۔

واللہ اعلم

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾

''اور اسے اللہ نے نہیں بنایا مگر تمہاری خوشی کے لیے اور اس لیے بھی کہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں اور مدد غالب حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہو سکتی ہے''۔

مفردات

بَلٰٓى: ہاں
اِنْ تَصْبِرُوْا: اگر تم ڈٹے رہو گے
وَتَتَّقُوْا: اور تقویٰ اختیار کرو گے
وَيَاْتُوْكُمْ: اور آئے گا تم پر
مِّنْ فَوْرِهِمْ: فوری آ دھمکنے والی آمد سے
هٰذَا يُمْدِدْكُمْ: یہ وہ تمہاری مدد کرے گا
رَبُّكُمْ: تمہارا ربّ
بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ: پانچ ہزار
مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ: فرشتوں سے
مُسَوِّمِيْنَ: علامت دار اور نشان دار ''سومه، سیمه'' سے ہے جس کے معنیٰ علامت اور نشان کے ہیں، فرشتوں کو ''مُسَوِّمِيْنَ'' کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ انہیں خاص اہتمام سے بھیج رہا ہے

وَمَا: اور نہیں
جَعَلَهُ: اسے بنایا
اللّٰهُ: اللہ نے
اِلَّا: مگر
بُشْرٰى لَكُمْ: تمہارے لیے خوشخبری
وَلِتَطْمَئِنَّ: اور اس لیے کہ سکون پکڑ لیں
قُلُوْبُكُمْ: تمہارے دل
بِهٖ: اس سے
وَمَا: اور نہیں
النَّصْرُ: مدد
اِلَّا: مگر

公司章程修正案

公司章程修正案

第一条 本公司名称变更为：[illegible]

第二条 本公司注册资本变更为：[illegible]

第三条 本公司经营范围变更为：[illegible]

第四条 本公司住所变更为：[illegible]

第五条 本公司董事、监事、高管变更为：[illegible]

第六条 本公司股东变更为：[illegible]

第七条 本公司其他事项变更为：[illegible]

第八条 本公司章程修正案经股东会决议通过，自工商变更登记之日起生效。

第九条 本公司章程修正案一式[illegible]份，股东各执[illegible]份，[illegible]保存[illegible]年。

第十条 本公司章程修正案未尽事宜，[illegible]。

股东：[illegible]

股东：[illegible]

股东：[illegible]

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

''یہ اس لیے تھا تا کہ وہ کافروں کا ایک حصّہ کاٹ دے یا انہیں ذلیل کر کے ہلاک کر دے سو وہ نامراد واپس لوٹیں''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں فرشتوں کے ذریعے مسلمانوں کی مدد کا مقصد بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ اہتمام اس لیے ہو رہا ہے تا کہ اللہ کافروں کو نیست و نابود کر دے یا کم از کم اتنا ضرور ہو جائے کہ ان کی طاقت کا ایک حصہ ٹوٹ جائے، یہ مقصود حربی تمہارے دلوں میں مزید اطمینان پیدا کرے گا۔

''یَكْبِتَهُمْ'' کا معنیٰ جلالین نے شکست دے کر ذلیل و خوار کرنا لکھا ہے (431)۔

صاوی نے لکھا کہ ''الکبت'' اصل میں ''الکبد'' ہے دال کو تا سے بدل دیا گیا ہے۔

''الکبد'' جگر یا کلیجے کو کہہ دیتے ہیں۔ محاورۃً ''کبت'' اس غیظ و غضب کے لیے استعمال ہو جاتا ہے جس سے جگر اور کلیجہ جل اٹھے (432)۔

علامہ فخر الدین رازی نے ''الکبت'' کا معنیٰ چہرے کے بل گر جانا اور اوندھا ہو جانا لکھا ہے۔ رازی نے صراحت کی کہ مفسرین نے ''الکبت'' کے مرادی معانی بہت سے رقم کیے ہیں لیکن لعنت کرنا، شکست دینا، ہلاک کرنا، ذلیل کرنا اور غیظ و غضب کا شکار ہونا تقریباً سب نے لکھا ہے (433)۔

''خَآئِبِيْنَ، خیبہ'' سے ہے جس کا معنیٰ محروم اور تہی دست ہو کر لوٹنا ہوتا ہے خصوصاً یہ لفظ اس محرومی اور رسوائی پر بولا جاتا ہے جو توقع کے بعد حاصل ہو (434)۔

مفردات

لِيَقْطَعَ: تا کہ کاٹ دے
طَرَفًا: ایک حصہ، ایک طرف سے ایک شاخ، ایک پہلو سے
مِّنَ: سے
الَّذِيْنَ: وہ لوگ جو
كَفَرُوْٓا: کافر ہوئے
اَوْ: یا
يَكْبِتَهُمْ: انہیں ذلیل کرے یا انہیں تباہ کر دے
فَيَنْقَلِبُوْا: کہ وہ لوٹیں
خَآئِبِيْنَ: خوار ہو جانے والے

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ
ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾
وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوۤا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا
اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ ج وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ ج
وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ ج

(128) آپ کے لیے اس معاملہ میں کوئی باعثِ پریشانی نہیں یا تو وہ انہیں توبہ کی توفیق دے یا انہیں سزا دے وہ لوگ تو ظالم ہیں

(129) اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے وہ بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور عذاب دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ بہت ہی بخشنے والا مہربان ہے

(130) اے ایمان والو! سود دُونا دُون نہ کھاؤ اور ڈرو اللہ سے تاکہ تمہاری کامیابی ہو

(131) اور ڈرو اس آگ سے جو کفر کرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے

(132) اور اطاعت کرو اللہ اور رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے

مفردات

لَيْسَ: نہیں
لَكَ: آپ کے لیے
مِنَ: سے
الْاَمْرِ شَيْءٌ: شئی، بات
اَوْ: یا
يَتُوْبَ: توبہ کی توفیق
عَلَيْهِمْ: ان پر
اَوْ: یا
يُعَذِّبَهُمْ: ان پر عذاب کرے
فَاِنَّهُمْ: تو وہ ہیں
ظٰلِمُوْنَ: ظلم کرنے والے

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

''آپ کے لیے اس معاملہ میں کوئی باعثِ پریشانی نہیں یا تو وہ انہیں توبہ کی توفیق دے یا انہیں سزا دے وہ لوگ تو ظالم ہیں''۔

شانِ نزول

مفسرین نے اس آیت کی تفہیم کے لیے چند روایات کو اہمیت دی ہے:

پہلی روایت

مسلم اور بخاری نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بات نقل کی ہے کہ غزوۂ احد میں عتبہ بن ابی وقاص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زخمی کیا اور اس کے پتھر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دانت مبارک شہید ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چہرۂ انور سے خون پونچھتے تھے اور مولا علی مرتضیٰ اور سالم خون دھوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی موقع پر ارشاد فرمایا: ''وہ قوم کیسے کامیاب ہوگی جس نے اپنے نبی کے رخ انور کو خون سے رنگ دیا حالانکہ رسول ان کے خیر خواہ ہیں اور انہیں جنت کی طرف بلاتے ہیں''۔ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی (435)۔

دوسری روایت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔ غزوۂ احد سے واپسی پر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے اللہ! فلاں شخص پر لعنت کر، بلکہ روایت کی تفصیل بیان ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے اللہ! ابوسفیان پر لعنت کر
اے اللہ! حارث بن ہشام پر لعنت کر
اے اللہ! سہیل بن عمرو پر لعنت کر
اور اے اللہ! صفوان بن اُمیہ پر لعنت کر

اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چند لوگوں کے مسلمان ہونے کا بتا دیا گیا (436)۔

❁ تیسری روایت

اُحد کے دن جب یہ بات مسلمانوں کے مشاہدے میں آئی کہ شہید صحابہ رضی اللہ عنہم کے کان، ناک اور مذاکیر یعنی اعضائے تناسل کاٹ دیے گئے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اعضا تو ہندہ نے کاٹ کر ہار بنایا اور گلے میں ڈال لیا۔ اس مثلہ کرنے کی روح فرسا کیفیت کو دیکھ کر مسلمانوں کے دلوں میں بھی کافروں کے ساتھ یہی رویہ روا رکھنے کا جذبہ ابھرا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (437)۔

❁ چوتھی روایت

بئیر معونہ جو مکہ مکرمہ اور عسفان کے درمیان ہے۔ اس علاقے میں رحل، ذکون، عصیہ اور بنی لحیان قبائل آباد تھے۔ یہ لوگ مدینہ میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ستر قاری اپنے ساتھ لے گئے۔ بئیر معونہ کے مقام پر انہوں نے بدعہدی کی اور معلمین قرآن کو شہید کر دیا، صرف کعب ابن زید بخاری بچے، باقی سب شہید ہو گئے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ماہ تک صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھی اور ان قبیلوں کے لیے دعائے انجام وضرر فرمائی۔ یہ آیت اس مناسبت سے نازل ہوئی (438)۔

''لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ'' کا فنی مبحث

''لَیْسَ''، فعل ناقصہ ہے، ''شَیْءٌ'' اس کا اسم مؤخر ہے، ''لَکَ'' خبر مقدم ہے، ''مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ'' کا حال مقدم ہے اصل عبارت یوں تھی:

''لَیْسَ شَیْءٌ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ''

''الْاَمْرِ'' میں الف لام عہدی ہے جس سے تین طرف اشارہ مقصودی ہو سکتا ہے:

❁ پہلا احتمال یہ ہے کہ اشارہ کفار بدر کا قتل، بعض کفار کا قید ہو جانا اور بعض کا بھاگ پڑنا وغیرہ کی طرف ہے۔

❁ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آئندہ دو چیزوں کی طرف اشارہ مقصود ہے: ایک کفار کو توبہ کی توفیق ملنا یا ان پر عذاب آنا۔

❁ تیسرا احتمال یہ ہے اشارہ اس دعا کی طرف ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیس روز تک پڑھی۔

❁ ''لَیْسَ'' کا مدعائے روحانی یہی ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا جا رہا ہے کہ بددعاؤں میں

中华人民共和国国家标准

GB/T 3100.1—1993

国际单位制及其应用

第一部分 空间和时间

Introduction to the International System of Units (SI) and its application
Part 1 Space and time

1993-12-31 发布　　1994-07-01 实施

国家技术监督局 发布

中国标准出版社出版
北京 复兴门外三里河 邮政编码100045
电话 (010)68522112
北京印刷厂印刷
新华书店北京发行所发行
开本 880×1230 1/16 印张 1.25 字数 30 千字
1994年7月第一版 1994年7月第一版第一次印刷
印数 1—1 000
定价 [illegible]

مفردات

کچھ ہے وہ اللہ ہی کے قبضۂ قدرت اور دست مالکیت میں ہے۔ تربیتی نقطۂ نظر سے یہ بات ذہن میں رہے کہ انسانوں میں سرکشی، بغاوت، بخل اور حسد کا سبب ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ وہ اموال واشیاء کو اپنی جاگیر تصور کر بیٹھتے ہیں، یہی عقیدہ ام الجرائم بن جاتا ہے۔ قرآن حکیم اپنی تربیت سے فیض یاب ہونے والوں کو یہی سکھاتا ہے کہ ہر چیز کا مالک اللہ ہی ہے۔ انسان جب دل وجان سے مان لیتا ہے مطلق العنان مالک اللہ ہی ہے تو پھر اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ کے احکام اپنے چھوٹے سے وجود پر نافذ کر لیتا ہے۔

دیکھا جائے تو آیت میں تین قوانین بیان ہوئے ہیں:

- پہلا قانون ''قانون مالکیت'' ہے
- دوسرا قانون ''قانون مواخذہ'' ہے
- اور تیسرا قانون ''قانونِ رحمت'' ہے۔

آسمانوں اور زمینوں میں جب ہر شئی کا اکیلا مالک وہی ہے تو جس کو جتنا دیتا ہے وہ اس کی مہربانی ہوتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ اسی کی رحمت کا مظہر ہیں۔ آیت میں حضور ﷺ کے لیے اللہ کی عطاؤں میں تحدید نہیں تحقیق ہے کہ حضور ﷺ اللہ کے نظام میں دخیل نہیں ہوتے فیض یاب ہوتے ہیں اور اللہ ہی کے خزانوں سے لوگوں کو نوازتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۱۳۰﴾

''اے ایمان والو! سود دُونا دُون نہ کھاؤ اور ڈرو اللہ سے تاکہ تمہاری کامیابی ہو''۔

يٰٓاَيُّهَا: اے
الَّذِيْنَ: وہ جو
اٰمَنُوْا: ایمان لائے ہو
لَا: نہ
تَاْكُلُوا: کھاؤ تم
الرِّبٰٓوا: سود
اَضْعَافًا: دگنا
مُّضٰعَفَةً: چوگنا
وَاتَّقُوا: اور ڈرو
اللّٰهَ: اللہ سے
لَعَلَّكُمْ: تاکہ تم
تُفْلِحُوْنَ: مراد پاؤ

آیت کی تفسیر میں علامہ نسفی نے لکھا (441):

زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ قرض کی مدت جب پوری ہو جاتی اور مقروض مجبور ہوتا، قرضہ کی واپسی کی کوئی صورت نہ ہوتی تو قرض کی رقم میں واپسی چاہنے والا قرض کی رقم میں اضافہ کر دیتا۔ مقروض مجبوری کی بنا پر اپنے اوپر دوگنا قرض مزید قبول کر لیتا۔ یوں وصولیابی تک قرض کئی گنا ہو جاتا۔ ظلم اور ظلمتوں کے طوفان کو روکنے کے لیے قرآن مجید نے سود مطلق حرام کر دیا اور سود خوری پر شدید توبیخ کی۔

تفسیر خازن اور معالم التنزیل اور وھبہ نے یہی لکھا۔

سید ابوالحسنات لکھتے ہیں (442):

''سود کھانے سے بے مروتی اور قلبی کمزوری پیدا ہوتی

مفردات

ہے۔حرام مال کھانے سے اطاعت اور اتباع کی طاقت نہیں رہتی۔سود سے انسان میں بخل پیدا ہوتا ہے۔اس دور میں یہودیوں سے مسلمانوں کے اکثر سودی کاروبار اور معاملات رہتے تھے اور اس میں منافقین کا بڑا دخل تھا اس لیے مسلمانوں کو سختی سے منع کر دیا گیا کہ سودی کاروبار بالکل ختم کر دیں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آیت میں ایمان والوں کے لیے تہدید ہے کہ اللہ نے جو چیزیں حرام ٹھہرادی ہیں اصحاب ایمان ان کو حلال ہرگز نہ جانیں، اس لیے کہ حرام قطعی کا حلال جاننا کفر ہے۔آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ گناہ کبیرہ سے کفر لازم نہیں آتا لیکن گناہ کو ہلکا جاننا بعض صورتوں میں فسق جلی ہے اور بعض صورتوں میں بوجھ کفر تک جا پہنچتا ہے(443)۔

آیت میں ایک اہم چیز کا جان لینا بھی ضروری ہے کہ آیت میں یہ کہنا کہ سود دو گنا اور چوگنا نہ کھاؤ، یہ معنیٰ ہرگز نہیں رکھتا کہ جو سود تھوڑا ہو اس کے کھا لینے میں مضائقہ نہ سمجھا جائے، سود تھوڑا ہو یا زیادہ کھانا حرام ہے۔اصل میں فعل کی رکاکت بیان کرنے کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا گیا۔

قرآن مجید نے کہا: اللہ کی آیات کو ثمن قلیل کے عوض نہ بیچا خریدا جائے، اس کا یہ معنیٰ نہ ہوگا کہ زیادہ مول ملے تو آیات کی فروخت جائز ہو جائے گی، معاذ اللہ متخالفانہ، متجادلانہ اور متباحثانہ اغراض کی تکمیل کے لیے قرآن مفاہیم میں نشیب و فراز پیدا کرنا کفر ہے، سوءِ فہمی کی اس کجی سے مکمل پرہیز ضروری ہے۔

آیت کے آخر میں مسلمانوں کی تربیت کے لیے اخلاقی فضائل اور وسائل کی تلخیص بیان ہوئی کہ تقویٰ ہی وہ فضیلت مآب وسیلہ ہے جس سے فلاح کی منزل تک آسانی کے ساتھ پہنچا جا سکتا ہے۔

واللہ اعلم

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ۚ﴿۱۳۱﴾

''اور ڈرو اس آگ سے جو کفر کرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے''۔

مدارک التنزیل میں لکھا ہے(444):

''امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیۂ کریمہ قرآن حکیم میں بہت زیادہ خوف دلانے والی ہے، اس

وَاتَّقُوا: اور بچو
النَّارَ: آگ سے، دوزخ، جہنم سے
الَّتِيۡۤ: وہ جو
اُعِدَّتۡ: تیار کی گئی
لِلۡكٰفِرِيۡنَ: منکرین اور اہل کفر کے لیے

لیے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو دوزخ کی آگ سے ڈرایا ہے جو اصل میں کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے کہ وہ اگر حرام کاموں سے نہ بچے تو انہیں اس آگ میں ڈال دیا جائے گا جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے''۔

علامہ واحدی التفسیر البسیط میں لکھتے ہیں (445):

''قرآن مجید میں یہ آیت مومنوں کو اللہ کی رحمت کی اُمید دلاتی ہے کیوں کہ صاف طور پر کہہ دیا گیا ہے کہ دوزخ کی آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے''۔

تفسیر خازن میں لکھا گیا ہے (446):

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت میں بہت زیادہ خوف ہے اس لیے کہ فہمائش ہے۔ اللہ نے جو چیزیں حرام کی ہیں انہیں حلال جان کر خود کو کافروں کی دوزخ کا مستحق نہ بنالو''۔

علامہ اسماعیل حقی ارشاد فرماتے (447):

''جلاء القلوب دوزخ کی آگ سے بچاتی ہے اور یہ اللہ کے ذکر، قرآن مجید کی تلاوت اور درود شریف کے ورد سے حاصل ہوتی ہے''۔

حضرت ابراہیم خواص کا قول ہے (448):

پانچ چیزیں ہیں جو بیمار دلوں کا علاج ہے، ان ہی سے دوزخ کی آگ ٹھنڈی پڑ جاتی ہے:

1۔ قرآن مجید کو تدبر سے تلاوت کرنا
2۔ خالی پیٹ رہنا، شاید روزہ رکھنے کی طرف اشارہ ہے
3۔ رات کو قیام میں بسر کر دینا
4۔ بوقت سحری عاجزی کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع
5۔ اور نیک لوگوں کی مجلس اختیار کرنا۔

مفردات

البحر المحیط میں ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں (449):

''جہنم کے سات طبقات ہیں: پانچ کفر والوں کے لیے ہیں، ان میں سزا اور ذلت دونوں ہیں۔ ایک طبقہ منافقوں کے لیے ہے اس میں شدت عذاب ہے اور ایک طبقہ گناہ گاروں کے لیے ہے اس میں گرفت تو ہوگی لیکن ذلت نہیں ہوگی''۔

وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾

''اور اطاعت کرو اللہ اور رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے''۔

وَاَطِيۡعُوا: اور اطاعت کرو
اللّٰهَ: اللہ کی
وَالرَّسُوۡلَ: اور رسول کی
لَعَلَّكُمۡ: یقین رکھو تم پر
تُرۡحَمُوۡنَ: رحم کر دیا جائے گا

قرآن مجید کی یہ آیت اسلوب کے لحاظ سے خوبصورت عمدہ اور پرکشش ہے۔ پہلی آیت وعید تھی یعنی لگتا تھا بادلوں میں بجلی کی کڑک تھی۔ یہ آیت محسوس ہوتا ہے گھنگھور گھٹاؤں سے باران رحمت کا تقاطر ہے۔ تفسیری عمود کے اعتبار سے ایک مشکل عمرانی بحث کو سمیٹا گیا ہے پھیلایا نہیں گیا۔ وہ چیزیں جو خواص کے ذہن سے متقارب ہوں قرآن حکیم عوام کے ذہنوں کو ان میں الجھاتا نہیں۔ افکار و احکام کی منطقیت دلنشین انداز میں قرآن کریم تلاوت کرنے والوں کی روحوں میں ڈال دیتا ہے۔

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں (450):

''آیت میں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور اسی پر رحم کرنے کو متحاصر اور مرتب کر دیا گیا۔ اس سے خوش بخت لوگوں کی نشان دہی ہوگی کہ کوچۂ رسالت میں اطاعت و محبت کی پھیری دینے والے ہی رحم کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ ضمنی طور پر اگرچہ یہ بات سمجھ آتی ہے کہ جو اطاعت نہیں کرتے وہ رحم کے مستحق بھی نہیں ہوتے لیکن اسلوب کی بداہت گلِ رحمت کی شاخوں پر کانٹے تلاش نہیں کرتی، گلوں کی پتیوں ہی سے ذوقِ علم و عمل کی تسکین کروا دیتی ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اللہ کے فضل، احسان اور کرم سے رحم کرنے کی نفی نقل نہیں ہوئی۔ رازی اس قابل ہیں کہ ان کی مرقد نور پر رضوان

رحمت عقیدتوں کی گل پاشی کرے، سبحان اللہ''۔

آیت میں اطاعت کا نصاب کیا ہے اس میں وسعت کتنی ہے اور تحدید کتنی ہے؟

علامہ آلوسی، واحدی، آلوسی اور رازی نے اشارہ کیا ہے کہ یہاں اللہ کی اطاعت سے مراد فرائض پر عمل بجالانا ہے اور رسول کی اطاعت سے مراد سنتوں پر عمل کی خوشبو پانا۔

ابوحیان اندلسی نے بعض ائمہ مفہوم و معنیٰ کے حوالے سے یہ بھی لکھا کہ یہاں سود کی حرمت پر رویّے اطاعت کے ہونے چاہییں۔ اللہ اور رسول کی اطاعت ہونی چاہیے اور یہ بھی کہا کہ حکم عام اوامر و نواہی میں مطلق اللہ اور رسول معظم ﷺ کی اطاعت ہونی چاہیے (451)۔

علامہ آلوسی نے ''لَعَلَّکُمْ'' میں مفہوم و معنیٰ دونوں طرح سمجھا ہے یعنی کہا کہ ''لعل'' ''اگر'' کی'' کے معنوں میں ہو تو ترجمہ یہ ہوگا تا کہ تم رحم کیے جاؤ اور ''ترجی'' کے معنوں میں لیا جائے اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اس اُمید پر کہ تم پر رحم کیا جائے گا (452)۔

شیخ زادہ اور بیضاوی وغیرہ مفسرین نے لکھا کہ ''عسی'' اور ''لعل'' وغیرہ میں اُمید اور شاید وغیرہ کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی جا سکتی، البتہ ان چیزوں کی نسبت بندوں کی طرف کی جا سکتی ہے۔

بیضاوی نے تفصیل ''لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ'' میں لکھی ہے (453)۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ
وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۱۳۳﴾
الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ
عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚ﴿۱۳۴﴾
وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ
فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪ وَلَمْ يُصِرُّوْا
عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

(133) اور اپنے ربّ کی طرف سے بخشش کے لیے جلدی کرو اور اس شان والی جنت کے لیے کہ سارے آسمان اور زمین اس کی چوڑائی میں سما جائیں، تقویٰ داروں کے لیے تیار کی گئی ہے

(134) وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں خوشی میں ہوں تو بھی اور تکلیف میں ہوں تو بھی اور غصّہ کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے

(135) اور ایسے لوگ جب کوئی بُرا کام کر بیٹھیں یا اپنے نفسوں پر ان سے کوئی ظلم ہو جائے اللہ کو یاد کرتے ہیں ساتھ ہی وہ اپنے گناہوں کی معافی بھی مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہوں کو معاف کر بھی کون سکتا ہے اور وہ اپنے کسی فعل پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے

مفردات

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۱۳۳﴾

''اور اپنے ربّ کی طرف سے بخشش کے لیے جلدی کرو اور اس شان والی جنت کے لیے کہ سارے آسمان اور زمین اس کی چوڑائی میں سما جائیں، تقویٰ داروں کے لیے تیار کی گئی ہے''۔

قرآن مجید تقویٰ داروں کو جزائے اعمال کا حسن اور اثر وجدان پرور اور صلاحیت ساز اسلوب میں سمجھاتا ہے۔ کھجوریں اُگانے کی منفعت کو کھجوریں کھانے کی لذت میں سمو دینا ہدایت کلامی ہے۔ آیت میں حلال اور حرام کی تمیز رکھنے کی منفعتوں کو مغفرت اور وسعت جنت کی جزاؤں میں سمیٹ لینا روح اور بدن کی تربیت کا دلکش اسلوب ہے۔ دیکھا جائے تو آیت متقین کی عظمت وفضیلت کے بیان پر منتج ہو رہی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ آیت میں جنت کی وسعت سیاحت کے ذوقِ لازوال کی پرورش کرتی ہے۔ آسمانوں کی وسعتیں اور زمینوں کی پہنائیاں غلامانِ رسالت مآب ﷺ کی گرد پا محسوس ہو رہی ہیں۔ جہانِ رحمت میں تیار ہونے والی جنت کی چوڑائی کا عالم یہ ہے تو لمبائی کا عالم کیا ہوگا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ جنت کے ساتھ مغفرت کو جوڑا گیا ہے اور مغفرت تو گناہوں کی معافی کی ہوتی ہے۔ آیت میں ان تقویٰ داروں کی بات ہو رہی ہے جو پہلے گناہ کرتے ہیں پھر توبہ کرتے ہیں یا شفاعت اور کرم ان کو ہم آغوش کر لیتا ہے تو انہیں جزاؤں کا یہ وسیع جہاں مل جاتا ہے، پھر اندازہ لگائیے ان متقین کی فضیلتوں کا عالم کیا ہوگا جو معصوم ہوں گے یا محفوظ ہوں گے۔

اسباب مغفرت میں اکابر کے اقوال روحانیت کا رنگ بکھیرتے ہیں (454):

- حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ بخشش کا سبب فرائض کا ادا کرنا ہے۔
- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ مغفرت کا ذریعہ اخلاص اور خلوص ہے۔
- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سبب مغفرت اسلام لکھا ہے۔
- ابوالعالیہ نے فرمایا: ہجرت سبب مغفرت ہے۔
- ضحاک نے لکھا کہ جہاد فی سبیل اللہ مغفرت کا ذریعہ ہے۔
- سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نماز میں تکبیر اولیٰ کو مغفرت کا ذریعہ قرار دیتے تھے۔
- حضرت عکرمہ نے طاعات کا قول کیا ہے۔
- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قولِ ثانی پانچ نمازوں کا سبب مغفرت ہونا ہے۔

وَ: اور
سَارِعُوْٓا: سرعت برتو، جلدی کرو یعنی نیکیاں کمانے میں تاخیر نہ کرو
اِلٰى: کی طرف
مَغْفِرَةٍ: بخشش
مِّنْ: سے
رَّبِّكُمْ: تمہارے پروردگار
وَجَنَّةٍ: اور جنت
عَرْضُهَا: جس کی چوڑائی
السَّمٰوٰتُ: تمام آسمان
وَالْاَرْضُ: اور زمینیں
اُعِدَّتْ: تیار کی گئی
لِلْمُتَّقِيْنَ: تقویٰ داروں کے لیے

مفردات

- اصم سود سے بچنا سرعت الیٰ توبہ ہے۔
- فقیر کے نزدیک احکام رسالت کی خوشبوؤں کے ساتھ ساتھ چلنا ہے۔

چلے تُو تو خوشبو چلے آگے آگے
بدستِ صبا مجمر غالیہ ہے

جمالیاتی ادب کا گلِ بنفشہ

ہرقل نے ایک قاصد بخدمت حضور ﷺ بھیجا کہ آپ نے اپنے خط میں مجھے جنت کی طرف بلایا ہے۔ ایسی جنت جس کی چوڑائی میں آسمان اور زمینیں سما جائیں۔ جب جنت اتنی چوڑی ہوگی تو ''جہنم'' کہاں جائے گی۔

رسول النور ﷺ نے حکیمانہ جواب ارشاد فرمایا:

''جب دن طلوع ہوتا ہے تو رات کہاں ہوتی ہے''۔

اسی مفہوم کی بات تورات میں بھی کی گئی ہے(455)۔

الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۚ﴿۱۳۴﴾

''وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں خوشی میں ہوں تو بھی اور تکلیف میں ہوں تو بھی اور غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

آیت کی تفسیر میں قلم وقرطاس کی نازش آلوسی لکھتے ہیں کہ بتایا جارہا ہے کہ محسنین کون لوگ ہوتے ہیں وہ جو یسر اور عسر میں خرچ کرتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خوشی ہو یا غم مال خرچ کرنا محسنین اور متقین کا عشق ہوتا ہے۔

آلوسی کی باتیں عرشی ہوجاتی ہیں جب وہ سرور اور غم اور یسر وعسر کو کھولتے ہیں کہ خرچ کرنا تقویٰ داروں کی روحوں میں رچا بسا ہوتا ہے۔ وہ ان لوگوں پر بھی خرچ کرتے ہیں جن پر خرچ کر کے وہ خوش ہوسکتے ہیں مثلاً اقارب ہوئے، اولاد ہوئی اور وہاں بھی یہ خرچ کرتے ہیں جہاں خرچ کرنے سے دکھ ہوتا ہے مثلاً دشمن ہوئے تقویٰ دار جو جنت کی رونق ہوں گے وہ غریب ہوں یا امیر قربانی اور فداکاری ان کا شیوہ ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا(456):

''تم مال خرچ کرو تم پر مال خرچ کیا جائے گا یعنی خرچ کرنے والے کے لیے اسباب وسائل وسیع کردیے جاتے ہیں''۔

الَّذِیْنَ: وہ جو
یُنْفِقُوْنَ: خرچ کرتے ہیں
فِی: میں
السَّرَّآءِ: خوشی میں یہ لفظ سرور سے ہے
وَالضَّرَّآءِ: اور تنگی میں، اور اغتمام معنیٰ بھی کیا گیا ہے یعنی غم
وَالْکٰظِمِیْنَ: اور پی جانے والے
الْغَیْظَ: غصہ، غضب کی حالت
وَالْعَافِیْنَ: اور درگزر کرجانے والے
عَنِ: سے
النَّاسِ: لوگوں یا لوگ
وَاللّٰہُ: اور اللہ
یُحِبُّ: محبت کرتا ہے، پسند کرتا ہے
الْمُحْسِنِیْنَ: نیکوکاروں کو

تقویٰ داروں کی دوسری صفت

زیر تفسیر آیت متقی لوگوں کی دوسری صفت بیان کرتی ہے کہ وہ غصہ پی جانے والے لوگ ہوتے ہیں۔

''**کظم**'' کا اساسی اور بنیادی معنیٰ بند کرنا ہوتا ہے۔''**کظم الباب**'' کا معنیٰ ہوگا دروازہ بند کرنا''**کظم النھر**'' کا مفہوم ہوگا نہر کا پانی روکنا(464)۔تاج العروس اور لسان العرب نے اس کا معنیٰ اونٹ کا جگالی کرنے سے رک جانا لکھا ہے(465)۔راغب اصفہانی نے غصہ کا پی جانا، غیظ کو گلے سے نیچے اتار لینا اس کا معنیٰ لکھا ہے۔بیضاوی نے ہیجان کے وقت خود کو ردعمل یا جوش اظہار سے روک لینا اس کا معنیٰ لکھا ہے(466)۔مبرد نے لکھا(467) کہ غصہ کا چھپا لینا''**کظم**'' ہوتا ہے۔ غصہ کے وقت بڑبڑاہٹ کو روک لینا''**تکظیم**'' ہوتا ہے۔

تفسیر خازن میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا(468):

''بہادر وہ نہیں جو غصہ کے وقت کسی کو گرا دے، پہلوان تو وہ ہے جو غضب کی کیفیت میں بھی اپنا مالک ہو''۔

تفسیر مظہری میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا(469):

''جس شخص نے اپنے غصہ کو روک لیا، اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کی پردہ پوشی فرمائے گا''۔

درالمنثور میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا(470):

''جس شخص نے غصہ کو روک لیا حالانکہ وہ غصہ کو لاگو کرنے پر قدرت رکھتا تھا، اللہ تعالیٰ اسے امن اور ایمان سے بھر دے گا''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے(471):

''غصہ پر ضبط رکھنے والا شخص بروز قیامت پیچھے کھڑا ہوگا، اللہ اسے آگے بلا کر یہ خوشخبری دے گا کہ تم خوش ہو اور جو حور تمہارا دل چاہے سنگت میں لے لو''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اس شخص کو اللہ کی محبت حاصل ہو جاتی ہے جو اپنے غصہ پر قابو رکھتا ہے''۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

''اور ایسے لوگ جب کوئی بُرا کام کر بیٹھیں یا اپنے نفسوں پر ان سے کوئی ظلم ہو جائے اللہ کو یاد کرتے ہیں ساتھ ہی وہ اپنے گناہوں کی معافی بھی مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہوں کو معاف کر بھی کون سکتا ہے اور وہ اپنے کسی فعل پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے''۔

یہ آیت متقی لوگوں کی ایک اور قسم سے آشنا کرتی ہے۔ ہاں وہ لوگ جن کے اندر اچانک گناہوں کا احساس بیدار ہو جاتا ہے اور ان کے دلوں کی دھڑکنوں میں حقیقی محبت اور شعور اللہ کا ذکر بن کر دھڑکنے لگ جاتا ہے۔ اللہ کا ذکر ان میں درویشی اور بے خویشی پیدا کر دیتا ہے۔ وہ پوری نیاز مندی اور خاکساری سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگ جاتے ہیں، یہاں پہنچ کر ان کی پشیمانی اور ندامت عرفان ذات بن جاتی ہے اور ان کی توبہ انہیں مردِ حیات بنا دیتی ہے۔ وہ اپنے ہاتھ میں کلہاڑا لے کر لات ومنات کو کرچی کرچی کر دیتے ہیں، گناہوں سے انہیں نفرت ہو جاتی ہے۔ وہ ''زہر مہرہ'' کی طرح اندر کا زہر چوس لیتے ہیں۔ صفائی کا عمل انہیں کارآمد انسان بنا دیتا ہے، ایسے لوگ ہی پھر حق کے مخلص اور سچ کے مرید بن جاتے ہیں۔ علم وعقل کی ہر قسم ان کا تجربہ بن جاتی ہے۔ ان کے منہ سے نکلا ہوا ہر حرف شعلۂ نور بن جاتا ہے، پھر اللہ اُمیدیں نویدیں ان کے داماں سے وابستہ کر دیتا ہے۔ پہلے وہ خود جلتے ہیں پھر وہ جلنے سڑنے کے داعی بن جاتے ہیں۔ نفرتوں پر انہیں ضد کرنا نہیں آتا اور گناہوں پر اصرار کے مسلک سے وہ دامن کش ہو جاتے ہیں۔ وہ دانا قسم کے دیوانے بن جاتے ہیں۔ وہ اس راہ میں ''يَعْلَمُوْنَ'' کی منزل پا لیتے ہیں۔ ان کے دل میں اللہ کا ذکر حسن کے رنگ برنگ میلے رچانے لگ جاتا ہے۔ مجھ سے قسم لے لو ایسے ہی ہوتا ہے۔

نہ خلوت میں بھی رہ سکے ہم اکیلے
کہ دل میں لگے ہیں حسن والے کے میلے

فاحشہ اور ظلم میں فرق

ہر وہ گناہ جس میں قباحت اور ارتکاب کی انتہا ہو اور بے حیائی حد سے بڑھ جائے وہ فاحشہ ہوتا ہے اور ظلم کا اطلاق ہر قسم کے گناہ پر ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کبائر فاحشہ ہوتے ہیں اور صغائر ظلم ہوتے ہیں اور بیضاوی نے لکھا کہ جو گناہ متعدی ہو یعنی مرتکبین کے علاوہ دوسروں کو بھی نقصان پہنچائے وہ فاحشہ ہوتا ہے اور جو متعدی نہ ہو اسے ظلم کہہ دیتے ہیں۔ ابن طقطقی نے لکھا کہ جنسی اور اقتصادی گناہ

مفردات

وَالَّذِيْنَ: اور جو لوگ
اِذَا: جب
فَعَلُوْا: کرتے ہیں، ''اذا'' کی وجہ سے ماضی کا معنیٰ مضارع میں تبدیل ہو گیا ہے
فَاحِشَةً: کھلا گناہ، بے حیائی یا بڑا گناہ
اَوْ ظَلَمُوْٓا: یا انہوں نے ظلم کیا
اَنْفُسَهُمْ: اپنے نفسوں پر
ذَكَرُوا: ذکر کرتے ہیں اس پر بھی ''اذا'' ہی کا اثر ہے
اللّٰهَ: اللہ کا
فَاسْتَغْفَرُوْا: تو معافی چاہتے ہیں
لِذُنُوْبِهِمْ: اپنے گناہوں کی
وَمَنْ: اور کون
يَّغْفِرُ: بخشے
الذُّنُوْبَ: گناہوں کو
اِلَّا: سوائے
اللّٰهُ: اللہ
وَلَمْ يُصِرُّوْا: اور نہ کیا اصرار انہوں نے
عَلٰى: پر
مَا فَعَلُوْا: جو انہوں نے کیا
وَ: اور
هُمْ: وہ
يَعْلَمُوْنَ: جانتے ہیں

فحاشی ہوتے ہیں اور دوسرے گناہ ظلم کہلاتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ جن گناہوں پر اصرار اور تکرار ہو وہ فاحشہ ہوتے ہیں اور وہ گناہ جن پر اعادہ نہ ہو وہ ظلم کہلاتے ہیں (475)۔

روح البیان کی دلچسپ روایت

عطاف بن خالد کہتے ہیں کہ مجھے یہ خبر ملی کہ اس آیت کا جب نزول ہوا شیطان چیخا، پیٹا، سر پر مٹی ڈالی اور واویلا مچایا اور اپنے لشکریوں کو بلا لیا۔ انہوں نے پوچھا: ہمارے آقا کو کیا مصیبت پہنچ گئی کہ وہ چیخ رہے ہیں؟ کہا قرآن میں ایسی آیت اتر گئی ہے کہ اب تو کوئی گناہ کسی کو مضر نہیں ہوگا وہ توبہ کر کے متقی بن جائے گا اور پھر یہ آیت انہیں بتائی۔ انہوں نے شیطان کو تسلی دی کہ ہم خواہشات کے دروازے ان پر کھول دیں گے وہ توبہ نہیں کر پائیں گے، شیطان اپنے شاگردوں کی بات سن کر مطمئن ہو گیا (476)۔

''یَعۡلَمُوۡنَ'' پر خازن کی خوبصورت باتیں

- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ گناہ کا کام ہے (477)۔
- اس جملہ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ مغفرت ذنوب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔
- تیسرا نکتہ فہم کا یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ گناہوں کا معاف کرنا اللہ پر بھاری نہیں ہے خواہ گناہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔
- چوتھا نکتہ یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے اگر اللہ سے معافی مانگی تو اللہ ضرور انہیں معاف فرما دے گا (478)۔

اسی ترتیب سے مفاہیم میں اضافہ کیا جا سکتا ہے

اور

وہ جانتے ہیں کہ اللہ کا ذکر ہر مصیبت سے نجات کا وسیلہ ہے

اور

وہ جانتے ہیں کہ اللہ کا ذکر بذات خود مغفرتِ ذنوب کا ذریعہ ہے

اور

وہ جانتے ہیں کہ جہاں علم آ جائے وہاں جہالت اصرار نہیں رہتی

اور

وہ جانتے ہیں کہ خرابی کی جڑ ضد اور ڈھٹائی ہے۔

أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿١٣٦﴾
قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١٣٧﴾
هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٨﴾
وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾

(136) یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی جزا اُن کے ربّ کی طرف سے بخشش کی صورت میں ہوتی ہے اور ان کے لیے باغات ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں رواں دواں ہوں گی وہ ہمیشہ اسی میں رہنے والے ہوں گے اور عمل کرنے والوں کا اجر کیا ہی خوب ہوتا ہے

(137) تم سے پہلے گزرے ہوئے کتنے ہی لوگوں کے آثار موجود ہیں، زمین میں ذرا گھوم کر دیکھو تو سہی کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا ہے

(138) یہ لوگوں کے لیے بڑی واشگاف وضاحت ہے اور تقویٰ داروں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے

(139) اور نہ کم ہمت ہو اور نہ غم کھاؤ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو پھر تم ہی غالب آؤ گے

مفردات

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَجَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ وَنِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِيۡنَ ﴿۱۳۶﴾

''یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی جزا اُن کے ربّ کی طرف سے بخشش کی صورت میں ہوتی ہے اور ان کے لیے باغات ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں رواں دواں ہوں گی وہ ہمیشہ اسی میں رہنے والے ہوں گے اور عمل کرنے والوں کا اجر کیا ہی خوب ہوتا ہے''۔

آیت کا عمود عاملین کی جزا ہے۔ آیات باری میں متقین، محسنین، مستغفرین اور عاملین کو گلاب کی پتیوں کی طرح باہم مربوط بیان کیا گیا ہے اور صاف کہہ دیا گیا ہے کہ مغفرت، بہشت کے باغات، خلود اور جمالیاتی کیفیات عاملین کے لیے ہیں اور عاملین سے مراد وہی محنتی لوگ ہیں جن میں تقویٰ کی صفت ہو، احسان کا رنگ ہو اور استغفار کا رویہ ہو۔

مزے کی بات یہ ہے کہ گناہوں کی معافی مانگنے پر معافی کا مژدہ ہی نہیں سنایا جاتا بلکہ معافی مانگنے کو بذات خود قابلِ جزا عمل قرار دیا جاتا ہے۔ آیت میں معنوی اور روحانی نعمتوں کا بیان جمالیاتی اسلوب میں عمل صالح کی حرص اور تڑپ پیدا کرتا ہے اور آیت کے آخر میں ''وَنِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِيۡنَ'' اسلام کے مزاج کی عکاسی کرتا ہے کہ یہاں سست، غافل، بے کار اور درماندہ عمل لوگوں کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی ہے۔ اسلام تو عمل کرنے والے جفاخُو اور خارا شگافی کے خوگر لوگوں کو ہمت عطا کرتا ہے کہ جنتیں تمہارے نام ہیں۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

وہ لوگ جو زندگی کو محض سانسوں کا مہمان سمجھتے ہیں، وہ بجلیوں کی طرح لہکتے مہکتے موج محبت ہو کر عرش عشق تک رسائی پا لیتے ہیں۔ اسی مقام خودی پر انہیں ''معطی لا شریک لہ'' آسمانی تحفے فرش زمیں پر نصیب فرما دیتا ہے۔ اللہ اللہ اللہ

قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ سُنَنٌ ۙ فَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۱۳۷﴾

''تم سے پہلے گزرے ہوئے کتنے ہی لوگوں کے آثار موجود ہیں، زمین میں ذرا گھوم کر

اُولٰٓئِكَ: ایسے ہی لوگوں، یہی ہیں وہ لوگ، وہی لوگ ہیں
جَزَآؤُهُمۡ: ان کی جزا
مَّغۡفِرَةٌ: بخشش
مِّنۡ: سے
رَّبِّهِمۡ: ان کے ربّ
وَجَنّٰتٌ: اور باغات ہیں
تَجۡرِىۡ: رواں دواں
مِنۡ: سے
تَحۡتِهَا: ان کے نیچے
الۡاَنۡهٰرُ: نہریں
خٰلِدِيۡنَ: ہمیشہ رہنے والے
فِيۡهَا: اسی میں
وَنِعۡمَ: اور خوب ہے
اَجۡرُ: جزا
الۡعٰمِلِيۡنَ: عمل کرنے والوں کی

قَدۡ: بے شک
خَلَتۡ: گزر چکے
مِنۡ: سے
قَبۡلِكُمۡ: تم سے پہلے
سُنَنٌ: طور طریقے، مسالک و مشارب دستور قانون راستے اور فیصلے تاریخی حقائق

دیکھو تو سہی کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا ہے''۔

آیت میں پانچ چیزیں قابل غور ہیں:

- پہلی خلیہ اور خلت کا مفہوم کیا ہے؟
- دوسری چیز سنن لفظ میں غور ہے۔
- تیسری چیز ''سیر فی الارض'' سے مراد کیا ہے؟
- چوتھی چیز عبرت گیری ہے۔
- اور پانچویں چیز مکذبین کا انجام ہے۔

''خَلَتْ'' لفظ ''الخلیة'' سے ہے۔ یہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو اکیلی رہ جائے اور اس کے بچے کو ذبح کر دیا جائے یا بچہ کے گم ہو جانے کی صورت میں اونٹنی تنہا ہو جائے۔

تہذیب اللغہ نے لکھا کہ اونٹنی کا دودھ زیادہ کرنے کی خاطر اس کے بچے کو ذبح کر دیا جاتا ہے(479)۔

اس لفظ سے تاریخی تفردات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ تم تھوڑی دیر کے لیے حال سے کٹ کر ماضی سے مربوط ہو اور دیکھو کہ اقوام عالم جو ازمنہ ماضی میں گزر چکی ہیں ان کے اندر اسباق ہیں، تعلیمات ہیں، امانتیں ہیں اور عبرتیں ہیں جن سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔ تاریخ ہر قوم کے لیے آبِ حیات کا چشمہ ثابت ہو سکتی ہے۔ قرآن حکیم اپنے قاری کی انگلی پکڑ کر اسے گم گشتہ ماضی کی طرف بڑھاتا ہے اور مختلف انسانی معاشروں کا روحانی اور معنوی مطالعہ کرنے کی تحریص دلاتا ہے۔

آیت میں قرآنی اسلوب کی ہدایت اور روشنی ملاحظہ ہو۔ یہ ایک فنی تصویر ہے جس کو غور سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ایسے جیسے تاریخ ایک بڑا سرمایہ ہے اور وہ ایک اونٹنی کی پیٹھ پر لادا ہوا ہے اور وہ اونٹنی تیزی سے بھاگ جاتی ہے اور آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ قرآن قافلے والوں کو بیدار کرتا ہے اور تیزی کے ساتھ زمانے کی بھاگتی اونٹنی پر لادا ہوا سرمایہ واپس لینے کی تحریص دلاتا ہے۔ خوش بخت وہ لوگ ہوتے ہیں جو ماضی کے صحراؤں میں گم شدہ خزانوں کو تلاش کر لیتے ہیں اور انہیں اپنی حال اور مستقبل کی آرائش کے لیے استعمال میں لے آتے ہیں۔

''سُنَنٌ'' کی بحث

''سُنَنٌ، سنه'' کی جمع ہے۔ ایسا راستہ جو جاری ہو ''سنه'' کہلاتا ہے۔ اساسی لغت میں پانی کا مسلسل گرانا ''سنه'' ہوتا ہے(480)۔ علامہ فخر الدین رازی نے اس کا معنیٰ ''سنن الرمح'' لکھا ہے یعنی نیزے کا پھل لگانا۔ عمر رسیدہ ہونا بھی اس لفظ کے مادے میں سمویا ہوتا ہے(481)۔

مفردات

فَسِيْرُوْا: تو چلو پھرو
فِي: میں
الْاَرْضِ: زمین
فَانْظُرُوْا: تو دیکھو! غور و فکر کرو
كَيْفَ: کیسے
كَانَ: تھا
عَاقِبَةُ: انجام
الْمُكَذِّبِيْنَ: جھٹلانے والے

''فَانۡظُرُوۡا'' کا جلوہ

مفسرین نے سیر کا مقصد عبرت گیری متعین کیا ہے لیکن ''فَانۡظُرُوۡا'' کا لفظ اپنے ہی جلوے اور بے کرانیاں دامن میں سموئے ہوئے ہے۔ کائنات اگر وسیع تر ہے تو نظروں کا جہاں اس سے بھی وسیع ہے۔ چھوٹی سی آنکھ میں بڑی سی کائنات سرمہ بنا کر پنہاں کی جاسکتی ہے۔ کائنات اور تکوین کی نوعانوعی دیکھنے والے کی آنکھ میں جو ظرف ہے اسے شکست نہیں دے سکتی۔ بے شک ربّ ربّ الافلاک ہے اور بندہ کف خاک ہے لیکن اسی خاکی جہاں میں بوترابیوں کا عشق بھی تڑپ رہا ہے۔ کوئی اس سے کیسے بڑا ہوگا جو کائنات کا خالق ہے لیکن اس کی عطا دیکھو کہ خود کہہ رہا ہے کہ جنت میں میرا دیدار ہوگا۔ میں اس پر صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ جلوہ دکھلانے کے لیے وہ چھوٹا نہیں ہوگا آنکھیں عطا کے جلووں سے بڑی بہت ہو جائیں گی، اس لیے کہ بڑے کی زیارت کرنے لگ جائیں گی۔ قرآن نے سیر کے لیے زمین کو خاص کر دیا کہ ''حسن و جمال'' کا نوری پیکر اللہ نے زمین پر رکھا اور پھر دعوت دی زمین میں چل پھر کر دیکھو، ٹٹولو، مشاہدہ کرو، اس لیے کہ مشاہدے کی توفیق ہو جائے تو فوراً دیکھو اس لیے کہ نظروں کی توفیق اور معراج ادا ہی ہوتی ہے قضا نہیں ہوتی۔ یہ منزل اگر روح میں آجائے تو جھوٹوں، کوڑوں اور جھٹلانے والوں کی فریب نفسیاں سمجھنی مشکل نہیں رہتیں۔ اس آیت میں قرآن مجید راہ سے پہلے منزل کی فکر عطا کر دیتا ہے۔

فَانۡظُرُوۡا اللہ اللہ اللہ

زمین کا بوجھ

اعمال میں جیسے تفاضل ہوتا ہے ایسے ہی جرائم میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔ بلاشبہ انسان خدا کا نفس ناطقہ نہیں ہوتا کہ اللہ کی باتوں کی تفسیریں کرتا پھرے لیکن خدا بھی نزول وحی اور بیان کتاب کے لیے انتخاب نوعِ بشر ہی سے کرتا ہے، یہاں اس آیت میں قرآن نے ایک بڑا اور کریہہ جرم بتایا ہے، ایسا جرم جو جرم اور گناہ سے بڑا جرم اور گناہ ہوتا ہے، وہ اللہ کے پیاروں کو جھٹلانا ہے۔ جمالیات کی تاریخ میں کوڑوں اور جھوٹ کے معاونین کا انجام عبرت ناک ہوتا ہے، اسی لیے تو اس آیت میں سنت والوں اور سیر والوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ دیکھ لو! مکذبین کی عاقبت کیسی رہی۔

خازن کے الفاظ خوبصورت ہیں:

> ''پہلے لوگوں کے احوال سے آگاہی ضروری ہے اس لیے کہ ارضِ امتحان میں قدم رکھنے والے نو وارد لوگوں کو پتہ چل جائے کہ مکذبین کی راہ چلنے سے وہ گریز کریں، اس

مفردات

لیے کہ یہ تباہی اور ہلاکت کا راستہ ہے۔ جمالیاتی دعوات پر لبیک نہ کہنے والے مکذبین زمین کا بوجھ ہیں۔ وہ شخص جو اپنے ہی دل کی دھڑکنوں سے منافقت کرے اس کا انجام ایسا ہی ہونا چاہیے جیسے مکذبین کا انجام ہوتا ہے"۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٨﴾

"یہ لوگوں کے لیے بڑی واشگاف وضاحت ہے اور تقویٰ داروں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے"۔

قرآن مجید کی یہ آیت دو تحفوں اور ہدیوں کا اعلان کرتی ہے: ایک تحفہ اور ہدیہ عام انسانوں کے لیے ہے اور دوسرا تقویٰ والوں کے لیے ہے۔ یہ اسلوب واشگاف طریقے سے اس حقیقت کو آشکار کر دیتا ہے کہ قرآن سے ہر شخص مستفید ہوسکتا ہے اور اس چشمۂ صافی کا فیض عالمِ انسانیت اور عالم محمدیت سب کے لیے ارزاں ہے، حیات بخش ہے اور رواں دواں ہے۔ ہر تر جگر رکھنے والا اس دوائے شفاء بخش سے امراض کا علاج تلاش کرسکتا ہے۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ قرآن انسانیت کے لیے دوررس تبدیلی کا پیام ہے۔ صرف توجہ اور یکسوئی کی ضرورت ہے۔ قرآن حکیم ایک شفیق معلم کی طرح ہر بات پوری وضاحت کے ساتھ سمجھاتا ہے۔ جہاں یہ بات خوشبو کی طرح انسانی سانسوں میں مہکائی گئی ہے وہاں قرآن مجید ناصحانہ اسلوب میں اس حقیقت کا اظہار بھی کر دیتا ہے کہ قرآنی عبرتوں، نصیحتوں اور ہدایتوں سے مستفید متقی لوگوں کا قافلہ ہی ہوسکتا ہے۔ طبیب کی دوا سے فیض یاب ہونے کے لیے اس کے طریق علاج پر اعتماد اور یقین کا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ قرآنی سچائیوں اور حقیقتوں سے نفع یابی بھی یقین و تسلیم کے ساتھ جوڑ دی گئی ہے، مقفل دروازے کو کھولنے کے لیے جیسے کنجی ضروری ہوتی ہے ایسے ہی قرآنی نصیحتوں سے روشنی، نور، برکت اور خوشبو حاصل کرنے کے لیے تقویٰ ضروری ہوتا ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾

"اور نہ کم ہمت ہو اور نہ غم کھاؤ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو پھر تم ہی غالب آؤ گے"۔

آیت فہمی کے لیے ہم دس فکری بنیادیں قائم کرتے ہیں:

1۔ "وھن" کیا چیز ہے؟
2۔ "حزن" سے کیا مراد ہے؟
3۔ "الْاَعْلَوْنَ" کا تفسیری اطلاق کیا ہوسکتا ہے؟
4۔ ایمان کا صلاحیت سازی میں روحانی کردار کیا ہوتا ہے؟

هٰذَا: یہ
بَيَانٌ: بیان ہے، کھول کر، واضح کردینے والا کلام
لِّلنَّاسِ: لوگوں کے لیے
وَ: اور
هُدًى: ہدایت
وَّمَوْعِظَةٌ: اور نصیحت
لِّلْمُتَّقِيْنَ: ڈرنے والوں کے لیے، تقویٰ والے لوگوں کے لیے پرہیزگاروں کے لیے

وَلَا: اور نہ
تَهِنُوْا: ہمت ہارو
وَلَا: اور نہ
تَحْزَنُوْا: غم کھاؤ
وَاَنْتُمُ: اور تم ہی
الْاَعْلَوْنَ: سربلند ہو
اِنْ: اگر
كُنْتُمْ: تم لوگ
مُّؤْمِنِيْنَ: ایمان والے ہو

5۔ آیت کا شانِ نزول مفسرین نے کیا لکھا ہے؟

6۔ شخصی اور اجتماعی کمزوریاں دور کرنے کے لیے منصوبہ بندی کیونکر ممکن ہے؟

7۔ محبت کی ایک خاص جہت؟

8۔ کیا شخصی فعالیت میں روحانیت کا کردار ممکن ہوسکتا ہے؟

9۔ قرآن فہمی کے لیے ماحول فہمی کا ضروری ہونا کس قدر ضروری ہوتا ہے؟

10۔ ''متعین اہداف'' کی تاریخی جدوجہد میں اہمیت کتنی ہوتی ہے؟

❁ **پہلی بحث**

''تَهِنُوْا 'وهن'' سے ہے۔ تخلیق، معاملہ، عمل، منصوبہ بندی، نتیجۂ اعمال، نظریہ، کوشش اور جستجو میں کمزوری، سستی اور بدنمائی آجانا۔ ''واهن'' اس آدمی کو کہہ دیتے ہیں جو کام اور معاملہ میں کمزور ہو۔ پولیو یا کسی دوسری بیماری کی وجہ سے بدن کا لاغر اور سست ہوجانا ''موهون'' ہونا ہوتا ہے۔ ''وَلَا تَهِنُوْا'' کا مفہوم یہ ہوگا کہ مسلمانوں کے اندر کسی بھی قسم کی کمزوری نہیں ہونی چاہیے۔ ان کی عقل وفکر قائم ہونی چاہیے۔ بدنی صحت کا معیار بلند اور مضبوط ہونا چاہیے۔ علم وبصیرت کی روشنی ستاروں کی مانند ہونی چاہیے۔ خیال ہے سیرت، اخلاق اور کردار میں بھی کمزوری نہ ہونے کا سبق بھی آیت میں موجود ہے۔ واللہ اعلم

❁ **دوسری بحث**

''حزن'' کیا ہے؟ تاج العروس نے لکھا کہ سخت پتھریلی زمین ''الحزن'' ہوتی ہے۔ ابن فارس نے لکھا کہ ''حزن'' لفظ میں سختی اور شدت اضطراب کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ وہ غم جو کسی حادثہ کی وجہ سے پیدا ہو وہ ''حزن'' کہلاتا ہے۔ لغات القرآن کے مؤلف نے لکھا کہ کسی نقصان سے پہلے جو ڈر ہوتا ہے وہ ''خوف'' ہوتا ہے اور نقصان کے بعد جو غم ہوتا ہے وہ ''حزن'' کہلاتا ہے۔

یہ بھی لکھا گیا ہے جو ڈر اپنے بارے میں ہو وہ ''خوف'' کہلاتا ہے اور جو اندیشہ دوسروں کے بارے میں ہو وہ ''حزن'' کہلاتا ہے۔ راغب اور تاج نے لکھا کہ معاشی استیصال کا ڈر ''حزن'' ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ روحانی استدراج کے اندیشوں سے خود کو بچانے کی احتیاط ''حزن'' کہلاتی ہے۔ یہ جملہ بھی ''سرد لبراں'' کا پسند آیا ''محبوب کو پانے کے لیے روح میں میٹھی سی بے سکونی ''حزن'' کہلاتی ہے''۔ راغب اصفہانی کا یہ قول اچھا لگا ہے: وہ

لکھتے ہیں کہ قرآن حکیم میں جہاں ''لَا تَحْزَنُوْا'' کہا گیا ہے وہاں یہ معنیٰ نہیں کہ فکر مت کرو، اس لیے کہ فکر پر انسان کو اختیار نہیں ہوتا، مقصود اس سے یہ ہوتا ہے کہ تم لوگ وہ اسباب نہ پیدا ہونے دو جن سے ''حزن'' پیدا ہوتا ہے۔ معاشی پریشانیاں اکثر سستی، فارغ البالی اور بے توجہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ معنیٰ اچھا ہے کہ ''لَا تَحْزَنُوْا'' یعنی معاشی معاملات میں فکر مند مت ہو، توکل اور ایمان مضبوط کر کے جدوجہد جاری رکھو سربلندیاں خود تمہارا استقبال کریں گی۔

❁ تیسری بحث

''اَلْاَعْلَوْنَ'' کی بحث؟ یہ جملہ حالیہ ہے۔ مفسرین نے لکھا کہ مفہوم عبارت یہ ہے کہ مسلمانو! تم گھبراؤ نہ، کمزور نہ ہو اور ملال میں مبتلا نہ ہو تمہارا حال کافروں سے اعلیٰ اور بلند ہے، تم دشمن کو ان کی نسبت زیادہ نقصان پہنچا چکے ہو اور تمہیں اللہ کی طرف سے یہ یقین بھی حاصل ہے کہ غلبہ تمہارا ہی مقدر ہے، جس نظریہ کی خاطر تم لڑے ہو اس نظریہ کا پرچم دنیا کی کوئی قوت سرنگوں نہیں کر سکتی۔

❁ مفسرین نے مسلمانوں کے غلبہ کی دوسری وجہ یہ لکھی کہ مسلمانوں کا قتال و جہاد اللہ کی رضا کی خاطر ہوتا ہے اور کافروں کی جنگ شیطان کے لیے ہوتی ہے۔ مومن اگر جہاد میں قتل کر دیا جائے تو وہ شہید ہوتا ہے، اسے مردہ کہنا بھی روا نہیں ہوتا بلکہ مردہ گمان کرنا بھی رست نہیں ہوتا، یہ سربلندی نہیں تو اور کیا ہے؟ درجات کی یہ رفعت ایمان ہی کی برکت سے ملتی ہے۔

❁ مفسرین نے علو کا تیسرا سبب یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں کا دین حق ہے اور کافروں کا نظریہ باطل ہے۔ مسلمان حق کے لیے لڑتا ہے اور کافر باطل کے لیے لڑتا ہے، اس لیے بلند وہی ہوتا ہے جس کا دین بلند اور اعلیٰ ہوتا ہے۔

❁ چوتھی وجہ خوبصورت اور محکم دلائل کے ساتھ دین کا وابستہ ہونا ہے چونکہ تمسک دین کے بلند دلائل ایمان والوں کے ہوتے ہیں اس لیے ''اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ'' کا انعام بھی مسلمانوں کے لیے ہے۔

❁ پانچویں توجیہہ یہ کی گئی کہ آخرت میں انجام مسلمان ہی کا صحیح اور خوبصورت ہوگا اس لیے سربلند بھی مومن ہی ہو سکیں گے۔

علامہ فخر الدین رازی کے الفاظ خوبصورت ہیں:

''مسلمانو! تمہارے ''اَلْاَعْلَوْنَ'' ہونے کا مطلب یہ

ہے کہ قوت، مضبوطی اور طاقت تمہاری ہی طرف لوٹ کر رہے گی، اس شرط کے ساتھ کہ تم اپنے ایمان کی حفاظت استقامت کے ساتھ کرو گے''۔

آیت کا شان نزول

آیت کے شان نزول میں مفسرین نے تین روایات نقل کی ہیں:

- پہلی روایت یہ ہے کہ غزوۂ احد میں ستر کے قریب صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ زخمی ہو جانے والے اصحاب کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔ اس صورت حال میں اضطراب اور پریشانی فطری عمل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی اور دل جمعی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔
- دوسری روایت یہ کہ خالد بن ولید نے جب اپنے سپاہ کے ساتھ مسلمانوں کی عقبی جانب سے حملہ کر دیا تو مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
- تیسری روایت درمنثور کی ہے، سیوطی لکھتے ہیں کہ غزوۂ احد میں گھاٹی والے لوگ جب مال غنیمت کے لیے نیچے اترے، فرمانِ رسول کی مخالفت ہو گئی، اس پر وقتی طور پر پسپائی سے مسلمانوں کو نقصان ہوا۔ عین لڑائی کے وقت یہ مشہور ہو گیا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے ہیں، اس پریشانی میں مسلمانوں کی ڈھارس بندھانے کے لیے یہ کلام نازل ہوا۔ **واللہ اعلم**

کمزوریوں کا ازالہ

آیت میں شخصی، اجتماعی اور جماعتی کمزوریاں دور کرنے کے لیے ایک ہی نقطہ پر زور دیا گیا ہے کہ روحانی اور مذہبی زندگی کی مرکزی چیز تربیت ایمانی ہوتی ہے۔ وہ طبقات جو ایمان اور اسلامی اعمال کو اہمیت نہیں دیتے وہ اندر سے کمزور ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو اپنی اور آئندہ آنے والی نسل کی تربیت ایمان ہی کی بنیاد پر کرنی چاہیے۔

محبت کا ایک جمالیاتی نکتہ

اہل محبت کے جنونِ توحید کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ان کے سجدے خودداریوں کے خول میں بند نہیں ہوتے اور وہ اللہ کے سامنے بے نیازیوں کا اظہار نہیں کرتے، ان کا ہر تڑپتا سجدہ ''**سبحان ربی الاعلی**'' کے ذکر کا خروش لیے ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا قلبی، روحی اور لسانی ذکر اللہ اکبر بھی ہے اور اعلیٰ بھی ہے۔ تسلیم و رضا خوبصورت جلوہ ہوتا ہے کف خاک ''ربّ الافلاک'' کی توہین نہیں کرتا، یہ کجا اور وہ کجا، صرف محبت کی جنت میں اداؤں اور عطاؤں کا میلہ لفظوں میں لا رہا ہے۔ اللہ گستاخی بے باکی

سے محفوظ رکھے بندہ خدا کو کہتا ہے ''میرا ربّ اعلیٰ ہے''۔ اللہ قرآن میں بندے کو تسلیم کی سند دیتے ہوئے فرماتا ہے: ''وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ، اور تم سب اعلیٰ ہو''۔ یہ شرک نہیں بلکہ خودی کا چھلکتا جام ہے۔ جہاں الفاظ واذہان لرز جاتے ہیں۔ ''رانجھا رانجھا کردی میں آپے رانجھا ہوئی'' کہا جا سکتا ہے۔ اللہ، اللہ ہو کر اعلیٰ ہے اور بندہ بندگی میں اعلیٰ ہے تفاوت اللہ سے معافی کا طلبگار شوخی نہیں پیار کر رہا ہے۔ اللہ ڈنڈے پڑنے سے بچائے، وہی اکبر ہے اور وہی اعلیٰ ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔

فعالیت کردار کا مسئلہ

روحانی دنیا میں تین چیزیں بڑی اہم ہوتی ہیں:

- حسن نظر یہ سرمایہ ہوتا ہے، اس کی حفاظت میں جانوں کا نذرانہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔
- ''حسن عمل'' محبوب کے احکام کی مالا ہوتی ہے جسے بغیر سستی کے نبھانا پڑتا ہے۔
- حسن طلب اور حسن عشق روحانیت کا روحانی آتشکدہ ہے جس کی آگ عاشق ٹھنڈی نہیں ہونے دیتا۔

یہ تینوں چیزیں حاصل ہو جائیں تو آدمی کہہ سکتا ہے کہ وہ روحانی ہے۔ حلفاً کہتا ہوں: ''کردار اور اخلاق میں فعالیت اسی دنیا سے چلنے والی نسیم راحت کی مرہون منت ہوتی ہے''۔

ماحول فہمی اور قرآن فہمی

قاریٔ قرآن کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ ماحول فہمی کرے جیسے آیت سمجھنے کے لیے شان نزول ضروری ہوتا ہے ایسے ہی قاریٔ قرآن کے لیے اپنا ماحول سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ تدبر مل جائے تو اسلام کی تبلیغ اپنے حقیقی جامے میں نظر آ سکتی ہے۔

ایک اہم بات

قرآن حکیم کا وہ خطبہ جو اس وقت چل رہا ہے اس کے عمیق مطالعہ کے بعد اسوۂ رسول ﷺ کی ایک جھلک دیکھی جا سکتی ہے کہ آپ نے اپنا مسترشدین کا قافلہ بے جہت، بے مقصد اور بے ہدف نہیں چلایا۔ آپ کے ہر اقدام کے متعین اہداف ہوتے تھے جن تک رسائی کی جدوجہد کی جاتی۔ اُمت مسلمہ کا ہر فرد عموماً اور خانقاہی جہاں میں حدی خوانی کا فریضہ سرانجام دینے والے خصوصاً اور محراب نشین اگر اس کو ہماری شوخی اور بے باکی تصور نہ کریں تو وہ بھی زندگی میں مقصد دینی کا صفحہ تلاش کر کے اپنے حصہ کی عملی اور تحریکی تاریخ رقم کرنے کی کوشش فرمائیں، حالات سدھرنے کی طرف بڑھ سکتے ہیں۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ
نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ
شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۱۴۰﴾
وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾
اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا
مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

(140) اگر پہنچ جائے تمہیں کوئی زخم تو اس قوم کو بھی اس کی مثل زخم پہنچا ہے اور یہ دن ہم لوگوں کے درمیان پھیرتے رہتے ہیں تا کہ پہچان کرائے اللہ ایمان لانے والوں کی اور بنائے تم میں سے شہید اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا

(141) اور اس لیے بھی کہ نکھار دے اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور مٹا دے کفر کرنے والوں کو

(142) کیا تم خیال کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اللہ نے ابھی تک تم میں سے مجاہدین کو ظاہر نہیں کیا اور نہ ہی صبر کرنے والوں کو ظاہر کیا ہے

مفردات

اِنْ: اگر
يَّمْسَسْكُمْ: پہنچے ہیں تمہیں
قَرْحٌ: زخم
فَقَدْ: تو بے شک
مَسَّ: پہنچ چکے ہیں
الْقَوْمَ: قوم کو
قَرْحٌ: زخم
مِّثْلُهٗ: اسی کی مثل
وَتِلْكَ: اور وہ
الْاَيَّامُ: دنوں کی ایک تاریخ ہے
نُدَاوِلُهَا: پھیرتے ہیں ہم اسے
بَيْنَ: درمیان
النَّاسِ: لوگوں کے
وَلِيَعْلَمَ: اور تاکہ پہچان کرائے
اللّٰهُ: اللہ
الَّذِيْنَ: ان لوگوں جو
اٰمَنُوْا: ایمان لائے
وَيَتَّخِذَ: اور منتخب کرے
مِنْكُمْ: تم میں سے
شُهَدَآءَ: گواہ
وَاللّٰهُ: اور اللہ
لَا يُحِبُّ: پسند نہیں کرتا
الظّٰلِمِيْنَ: ظالموں کو

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۱۴۰﴾

''اگر پہنچ جائے تمہیں کوئی زخم تو اس قوم کو بھی اس کی مثل زخم پہنچا ہے اور یہ دن ہم لوگوں کے درمیان پھیرتے رہتے ہیں تاکہ پہچان کرائے اللہ ایمان لانے والوں کی اور بنائے تم میں سے شہید اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا''۔

قرآن مجید کی اس آیت کو سمجھنے کے لیے نور کی پانچ شعاعیں ہیں جو قلب و روح کو منور کرتی ہیں اور اللہ کی بندگی راہ حق میں خوشیوں اور حسن تربیت کے مواقع پا کر جھوم جاتی ہے:

❁ پہلی شعاع

مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ جیسے تم لوگوں نے غزوۂ احد میں زخموں کی تکلیف جھیلی ہے تمہارے دشمن نے بھی تو بدر میں زخم سہے ہیں۔ وہ کافر ہونے کے باوجود اپنی بھر بھری اور پست دنیا کی حفاظت کے لیے ڈٹے ہوئے ہیں۔ تمہیں اپنی تربیت میں خیالات اور افکار کی ان فضیلتوں اور حقیقتوں کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ عقیدے کی بلندی، ایمان کی حقیقت، نور نبوت کی ضیا، ماحول کی خوشبو، مرکز ایمان کی صحبت، وحی کا ہبوط و نزول، فرشتوں کی پشت پناہی اور قرآن و سنت کی رہنمائی ایسی روحانی اور عملی سوغاتیں میسر ہیں، تمہیں ان لوگوں سے زیادہ فعال، مستعد اور جفا کار ہونا چاہیے اور راہ حق میں قربانیوں کی تاریخ رقم کرنی چاہیے۔ نفسیاتی حقیقتیں فراموش نہیں کی جا سکتیں۔ اللہ کی رضا جوئی کے لیے عقابوں اور شاہینوں کو اپنی روحانی نذروں کو پورا کرنے کے لیے روبہ جہاد رہنا چاہیے۔

❁ دوسری شعاع

''ایام 'یوم'' کی جمع ہے۔ لوگوں کی کامیابی کے زمانے کو بھی ایام کہا جاتا ہے اور حوادث اور واقعات کی تاریخ بھی ایام کہلاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی فکری، عملی اور روحانی تربیت کے لیے تاریخ کو پستیوں اور عروج سے دوچار کرتا رہتا ہے۔ قومیں کبھی محنت اور مشقت سے بام عروج پر جا پہنچتی ہیں اور کبھی ان کی عملی اور اعتقادی رذالتوں اور ذلتوں کی وجہ سے انہیں

قعرِ مذلت میں پٹخ دیا جاتا ہے۔فتوحات اور ناکامیوں کے دن پھرتے رہتے ہیں۔
مسلمانوں کو اصل میں ہمت کے پروں پر بٹھا کر محو پرواز کیا جا رہا ہے کہ کسی ایک میدان میں تھوڑی دیر کی پسپائی سے دل چھوڑ نہیں جانا چاہیے بلکہ آگے بڑھنے کی فکری منزل کی طرف رواں دواں رہنا چاہیے انسانی زندگی میں تلخ وشیریں حالات آتے رہتے ہیں۔
روحانی ثمرات کے حصول کے لیے عملی جدوجہد جاری رہنی چاہیے۔آیت میں ایام کا لوگوں میں گھومتے رہنا، اسلام کی ابدی فضیلت اور حریّت کی طرف اشارہ کرنے والا سبق ہے کہ تاریخ اپنی راہوں کو بھولتی نہیں، وہ جہاں سے ایک بار گزرے دوبارہ ضرور اسی نکتہ سے ہو کر پرواز کرنے والی حقیقت ہے۔کامیابیوں کو شوخیوں کا میلہ بھی نہیں بننا چاہیے اور ناکامیوں کو دائمی نوحہ کا آنسو بھی نہیں بن جانا چاہیے۔تاریخ آتی بھی ہے اور جاتی بھی ہے، تاریخ ابھرتی بھی ہے اور دبتی بھی ہے اور تاریخ روتی بھی ہے اور مسکراتی بھی ہے، کبھی یہ دھکے بھی دیتی ہے اور کبھی بادِ نسیم کے جھونکوں کی طرح سکون کی سوغات بھی عطا کر دیتی ہے، یہ بے رحم جلاد بھی ہے اور شفیق ماں ہونے کا اعزاز بھی رکھتی ہے۔تاریخ بے پرواہ معلم بھی ہے اور بے نیاز باپ بھی ہے۔یہ کسی کے قابو میں نہ آنے والا شعلۂ برق بھی ہے اور فضائے کردار میں کڑکنے والا صاعقۂ بے اجل بھی ہے۔بات تو اس کے فیصلوں کے سمجھنے کی ہے۔کم از کم مسلمانوں کو اس کی جوگیوں والی پھیری کا راز سمجھنا چاہیے، یہ عبرتوں کے سنکھ بجاتی رہتی ہے۔

تیسری شعاع

تاریخ لوگوں کے تشخص کو ضرور ممیز کر کے چھوڑتی ہے۔اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا امتیاز، وہ خود نہ بھی چاہیں تو ضرور قائم فرماتا ہے۔بلال رضی اللہ عنہ کو زنجیریں پہنانے والوں نے پہنا دیں لیکن اس کا خلوص دل اس کی اذان بن کر قیامت تک گونجتا رہے گا۔علی رضی اللہ عنہ کو حکومت قوِیہ کے عاشقین نے کمزور کرنا چاہا لیکن اس کی حکمتِ قویہ ہواؤں فضاؤں میں چھا گئی، یہ امتیاز کون قائم کرتا ہے۔یہ آیت بتاتی ہے یہ اللہ ہی ہے جو عِلم کو عَلَم بنا دیتا ہے اور مجہول کو معروف بنا دیتا ہے۔حق کی قسم طاقت کے بل بوتے پر خانوادۂ حسینیہ کو زیرِ زمین دفنا دینے والے ان کے دستورِ حق ''قرآن'' کو نہ دبا سکے۔شہیدوں کے سر سے قرآن کی آواز گونجتی رہی۔منصور کو آگ لگا دینے والے مفتی اس کی خاکستر سے ''انا الحق'' کی صدا بند نہ کر سکے۔لاکھوں قدسیوں کو تہِ تیغ کر دینے والا حجاج مردود روحوں کی آواز نہ بن سکا

ظلم میلے لوگوں کی روح کی کرب ناک چیخ ہوتی ہے

اور

ظلم خبیث تخلیق کا آتشیں دھواں ہوتا ہے

قسم عدالت اور عدل کی !!!!!

ظلم شہوانی نفوس کی گناہ آلود رات ہوتی ہے

میلی چیخ !!!

گندی شہوت !!!

خمیدہ خواہش !!!

اُبلتا گند !!!

فرعونیت، نمرودیت، ہامانیت اور یزیدیت

ہر گند کا دوسرا نام ظلم ہوتا ہے

دولت کا نشہ !!!

عیاشیوں کی جھنکار !!!

دامن ہوس کی شوخی !!!

حرص وطمع کی لہر سوزاں !!!

غرور وطمع کا تباہ کن ہنگامہ ہے !!!

اور ظلم دوزخ کے شعلوں سے جھومتا نشہ !!!

زندگی کے خونچکاں سمندر میں تھپیڑا !!!

کبھی غفلت

کبھی تغافل

کبھی خون

اور

کبھی جنون اقتدار !!!

اُمنگوں کی بے چین ٹوٹتی ڈالی !!!

حق کو دبانے کا اونگھتا مکر !!!

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

مفردات

صدق نا آگاہ علم

آوارہ ودولت مست ساز

مچلتا گناہ!!!

تھرکتی خطا!!!

لچکتی لغزش!!!

لہکتا دامن عصیاں شعار!!!

بوجھل نگاہ!!!

گھمبیر نیند

بدکاری، سیہ کاری، گناہ گاری، خطا کاری اور جفا کاری سب ظلم ہی کی ناروا صورتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور اللہ ظلم کو پسند نہیں کرتا''۔

واللہ اعلم

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَيَمۡحَقَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۴۱﴾

''اور اس لیے بھی کہ نکھار دے اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور مٹا دے کفر کرنے والوں کو''۔

وَلِيُمَحِّصَ: اور اس لیے کہ وہ خالص کر دے

اللّٰهُ: اللہ

الَّذِيۡنَ: جو لوگ

اٰمَنُوۡا: ایمان لائے

وَيَمۡحَقَ: اور مٹا دے وہ

الۡكٰفِرِيۡنَ: منکرین کو

لطیف مطالب کی ہمت ساز کرنیں

ذہنوں اور دلوں میں اگر یہ کھٹک پیدا ہو کہ حادثات اور مہلک واقعات کیوں پیش آتے ہیں۔ ایمان کی روشنی ہونے کے باوجود بعض اوقات لرزا دینے والے سفر، جنگیں اور آزمائشیں ہلا کر رکھ دیتی ہیں ایسا کیوں ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت وسواس کی دلدل کو ایمانی سورج کی تپش سے فوراً خشک کر دیتی ہے۔ قرآن کا جواب دلوں اور روحوں میں اتر جاتا ہے کہ ایمان والوں کی اللہ ''تمحیص'' کرتا ہے اور منکرین کی اللہ ''تمحیق'' کرتا ہے۔ دونوں لفظوں کی تر شاخوں سے معنویت کا رس نچوڑنے کے لیے ہم لغت کی امہات کتب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

''تمحیص'' اور ''محص'' کا لغوی معنیٰ ہرن کا تیز دوڑنا ہوتا ہے (تاج)۔

مذبوح کا تڑپنا ''محص'' ہے، کسی کو زمین پر پھینک دینا، بجلی کا چمکنا، زائل کرنا، کمزور ہونا اور عیوب سے پاک کر دینا، بھالے کو صیقل کرنا، سونے کو آگ کی بھٹی میں ڈال کر صاف کرنا، سوجا ہوا بدن اگر ورم کم کر دے تو یہ ''المحص'' کہلاتا ہے۔ نکھارنا اور کمزوریاں دور کرنا اور عیوب سے پاک کر

دینا(488)۔

دوسرا لفظ ''محق'' ہے۔اس لفظ کا اساسی معنیٰ مٹانا اور گھٹانا ہوتا ہے اور برکت کے کم ہو جانے کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔''المحق'' کھجور کے ان پودوں کو بھی کہہ دیتے ہیں جو قریب قریب لگے ہوتے ہیں۔''ماحق الصیف'' کا معنیٰ ہوتا ہے موسم گرما کی شدت، اسلامی مہینہ کی وہ آخری راتیں جن میں چاندنی غیب ہو جائے ''محاق'' کہلاتی ہیں(489)۔

علامہ آلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ ''محاق'' اور ''محص'' دونوں لفظوں کا معنیٰ ازالہ اور کم کرنا ہوتا ہے۔دونوں میں ایک لطیف سا فرق ہے ''محق'' کا معنیٰ عین کسی چیز کو مٹا دینا ہوتا ہے اور ''محص'' کا معنیٰ میل کچیل کو ختم کر کے نکھار دینا، کمزوریاں ختم کر دینا ہوتا ہے(490)

تفسیری انطباق

حوادث کے ذریعہ اللہ تعالیٰ خالص لوگوں کو عیبوں سے مبرّا کر دیتا ہے۔ان کی صلاحتیں نکھار پکڑتی ہیں اور وہ لوگ معاشرہ میں ممتاز ہوتے ہیں، یہ کاروائی ان کے باطن میں تکمیل پذیر ہوتی ہے۔یہ زندگی کا ایسا تجربہ ہوتا ہے کہ انسانی باطن کے خفیہ گوشے منور ہو کر سامنے آتے ہیں۔یہ روحانی چھانٹی ہوتی ہے اور یہ اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہوئی ہے جبکہ کافرین کو اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے۔بعض اوقات وہ زمین پر طاقت سے چلتے پھرتے ہیں لیکن اندر سے وہ لوگ گند، کھوٹ اور زنگ سے لدے ہوئے ہوتے ہیں۔وہ گندگی کا ایسا ڈھیر ہوتے ہیں جن سے منفعت مٹا دی گئی ہوتی ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

''کیا تم خیال کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اللہ نے ابھی تک تم میں سے مجاہدین کو ظاہر نہیں کیا اور نہ ہی صبر کرنے والوں کو ظاہر کیا ہے''۔

مسلمانوں سے پہلے یہود و نصاریٰ کی عادت و روایت یہ تھی کہ وہ نجات کے لیے صرف نام کا مذہب دار ہونا کافی سمجھتے تھے۔اسلام کی تحریک اٹھی اور حرا کا نور چمکا تو کردار کو اہمیت ملی، اخلاقی قدروں کو مذہب کی روح قرار دیا گیا۔اس آیت معظّمہ میں کھل کر اس حق اور حقیقت کو آشکار کر دیا گیا کہ صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ تم مسلمانوں کی فہرست میں داخل ہو جاؤ اور جنت کے مستحق گردان لیے جاؤ تمہیں اسلامی کردار کو اپنا کر خود کو استحقاقِ جنت کا ضامن سمجھنا ہوگا۔

آیت نے اعلان کر دیا کہ جہاد اور صبر وہ چھلنی ہے جس میں تم سب لوگوں کو ڈالا جائے گا اور پھر

مفردات

اَمْ: کیا
حَسِبْتُمْ: گمان کر لیا تم نے
اَنْ: یہ کہ
تَدْخُلُوا: تم داخل ہو گے
الْجَنَّةَ: جنت میں
وَ: اور
لَمَّا: ابھی تک نہ
يَعْلَمِ: پہچان کروائی، دیکھی، ''یعلم، علم'' کے مادہ سے ہے لیکن یہاں محاورۃً ترجمہ ہوگا
اللّٰهُ: اللہ
الَّذِيْنَ: ان کو
جٰهَدُوْا: جہاد کیا
مِنْكُمْ: تم میں سے
وَيَعْلَمَ: اور آزمائش کرے
الصّٰبِرِيْنَ: صبر کرنے والے

وَ لَقَدۡ كُنۡتُمۡ تَمَنَّوۡنَ الۡمَوۡتَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَلۡقَوۡهُ ۖ فَقَدۡ رَاَيۡتُمُوۡهُ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۱۴۳﴾

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤى اَعۡقَابِكُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡـًٔا ؕ وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۴۴﴾

(143) اور بے شک تم موت کی تمنّا کرتے تھے اس سے ملاقات کرنے سے پہلے سو اب تم نے اسے دیکھ ہی لیا ہے اور تم خود حقیقتِ حال دیکھتے ہو

(144) اور نہیں محمّد مگر بڑی عظمت والے رسول یقیناً ان سے پہلے سارے ہی رسول گزر چکے ہیں کیا اگر وہ انتقال کریں یا شہید کر دیے جائیں تو تم الٹے قدم پھر جاؤ گے اور جو الٹے قدم پلٹے گا تو ہرگز اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا اور اللہ شکر کرنے والوں کو جلد جزا دے گا

مفردات

وَلَقَدْ: اور یقیناً
کُنْتُمْ: تم لوگ
تَمَنَّوْنَ: تمنا کرتے تھے
الْمَوْتَ: موت
مِنْ قَبْلِ: پہلے سے
اَنْ: یہ کہ
تَلْقَوْهُ: ملو اس کو
فَقَدْ: تو بے شک
رَاَیْتُمُوْهُ: دیکھ لیا تم نے اس کو
وَاَنْتُمْ: اور تم
تَنْظُرُوْنَ: دیکھ رہے ہو

وَ: اور
مَا: نہیں
مُحَمَّدٌ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اِلَّا: مگر
رَسُوْلٌ: رسول
قَدْ: بے شک
خَلَتْ: گزر گئے
مِنْ: سے
قَبْلِهِ: ان سے پہلے
الرُّسُلُ: بہت سے رسول
اَفَاْئِنْ: تو کیا اگر
مَّاتَ: وہ وصال فرما جائیں
اَوْ: یا
قُتِلَ: وہ شہید کر دیے جائیں
انْقَلَبْتُمْ: تم پلٹ جاؤ گے
عَلٰٓی: پر، اوپر

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۖ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

''اور بے شک تم موت کی تمنّا کرتے تھے اس سے ملاقات کرنے سے پہلے سو اب تم نے اسے دیکھ ہی لیا ہے اور تم خود حقیقتِ حال دیکھتے ہو۔''

شانِ نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ نے جب رسول رحمت کے ذریعے مجاہدین کے سامنے شہدائے بدر کی شان بیان کی اور ان کی تکریم اور عزت کو اپنی زبان نور سے بیان کیا تو وہ لوگ جو بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے، ان کے دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ ہمیں بھی شہادت کا درجہ ملے اور ہم اپنے شہید بھائیوں سے جا ملیں تو اللہ نے ان کے سامنے اسباب موت ظاہر کر دیے، وہ جب کچھ دیر کے لیے پسپا ہوئے تو اس آیت کا نزول ہوا کہ تم لوگ تو موت کی تمنا کرتے تھے اور جب احوال احد نے مواقع شہادت عیاں کر دیے تو تم لوگ پسپا کیوں ہو گئے؟ (خازن)۔

خوبصورت نکتہ

اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کام کوئی مشکل نہ تھا کہ وہ مومنین کو مشکلات میں ڈالے بغیر اور تکلیفوں میں مبتلا کرنے کے بغیر پہلے ہی دن کامیابی سے ہم کنار کر دے۔ وہ اس بات پر قدرت رکھتا تھا کہ فرشتوں کے ذریعے مدد کر دیتا اور وہ خود بھی تو ان کو ہلاک و برباد کر سکتا تھا لیکن جو اہداف مقرر ہوئے تھے وہ صرف فتح و نصرت نہ تھے بلکہ جماعت مسلمہ کی تربیت بھی مقصود تھی اس لیے کہ انہی لوگوں نے پوری انسانیت کے امام اور پیشوا بننا تھا۔ ان کو اگر تلخ و شیریں ہر قسم کے حالات کا خوگر نہ بنایا جاتا تو حق و صداقت پر وہ کیسے جم کر زندگی بسر کرتے۔ یہ حضرات صحابہ کو جان گزار مراحل سے گزارنا اس لیے تھا کہ وہ خوف ناک حالات کا مقابلہ کر سکیں۔ صابرین اور مجاہدین کے لیے تو ایسا ضروری ہوتا ہے (492)۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

''اور نہیں محمد مگر بڑی عظمت والے رسول یقیناً ان سے پہلے سارے ہی رسول گزر چکے ہیں کیا اگر وہ انتقال کریں یا شہید کر دیے جائیں تو تم الٹے قدم پھر جاؤ گے اور جو الٹے قدم پلٹے گا تو ہرگز اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا اور اللہ شکر کرنے والوں کو جلد جزا دے گا''۔

مفردات

اَعْقَابِكُمْ: اپنی ایڑیوں پر
وَمَنْ: اور جو
يَّنْقَلِبْ: لوٹ جائے، پلٹ جائے
عَلٰى: پر
عَقِبَيْهِ: اپنی ایڑیوں
فَلَنْ: تو ہرگز
يَّضُرَّ: ضرر نہیں پہنچائے گا
اللّٰهَ: اللہ کو
شَيْـًٔا: ذرہ بھر
وَسَيَجْزِى: اور عنقریب ہم جزا دیں گے
الشّٰكِرِيْنَ: شکر گزاروں کو

شانِ نزول

اس آیت کا شان نزول میدانِ اُحد کا ایک حربی اور ضربی منظر ہے۔ غزوۂ اُحد کا وہ خوفناک منظر جبکہ مسلمانوں اور صنم پرستوں کے درمیان جنگ کی آگ شعلے اُگل رہی تھی، دفعۃً ایک آواز بلند ہوئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید کر دیے گئے ہیں، یہ عین اس وقت کی بات ہے جب ابن قمیہ نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پتھر پھینکا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک اور دندانِ مبارک زخمی ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نچلا لب مبارک بھی زخمی ہو گیا اور چہرۂ انور لہولہان ہو گیا۔ اس روح فرسا کیفیت میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ٹوٹ کر لڑے اور شہید ہو گئے۔ آپ کا حلیہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا جلتا تھا۔ میدان میں کسی نے شور مچا دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے ہیں، جونہی یہ آواز لرزی، کفار اور مشرکین مزید جری اور شوخ ہو گئے اور مسلمانوں کی صفوں میں اس کا اثر ہمت شکن ثابت ہوا اور ایک گروہ تو جنگ سے فارغ ہو گیا کہ اب لڑنے کا فائدہ کیا ہے لیکن فدا کاروں کی ایک قلیل سی جماعت جو پامردی سے لڑتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدافعت جاری رکھی ان میں حضرت علی، ابو دجانہ، طلحہ اور انس بن نضر رضی اللہ عنہم تھے جو بہادری کے جوہر دکھاتے رہے تھے۔ انہی کی بہادری اور شجاعت نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا، انس بن نضر رضی اللہ عنہ خود تو شہید ہو گئے لیکن وفا کی تاریخ اپنے خون سے رقم کر گئے، معاً یہ خبر بھی حوصلے بانٹ گئی کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلامت ہیں۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی (493)۔

رسیلی خوشبوؤں کی کائنات

قرآن مجید میں پہلی بار آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی آیا ہے اسے میں کیا لکھوں، فطرت کا نقاش خود اسم پاک کی عطر بیزیاں اور رنگ ریزیاں زبان حق سے تقسیم فرما رہا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا نام ہے کہ اگلوں پچھلوں کا عز و کمال اسی نام سے معنون ہے۔ ریاضت سخن کرنے والوں نے اس سے زیادہ میٹھا نام پہلے سنا ہی نہیں۔ شیریں مقالوں نے اسی نام کو چشمۂ لذت جانا ہے۔ اس نام کی ''میم'' ملکوت ارض و سما کی کنجی ہے اور اسم پاک کی ''حا'' لوح محفوظ کے علوم و معارف کی حرف کہانی ہے۔ اگلی دو ''میموں'' میں محبت و مودّت کی جلوہ گری ہے اور ''دال'' میں ساری کائنات کا دل دھڑک رہا ہے۔ ایک بار اگر اس نام کا نطق بوسہ لے لے تو سارے جہاں کی روشنیاں رم جھم، رم جھم برس کر نام لینے والوں کی تعریف میں قلزم بن جائیں، موج نسیم جس نام کی خوشبو پا کر لولاک کی تقریب میں افلاک کا راز پالے وہ معطر معطر، وہ مطہر مطہر اور معنبر معنبر، پاکیزہ اور فضیلت مآب نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ اسم پاک کا ہر حرف بے نقطہ ہے جو مسمّٰی کے بے عیب ہونے کی طرف بلیغ اشارہ ہے۔ میم کے کنڈل سے مروّت اور محبت کی

جسے لفظ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کلیت نے گھیرا ہوا نہ ہو۔ احسن مطالب اور افضل محاسن کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں جو خیمۂ محمدیت میں پناہ گزیں نہ ہو۔ نیکیوں اور صالحات کا کوئی پھول ایسا نہیں جس کی خوشبو حائے حمد میں حنوط نہ کر دی گئی ہو۔ ادب میں بہار اسی نام سے ہے، علوم میں رعنائی اسی اسم پاک سے ہے، عرفان میں شباب اسی نام کا صدقہ ہے، ادیان کے فرادیس اسی نام کی روحانیت سے قائم ہیں۔ اس نام کی چمک پر زہرہ و پروین نثار ہیں، دبستان عشق میں ہاہو کا راز یہی نام ہے، گردوں کا وقار اسی نام کا ورد ہے، عندلیبان چمن اسی نام کی نغمہ گری سے زندہ ہیں اور ارض وسما کے ملکوتی اور لاہوتی شہوار یہی نام لے کر تکوین کے جگر تک جا پہنچتے، شاہوں کے سر پر اس نام کے نگینوں کے سوا تاج سجتے ہی نہیں، شعور شش جہات اسی نام کی دال میں موج میں ہے۔ اسرافیل اس نام کی کنجی سے ہی خزائن ارزاق کے ابواب کھولتے ہیں۔ یہ نام لحن صریر بھی ہے، رنگِ تعریف قلم بھی ہے، شمیم صبح کا نفخہ خلود یہی نام اور دشت شام میں نسیم سکون کا نفخ مستاں بھی یہی نام ہے۔ محمد محمد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

سیرت ابن ہشام میں ہے(496):

> ''قریشیوں نے آپ کا نام ''مذمم'' رکھ چھوڑا تھا۔ یہ کہہ کر وہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برائی کرتے تھے، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کیا یہ حیرت ناک بات نہیں کہ اللہ مجھ سے قریش کی گندگی کو کیسے دور کرتا ہے، وہ تو گالیاں کسی مذمم کو دیتے ہیں اور اسی کی ہجو کرتے ہیں اور ''میں تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں''۔

الصحیح للمسلم میں ہے(497):

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> ''میرے کئی نام ہیں۔ میں محمد ہوں، احمد ہوں اور ماحی ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری وجہ سے کفر کو مٹائے گا اور میں حاشر ہوں کہ لوگ میرے قدموں پر گریں گے اور میں عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں''۔

اسم پاک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چمک، برکت، روشنی اور مٹھاس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اللہ نے اس اسم کو ساق عرش پر لکھ دیا۔ آدم کی توبہ اسی نام کے تصدق ہوئی، انجیل کی رمزیت، زبور کی نغمیت اور تورات

کی تجلیت کا راز یہی نام ہے۔ مذاہب کی پرانی کتابوں میں بھی محمدیت کا جلوہ رشک معراج بنا ہوا ہے۔ دستر خوان پر محمد نام کا کوئی آدمی آ بیٹھے تو برکتوں کو سمیٹنا دشوار ہو، ہنگامۂ محشر میں نام محمد جن اسماء کا سابقہ یا لاحقہ ہو آگ ان وجودوں کو چھو نہ سکے۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو میرا نام سن کر درود و سلام نہ پڑھے وہ بخیل ہے''، گویا سخاوت تو یہ ہے کہ دم دم نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مالا چلتی رہے۔

آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است۔

ایک اہم تفسیری نقطہ

قرآن کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہیں مگر عزّ و عظمت والے رسول ہیں۔ رسول پر تنوین نے فضیلت و احتشام کا معنیٰ پیدا کیا۔ اس جملے میں ایک اہم معنیٰ فروزاں ہے۔ بعض بے ذوق لگے رہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشری زندگی الگ چیز ہے اور رسولی حیثیت دوسری نوعیت کا اعزاز ہے۔ قرآن مجید سمجھاتا ہے کہ محمدیت کے ہر جزو میں رسالت کا نور ہویدا ہے اس چراغ کا فتیلہ ''حمدیت، نور حق'' کی کرن کرن بن کر تقدیس رسالت کی بات کرتا ہے، چونکہ معاملہ رسولوں کا تھا اس لیے ''خلت'' لفظ استعمال کیا ہے گویا سمجھایا یہ جا رہا ہے کہ رسول نے کوئی ایک وادی منور نہیں کرنی ہوتی، اقران و ازمنہ نے ان کے وجود کی خیرات لینی ہوتی ہے، اس لیے جو ماننے والے ہیں انہیں سمجھنا چاہئے کہ ان کے وصال یا ارتحال کا تھوڑا ہی یہ معنیٰ ہوتا ہے کہ آدمی الٹے پاؤں دین سے برگشتہ ہو جائے، وہ ادھر رہیں یا اُدھر، لمحات و دقیقات سب انہی کے پسینہ کی خوشبو ہوتی ہے۔ اصل تفسیری ''لِمَ'' تو آیت کی یہ ہے کہ مسلمانوں کا نفسیاتی ذہول ان کے ذہنوں سے دور کیا جائے اور انہیں سمجھایا جائے جو جنگ سے الٹا پھرتا ہے وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کرتا، اصل میں وہ خود اپنے آپ کو ایذا دیتا ہے۔ اللہ کسی کے ایمان یا تسلیم کا محتاج نہیں ہے یہ تو اس کی مہربانی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے رہبر مل گئے ہیں اور اسلام جیسا دین ہدیہ کر دیا گیا ہے۔ انسانی حیات کو خرابیوں سے بچانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہر حالت میں جم کر دین کی راہ میں تگ و تاز جاری رکھی جائے۔

مدد دے یا ربّ

بحق اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

❁❁❁❁❁

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ
ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ
وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾
وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾
وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ
اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

(145) اور نہیں ممکن ہے کسی جان کے لیے کہ وہ مر جائے سوائے اس کے کہ اللہ کا حکم ہو جائے جس کا ایک مقررہ وقت لکھا ہوا ہے اور جو دنیا کا ثواب چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دیتے ہیں اور جو کوئی ارادہ کرتا ہے آخرت کے ثواب کا تو ہم اسے اس سے دیں گے اور عنقریب ہم شکر گزار بندوں کو جزا دیں گے

(146) اور کتنے ہی نبیوں کی معیت میں اللہ والوں کی ایک کثیر تعداد نے جہاد کیا تو انہوں نے ہمت نہ ہاری ان تکلیفوں پر جو انہیں اللہ کی راہ میں پہنچیں اور نہ وہ کمزور پڑے اور نہ دب کر رہے اور اللہ صبر کرنے والوں سے پیار کرتا ہے

(147) اور نہ تھا ان کا کچھ کہنا سوائے اس کے کہ وہ پکار اُٹھے اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے اور ہماری زیادتی جو ہمارے کاموں میں ہوئی اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

''اور نہیں ممکن ہے کسی جان کے لیے کہ وہ مر جائے سوائے اس کے کہ اللہ کا حکم ہو جائے جس کا ایک مقررہ وقت لکھا ہوا ہے اور جو دنیا کا ثواب چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دیتے ہیں اور جو کوئی ارادہ کرتا ہے آخرت کے ثواب کا تو ہم اسے اس سے دیں گے اور عنقریب ہم شکر گزار بندوں کو جزا دیں گے''۔

تعلیم اور تربیت کے لحاظ سے اس آیت کا مرکزی موضوع محنت اور جدوجہد کا صلہ ہے۔ استدلال تقدیر اور قضاء کے محکم نظام پر اٹل یقین سے کیا جاتا ہے۔ صاحبِ یقین اور صاحبِ ایمان خود کو عارضی حالات کی بھینٹ نہیں چڑھاتا۔ وہ جانتا ہے کہ یہ قرآن کی بنیادی تعلیم ہے کہ موت کو اللہ کی طرف سے وقت معین کے ساتھ مربوط مانا جائے، یہ اللہ ہی ہے جس کو جب اور جہاں چاہے موت دے دے، موت سے نہ بھاگا جا سکتا ہے اور نہ ہی موت کے وقت میں کوئی تصرف کیا جا سکتا ہے۔ آیت اس عقیدہ کی بنیاد پر سکھاتی ہے کہ خدا طلبی سے بڑھ کر کوئی عقیدہ صالحہ نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ بات پختہ حقیقت کی حیثیت رکھتی ہے کہ دنیا طلبوں کو دنیا ملتی ہے اور آخرت کے طلب گاروں کو اخروی ثواب اور جزا ملتی ہے۔

جزاؤں اور انعامات میں نیّات کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ انسان کی رغبت، خواہش اور آرزو اس کے مقسوم کا نشان ہوتی ہے۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نیت اچھی کرے، اپنا مقسوم روحانی رکھے اور آرزو اسلامی اور دینی لحاظ سے اخروی قرار دے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی نیت آخرت میں ثواب کی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں دنیا سے بے رغبتی پیدا کر دیتا ہے اور اس کی پریشانی کو جمع کر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے اور جس کی نیت دنیا کا حصول ہو تو اللہ تعالیٰ محتاجگی اور افلاس کو اس کے روبرو کر دیتا ہے اور اس کے دل کو پراگندہ کر دیتا ہے، اس طرح دنیا میں اس کو اتنا ہی ملتا ہے جو اللہ نے اس کے لیے لکھ دیا ہے(498)۔

غزوۂ اُحد ہی میں علی کرم اللہ وجہہ الکریم زخمی ہوئے تھے۔ صحابہ جب ان کی زخم پرسی کے لیے

مفردات

وَمَا: اور نہیں
كَانَ: ہے
لِنَفْسٍ: کسی نفس کے لیے
اَنْ: یہ کہ
تَمُوْتَ: وہ مرے
اِلَّا: مگر
بِاِذْنِ: اجازت کے ساتھ
اللّٰهِ: اللہ
كِتٰبًا: لکھا ہوا ہے
مُّؤَجَّلًا: مقرر وقت
وَمَنْ: اور جو
يُّرِدْ: چاہے گا
ثَوَابَ: ثواب
الدُّنْيَا: دنیا کا
نُؤْتِهٖ: دیں گے ہم اس کو
مِنْهَا: اس میں
وَمَنْ: اور جو
يُّرِدْ: چاہے گا
ثَوَابَ: ثواب
الْاٰخِرَةِ: آخرت کا
نُؤْتِهٖ: دیں گے ہم
مِنْهَا: اس میں سے
وَسَنَجْزِى: اور عنقریب ہم جزا دیں گے
الشّٰكِرِيْنَ: شکر گزاروں کو

حاضر ہوئے تو آپ بار بار فرماتے ہیں کہ زخم تو کچھ نہیں یہ مندمل ہو جانے والا ہے، میں تو شکر ادا کرتا ہوں کہ میرے پائے استقامت میں تزلزل نہیں ہوا۔ اللہ کو علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ دو آیتوں کے آخر میں فرمایا: ''ہم شاکرین کو جزا اور صلہ دیتے ہیں'' (499)۔

آیت میں مفاہیم کی ترتیب یہ ہوگی:

1۔ یہ یقین کی عظمت اور فضیلت ہوتی ہے کہ موت کے بارے میں اللہ کی مشیت سے وہ مربوط ہو۔

2۔ یہ قطعی بات ہے کہ ہر نفس کے لیے موت کا وقت اور جگہ معین ہے اس میں ردّ و بدل نہیں ہوتا۔

3۔ دنیا میں عزائم اور نیتوں کا بڑا دخل ہے، یہ کردار کا رخ متعین کرنے والے وسائل ہیں۔

4۔ آخرت کا پھل دنیا میں محنت اور جدوجہد کا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔

5۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کردار کا ایک جمالیاتی صلہ ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

''اور کتنے ہی نبیوں کی معیت میں اللہ والوں کی ایک کثیر تعداد نے جہاد کیا تو انہوں نے ہمت نہ ہاری ان تکلیفوں پر جو انہیں اللہ کی راہ میں پہنچیں اور نہ وہ کمزور پڑے اور نہ دب کر رہے اور اللہ صبر کرنے والوں سے پیار کرتا ہے''۔

کتنے ہی نبی گزر چکے جن کی معیت میں وفادار ربّ والوں کی کثیر تعداد کلمہ اللہ کی بلندی کے لیے جہاد و قتال کر چکے۔ اللہ کی راہ میں جب مصائب اور مشکلات سے وہ دوچار ہوئے، انہیں کمزوری اور وہن نے اپنی گرفت میں نہ لیا۔ وہ لوگ مصائب اور شدائد کا مقابلہ کرتے رہے۔ انہیں دو چیزوں کے عظیم احساس نے مضبوط رکھا: ایک تو یہ کہ وہ نبی کی معیت میں ہیں، دوسرا وہ ''سبیل اللہ'' میں ہیں۔ ربّ والا ہونے کی تشریح یہی دو جوہر ہیں جو مشکلات کو شکست دے دیتے ہیں۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا معیار بتا دیا کہ اللہ صابرین سے محبت رکھتا ہے۔

آیت میں شجاعت، بہادری اور مصابرہ کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

پہلی صفت

شجاعت اور بہادری سالار اور امیر کارواں کی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ آیت بتلاتی ہے چراغ نبوت کی معیت مشکل سے مشکل ہدف کو آسان بنا دیتی ہے۔ صحبت، عزم و ہمت کی جلوہ گری کو ممکن بناتی ہے۔

مفردات

وَ: اور
كَاَيِّنْ: کتنے ہی
مِّنْ نَّبِيٍّ: نبی تھے
قٰتَلَ: کہ لڑائی کی
مَعَهٗ: ان کے ساتھ مل کر
رِبِّيُّوْنَ: ربّ والوں نے
كَثِيْرٌ: کثیر تعداد میں
فَمَا: تو نہ
وَهَنُوْا: وہ سست پڑے
لِمَآ: جو
اَصَابَهُمْ: پہنچا انہیں
فِيْ: میں
سَبِيْلِ: راستہ
اللّٰهِ: اللہ کے
وَمَا: اور نہ
ضَعُفُوْا: وہ کمزور ہوئے
وَمَا: اور نہ
اسْتَكَانُوْا: دبے وہ
وَاللّٰهُ: اور اللہ
يُحِبُّ: پسند کرتا ہے
الصّٰبِرِيْنَ: صبر کرنے والوں کو

مفردات

چھٹی صفت

استکانت کا نہ ہونا مومن سپاہی کی امتیازی نشانی ہوتی ہے۔ مجاہد اپنی خوئے استقامت سے ناقابلِ تسخیر ہوتا ہے۔ وہ باطل کے سامنے کبھی جھکتا نہیں، وہ کفر سے کبھی دبتا نہیں، جیسے پہلوان کے لیے تیل کی مالش ضروری ہوتی ہے، مومن مجاہد کے لیے نظریہ حیات سے عشق کرنا اہم ہوتا ہے۔

ساتویں صفت

آیت میں یہ کہنا کہ اللہ محبت کرتا ہے اس بات کی دلیل ہے کہ اس حسن اور جمال کے چاہیے والے ''رِبِّيُّوْنَ'' بھی دنیا میں کثیر پیاس نہ رکھتے ہوں تو چشمے کا پتہ کون پوچھے؟ اللہ کا محبت کی دنیا کا پتہ دینا بتاتا ہے کہ جانیں کسی کے نام پر چھڑک دینا محبت کے بغیر آسان نہیں ہوتا، معلوم ہوا جو بہادر ہوتے ہیں وہ عاشق ہوتے ہیں۔

آٹھویں صفت

قرآن مجید کی یہ آیت بتاتی ہے بہادر ربانی ہونے کی ایک صفت صابرین میں سے ہونا ہے، اگر کردار میں صبر و مصابرہ کی خو نہ ہو، آپ کو حق کے لیے اڑ جانا نہ آتا ہو تو کم از کم آپ بہادر نہیں ہو سکتے۔

نویں صفت

قرآن کی یہ آیت سکھلاتی ہے کہ ربانی ہونا یہ ہوتا ہے کہ مومن مجاہد کا لمحہ لمحہ ربّ ربّ کرنے میں گزرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دم دم ذکر کرنا مومن کو بہادر بنا دیتا ہے۔

دسویں صفت

آیت میں ایک اصطلاح ''سَبِيْلِ'' گزری ہے۔ جیسے اللہ کا راستہ ماننا بہادری ہے، ایسے ہی جو راستے اللہ کے نہیں انہیں چھوڑ دینا بھی بہادری ہے۔ واللہ اعلم

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

''اور نہ تھا ان کا کچھ کہنا سوائے اس کے کہ وہ پکار اُٹھے اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے اور ہماری زیادتی جو ہمارے کاموں میں ہوئی اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما''۔

وَمَا: اور نہ
كَانَ: تھی
قَوْلَهُمْ: ان کی بات
اِلَّآ: مگر
اَنْ: یہ کہ
قَالُوْا: بولے وہ
رَبَّنَا: پروردگار ہمارے
اغْفِرْ لَنَا: بخشش فرما دے ہمارے
ذُنُوْبَنَا: گناہوں کی ہمارے
وَاِسْرَافَنَا: اور ہماری زیادتی کی
فِيْٓ: میں
اَمْرِنَا: ہمارے کام
وَثَبِّتْ: اور ثبات بخش
اَقْدَامَنَا: ہمارے قدموں کو
وَانْصُرْنَا: اور مدد فرما دے ہماری
عَلَى الْقَوْمِ: قوم پر
الْكٰفِرِيْنَ: کافروں کی

قرآن مجید کی اس آیت میں ربّیون اور ربانی لوگوں ہی کی خصلتوں اور عادات کو دعائیہ اسلوب میں بیان فرمایا کہ صابرین اور مستقیم کردار رکھنے والوں کی یہ بھی نشانی ہوتی ہے کہ وہ اپنی تقصیرات کو تسلیم کرتے ہیں اور اللہ سے معافی مانگتے رہتے ہیں۔ اسراف کا معنیٰ کیا ہے؟ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اسراف کا معنیٰ کسی شئی میں زیادتی کرنا اور حدود سے تجاوز کرنا ہوتا ہے۔ ذنوب گناہ ہوتے ہیں اور سوچوں اور فیصلوں کی غلطیاں اسراف ہوتا ہے۔ اہل اللہ ہونے کی یہ نشانی ہوتی ہے کہ وہ سوچوں اور بدنوں کے ہر قسم کے گناہوں پر اللہ سے معافی مانگتے ہیں۔ دعا میں ثابت قدمی سے پہلے تقصیرات پر عفو طلبی کا ذکر ہے۔ وھبہ لکھتے ہیں: ''پاکیزہ نفسی اجابت دعا کا ذریعہ بنتی ہے اس لیے پہلے گناہوں کی مغفرت کا ذکر ہے بعد ازاں یہ دعا مذکور ہے کہ ہمارے قدموں میں ثبات لا اور کافر قوم پر ہمیں نصرت سے نواز'' (501)۔

اوصاف میں ترتیب جہاں منطقی ہے وہاں روحانیت میں وفور اور برکت پیدا کرنے کے بنیادی ذرائع کا بھی تعین کر دیا گیا۔ شکوک، شبہات اور نجاستِ ذنوب میں پھنسا ہوا شخص کسی قابل نہیں ہوتا اور ان چیزوں سے چھٹکارا صلاحیت ساز ہوتا ہے۔

❁❁❁❁❁

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

(148) پس اللہ نے انہیں دنیا میں بھلائی بخشی اور ثواب آخرت کا حسن بھی اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

(149) اے ایمان والو! اگر تم نے کافر لوگوں کی اطاعت کی تو وہ تمہیں الٹا پھیر دیں گے ایڑیوں پر، یوں تم خسارے والے ہو کر گھومو گے

(150) بلکہ اللہ تمہیں اپنی ولایت بخشنے والا ہے اور وہی بہتر مددگار ہے

(151) ہم بہت جلد کفر کرنے والوں کے دل میں رُعب ڈال دیں گے اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک قرار دیا اسے جس کے ساتھ اس نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے اور ظلم کرنے والوں کا ٹھکانہ بہت ہی بُرا ہے

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

''پس اللہ نے انہیں دنیا میں بھلائی بخشی اور ثواب آخرت کا حسن بھی اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''۔

آیت میں سب سے خوبصورت اور قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ آیت کا آغاز ''فا'' تعقیبیہ کے ساتھ ہو رہا ہے۔ علامہ آلوسی اس ''فا'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہاں ''فا'' تعقیب ہے ''الوصل'' کا معنیٰ دے رہی ہے یعنی ایک کام کے ساتھ ہی دوسرے کام کے وصل کا مفہوم پیدا ہو رہا ہے۔ تفسیری معنیٰ یہ ہوگا کہ ابھی صابرین اور محسنین کی دعا ختم نہیں ہوئی اس کی اجابت کا معنوی اتصال ظاہر ہونا شروع ہو گیا ہے(502)۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ''ثَوَابَ الدُّنْيَا'' سے مراد کیا ہے؟

قتادہ کہتے ہیں کہ آیت میں دنیوی ثواب سے مراد فتح، غلبہ، تمکّن اور نصرت ہے اور ابن جریج نے اس جملہ کا معنیٰ امداد کرنا اور مالِ غنیمت عطا کرنا سمجھا ہے۔ ''ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ'' کا معنیٰ اللہ کی رضا اور رحمت ہے اور قتادہ اس سے جنت مراد لیتے تھے۔ ''ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ'' کے ساتھ حسن کی قید خصوصی فضل اور استحقاق سے زیادہ عطا کی طرف اشارہ ہے(503)۔

علامہ ابوحیان اندلسی نے لکھا(504):

> ''اللہ تعالیٰ کے ہاں جب بندہ اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیتا ہے اور عجز میں ڈوب جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے محسن یعنی محبوب بنا لیتا ہے۔ اس طرح کا مفہوم عملی پختگی پر بھی متبادر ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حسن نیت کے ساتھ جہد و عمل کی طرف بڑھنے والوں کو محبت اور پیار سے نواز دیتا ہے''۔

روح البیان کا یہ نقطہ بھی احسن ہے کہ اللہ تعالیٰ صابرین اور محسنین اس وقت بناتا ہے جب وہ تگ و تاز کے میدان میں اپنے بندوں کو اچھی طرح آزما لیتا ہے(505)۔ واللہ اعلم

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

''اے ایمان والو! اگر تم نے کافر لوگوں کی اطاعت کی تو وہ تمہیں الٹا پھیر دیں گے ایڑیوں پر،

مفردات

فَاٰتٰىهُمُ: تو دیا ان کو
اللّٰهُ: اللہ نے
ثَوَابَ: ثواب
الدُّنْيَا: دنیا کا
وَحُسْنَ: اچھا
ثَوَابِ: ثواب
الْاٰخِرَةِ: آخرت کا
وَاللّٰهُ: اور اللہ
يُحِبُّ: پسند کرتا ہے
الْمُحْسِنِيْنَ: نیکوکاروں کو

يٰۤاَيُّهَا: اے وہ
الَّذِيْنَ: لوگو جو
اٰمَنُوْۤا: ایمان لائے ہو
اِنْ: اگر
تُطِيْعُوا: تم اطاعت کرو گے
الَّذِيْنَ: ان لوگوں کی
كَفَرُوْا: جو کافر ہوئے
يَرُدُّوْكُمْ: وہ پلٹا دیں گے تمہیں
عَلٰۤى: پر
اَعْقَابِكُمْ: تمہاری ایڑیوں پر
فَتَنْقَلِبُوْا: تو تم پلٹو گے
خٰسِرِيْنَ: نقصان والے ہو کر

مفردات

یوں تم خسارے والے ہو کر گھومو گے''۔

جلال الدین سیوطی نے درمنثور میں لکھا (506):

''اے ایمان والو! تمہارے لیے ضروری ہے کہ تم یہود و
نصاریٰ سے کوئی نصیحت قبول نہ کرو اور یہ بھی ضروری ہے
کہ تم اپنے دین کی تصدیق ان سے نہ چاہو وگرنہ تمہیں وہ
دین میں نقصان پہنچا دیں گے''۔

غزوۂ احد کے بعد مدینہ میں اسلام دشمن قوتوں نے اسلام کے بارے میں منافرت کی تحریک شروع کر دی تھی۔ یہودی اور عیسائی کمزور مسلمانوں کی نفسیاتی سستیوں سے فائدہ اٹھا کر اسلام کے بارے میں لوگوں کو بدظن کر رہے تھے۔ آیت مسلمانوں کو کفار کی پیروی کرنے سے ڈراتی ہے۔ آج بھی یہود و نصاریٰ اپنے ڈھیٹ اور زہریلے آباواجداد کے نقش قدم پر چل کر اسلام کے بارے میں منفی ادب تخلیق کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کی عقل میں اسلامیت کا آجانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا زندگی کے لیے آکسیجن ضروری ہوتی ہے اور انہیں ہر زمانے میں یہ فیصلہ کر لینا چاہیے کہ یہود و ہنود اور نصاریٰ و پارسی مسلمانوں کی خیر خواہی نہیں کر سکتے۔ یہ قرآن کی تعلیم ہے کہ ان قوموں کے بارے میں مسلمان ہوشیار رہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کو ہوشیار کرنے کے لیے تھی کہ کہیں وہ ابوسفیان کے لشکر میں دلچسپی نہ لینے لگ جائیں۔ دراصل عبداللہ بن ابی اُحد میں محمد ﷺ کی شہادت کی خبر پھیل جانے کے بعد یہ زہریلا پروپیگنڈا کر رہا تھا کہ محمد ﷺ اگر سچے ہوتے معاذ اللہ! تو مسلمانوں کو یہ نقصان کیوں اٹھانا پڑتا۔ یہ آیت اس لیے اتری کہ مسلمان منافقین کی باتیں سننے سے گریز کریں (507)۔

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

''بلکہ اللہ تمہیں اپنی ولایت بخشنے والا ہے اور وہی بہتر مددگار ہے''۔

اس آیت میں مسلمانوں کی ولایت کا مرجع بتایا جا رہا ہے اور ''ولایت'' کی جاذبیت اسلامی زندگی پر جو اثر مرتب کرتی ہے اس کی حقیقی تصویر قاریٔ قرآن کو بتلائی جا رہی ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی عظیم مفسر ہیں ان کی زندگی میں چونکہ صالحین اور عارفین کے افکار اور صحبت کی خوشبو نمایاں تھی اس لیے ان کا آیت فہمی کا اسلوب بھی کشش رکھتا ہے۔ آپ خامہ فرسائی فرماتے ہیں (508):

بَلِ: بلکہ
اللّٰهُ: اللہ
مَوْلٰىكُمْ: تمہارا کارساز، تمہارا مددگار، تمہارا دوست، تمہاری پناہ گاہ اور تمہارا سرپرست
وَهُوَ: اور وہ
خَيْرُ: سب سے اچھا
النّٰصِرِيْنَ: مددگاروں میں سے مددگار آقا

''مَوْلٰىكُمْ'' کا معنیٰ ہے اللہ تم سے محبت رکھتا ہے، وہ تمہارا مددگار ہے، وہ تمہاری حفاظت کرنے والا ہے اور وہی ہے جو تمہیں دین پر قائم رکھنے کی مدد سے نوازتا ہے، اس لیے جو اللہ والا ہوتا ہے وہ مولا والا ہوتا ہے اس لیے غیروں کی طرف دیکھتا ہی نہیں''۔

اس دنیا میں جو محبت والے ہیں، مولا والے بھی وہی ہیں، اس لیے ایسے کاملین سے بے رخی برتنا فساد ہے۔ بات جو سمجھائی جارہی ہے وہ سمجھ میں آنے والی ہے کہ کافر لوگوں کو اپنا حامی اور مددگار نہ سمجھا جائے اور اپنی اطاعت، محبت اور وفا کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف پھیر دیا جائے (509)۔ اس جملے کا مطلب بھی یہی ہے کہ جس کا میں مولا ہوں یہ علی بھی اس کا مولا ہے۔ ایمان والے سب ایک دوسرے کے محب، وفادار اور پشت پناہ ہوتے ہیں۔ آیت کا جملہ روحانیت ساز اور محبت افزا ہے اور وہ سب سے بہتر مدد فرمانے والا ہے۔

سند المفسرین علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں (510):

''اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار ہے اس لیے کہ مطلق قدرت اسی کے لیے ثابت ہے اور پھر یہ کہ ظاہر اور باطن کا علم بھی وہی رکھنے والا ہے۔ وہ لوگوں کی دعاؤں اور ان کی نیاز مندیوں سے باخبر ہے اس لیے وہ مددوں سے نوازتا ہے۔ مددوں سے بھی نوازتا ہے اور محبتوں سے بھی نوازتا ہے اور پھر وہ ایسا کریم ہے جس کی جُود و عطا میں بخل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ جس کو جتنا چاہے عطا کرے، اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں۔ اللہ کی توفیق سے انسان انسان کی بھی مدد کرتا ہے لیکن انسانی مدد خدائی مدد سے کیا نسبت رکھ سکتی ہے۔ اللہ کی قدرت، علم اور جُود و عطا کی وسعتوں کا کوئی غیر تصور بھی نہیں کر سکتا، اس لیے ''خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ'' ہونا اسی کی صفت ہے اور مدد کے خزانے کے حصول کے لیے اللہ ہی کی طرف رجوع ہونا چاہیے''۔

مفردات

سَنُلْقِيْ: عنقریب ڈالیں گے ہم
فِيْ: میں
قُلُوْبِ: دلوں
الَّذِيْنَ: ان کے جو
كَفَرُوا: کافر ہوئے
الرُّعْبَ: رعب
بِمَآ: بوجہ اس کے
اَشْرَكُوْا: شریک کیا
بِاللّٰهِ: اللہ کے ساتھ
مَا: اسے جو
لَمْ: نہیں
يُنَزِّلْ: اتاری اس نے
بِهٖ: اس کے ساتھ
سُلْطٰنًا: دلیل
وَمَاْوٰىهُمُ: اوران کی جگہ، آماجگاہ، ٹھکانہ
النَّارُ: آگ
وَبِئْسَ: اور بُری
مَثْوَى: جگہ ہے
الظّٰلِمِيْنَ: ظلم کرنے والوں کی

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

ہم بہت جلد کفر کرنے والوں کے دل میں رُعب ڈال دیں گے اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک قرار دیا اسے جس کے ساتھ اس نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے اور ظلم کرنے والوں کا ٹھکانہ بہت ہی بُرا ہے''۔

قرآن مجید کی یہ آیت شاخ تر سے زیادہ تازگی رکھنے والی دعوت اور حقیقت پر مشتمل ہے، اس میں پانچ اعلانات ہیں:

- اہل کفر کے دلوں میں ہم رعب ڈالتے ہیں۔
- کفر والے کھوٹے اور خسیس لوگ ہیں، ان کے شرک اور شریکوں نے ان کی تباہی مچادی ہے۔
- مشرکین ''سلطان'' سے محروم ہیں اس لیے ان کے افکار، ان کی صحبت اور ان کے اقدامات ان کی اپنی ہی تباہی کا اعلان ہوتا ہے۔
- کافروں اور ظالموں کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہے۔
- اہل کفر جب بھی اہل ایمان کے مقابلے میں اتریں گے اللہ تعالیٰ ایمان اور محبت والوں کو مدد اور سلطان سے نوازے گا۔

آیئے! سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ ''رعب'' کیا چیز ہے؟

یہ ایمان والوں کی طرف سے ایک خدائی تحفہ، اسلحہ اور روحانی سوغات ہے۔ عربی زبان میں ''رعب الحوض'' کا معنیٰ ہوتا ہے ''حوض پانی سے بھر گیا''۔ اس اعتبار سے ''رُعب'' خوف سے دلوں کو بھر دینا ہوگا۔ ''الرعیبه'' اونٹ کی کوہان کاٹ دینا ہوتا ہے (511)۔ راغب اصفہانی نے لکھا کہ خوف سے دل بھر جانا اور زبان کا بولنے سے عاجز آجانا ''ترعیب'' ہوتا ہے (512)۔

آیت میں غزوۂ احد کے بعد ابوسفیان کی فوج کا مرعوب ہوجانا مراد ہے۔ عمود تفسیر اہل ایمان کی وہ دھمک ہے جس سے اہل شرک پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے اور یہ القا و اعطا اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت سے ہوتا ہے (513)۔

''رعب'' کا معنیٰ سمجھنے میں رحمت عالم ﷺ کی حدیث بھی مدد کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا (514):

''مجھے انبیاء پر چار چیزوں سے فضیلت دی گئی ہے: مجھے تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ میرے

لیے اور میری اُمت کے لیے تمام زمین کو مسجد اور مطہر بنا
دیا گیا، ایک مہینہ کی راہ سے میرے دشمنوں کے دلوں
میں رعب ڈال کر میری مدد کی گئی اور مال غنیمت میرے
لیے حلال کر دیا گیا''۔

آیت کے پہلے حصے کا قرطبی نے یہی معنیٰ لکھا کہ ہم عنقریب مشرکین کے دلوں کو خوف اور فزع سے بھر دیں گے(515)۔

سلطان کا معنیٰ کیا ہے؟

علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لفظ ''سلطان'' کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''سلطان، تسلیط'' سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ قدرت ہوتا ہے۔ اسی مناسبت سے حاکمہ کی طاقت سلطان کہلاتی ہے۔ ابن درید کہتے ہیں کہ شدت، طاقت اور کاٹ کی وجہ ہی سے لوہے کو ''سلیط'' کہتے ہیں۔ ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر جو قہر اور دبدبہ ظاہر کرتا ہے وہ ''سلیطہ'' ہوتا ہے۔ جو عورت بہت چیخے اور چلائے وہ ''سلیطہ'' ہوتی ہے اور جو مرد گفتگو میں دوسروں پر غالب آجائے وہ ''سلیط'' ہوتا ہے۔ دلیل بھی چونکہ دوسروں کو مغلوب کر لیتی ہے اس لیے وہ بھی ''سلطان'' کہلاتی ہے(516)۔

اہل کفر اور اہل شرک ''سلطان'' سے محروم لوگ ہوتے ہیں۔ ان کا تکیہ صحیح نہیں ہوتا۔ ان کا بھروسہ اور اعتماد کمزور سہاروں پر ہوتا ہے۔ سید قطب نے اپنی تفسیر میں یہ درست لکھا ہے کہ کوئی تصور، کوئی عقیدہ، کوئی نظریہ اور کوئی شخصیت اتنی ہی مؤثر ہو سکتی ہے جس قدر اس کے باطن میں قوت کا داعیہ موجود ہو۔ اسی روحانی قوت، اعتماد اور روشنی کے مطابق ہی اس شخص کی جدوجہد قائم ہوتی ہے اور باطنی اور روحانی طاقتوں کا سرچشمہ سچائیاں ہوتی ہیں۔ اللہ کی دی ہوئی یہ روحانی طاقت ''سلطان'' ہوتی ہے(517)۔

قرآن مجید اعلان کرتا ہے کہ شرک کی موجودگی میں ''سلطان'' کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ لوگ تو روحانی سچائیوں سے محروم ہوتے ہیں دوزخ کی آگ ہی ان کا ٹھکانہ ہوتا ہے۔

چراغ جلانے کے لیے جو تلوں کا تیل استعمال ہوتا ہے وہ بھی ''سلیط'' ہوتا ہے۔ قرطبی نے ٹھیک لکھا کہ وہ تمام طاقت کے سرچشمے اور روشنی کے ذرائع جو مقصود کو قوت دیں وہ ''سلطان'' کہلاتے ہیں۔ اس اعتبار سے محبت، بیان حق، برھان، روحانی طاقت، اعتماد، بھروسہ، دل میں سچائی کے لیے جذبۂ محرکہ، صحیفہ، وحی اور وجود نبوت ''سلطان'' ہونے کی صورتیں ہیں(518)۔

آیت میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ ظالموں کے مراجع بہت بری جگہیں ہوتی

ہیں۔ بلاشبہ ''مَثْوٰی'' کا معنیٰ رات کو لوٹ کر آنے کی جگہ ہوتی ہے اور یہاں ظالمین کے وہ ٹھکانے جو بروز محشر ان کو ملیں گے وہی مراد ہیں لیکن دنیا میں بھی ظالم کو جہاں سے مدد ملے وہ بہت بُری جگہ ہوتی ہے۔ ظلم کا امدادی چشمہ ''مَثْوٰی خیر'' نہیں بن سکتا کیوں نہ وہ ''خیر القرون'' کو چھولے، منافق تو منافق ہی ہوتا ہے کیوں نہ وہ مدینہ میں رہتا ہو۔

آفات روحانی کی جڑیں

حضرت شیخ ابوعلی فرماتے ہیں کہ روحانی آفات تین بیماریوں کی وجہ سے آتی ہیں (519):

1۔ طبیعت

2۔ ملازمۃ العادۃ

3۔ اور فساد صحبت

آپ سے پوچھا گیا طبیعت سے متعلق بیماریوں کی علامت کیا ہوتی ہے؟

آپ نے فرمایا:

''اکل حرام''۔

آپ سے پھر سوال ہوا کہ ملازمۃ العادہ کی علامات ارشاد فرمائیں

آپ نے فرمایا:

جن اشیاء کا دیکھنا سننا حرام ہے انہیں دیکھنا اور سننا جیسے غیبت ہے۔

آخر میں آپ سے پوچھا گیا فساد الصحبہ کی نشانیاں کون سی ہیں؟

آپ نے فرمایا:

اس کی نشانی یہ ہے کہ نفس میں کوئی شہوت ابھرتی ہے تو نفس اسے پورا کرنے کے درپے ہو جاتا ہے اور یوں وہ شخص ظلمتوں میں ڈوب جاتا ہے۔

آیت کا ملخص روحانی زندگی کے قاعدوں کو قاریٔ قرآن کے سامنے کھول دینا ہے۔

کفر بزدلی ہے، حماقت ہے اور بربادی اس سے نفرت، طاقت اور قوت کا مرجع تلاش کر لینا ہے۔ شرک اور شہوت ظلمتوں کی آگ میں چھلانگ لگا لینا ہے، دونوں سے بیزاری قرآنی دعوت پر لبیک کہنا ہے۔

''سلطان'' روحانی زندگی کا قلعہ ہے۔ یہ ہر شخص کو نہیں ملتا صرف صاحبِ عقیدہ ہی اس کردار کے آسمان پر قدم رکھ سکتا ہے۔ عرش بھی اسی راستے کی ایک منزل ہے۔

ظلم آگ کا ایندھن ہوتا ہے اس لیے ظالموں سے ہمیشہ دور رہیں۔

❁❁❁❁❁

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ
وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ
مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ
لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾
اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِىْٓ اُخْرٰىكُمْ
فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ
خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

(152) اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب تم اُس کے اذن سے انہیں خوب قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ تم سُست پڑ گئے اور تم نے حکم ہی میں تنازع کر دیا اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ تمہیں دکھا دیا تھا وہ جو تم پسند رکھتے تھے، تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض تم میں سے آخرت کے طلبگار تھے پھر اللہ نے تمہیں ان سے پھیر دیا تا کہ تمہارا امتحان لے اور بے شک اس نے تم سے درگزر فرمایا اور اللہ مومنین کے حق میں بڑے فضل والا ہے

(153) اور جب تم اُوپر چڑھے جا رہے تھے اور مُڑ کر کسی ایک کو دیکھتے تک نہ تھے اور رسول معظّم تمہیں پیچھے سے پکار رہے تھے اس کے بعد تم پر مسلسل غموں پر غم ٹوٹے تا کہ تم رنجیدہ نہ ہو اس پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ ان مصیبتوں پر جو تمہیں پہنچیں اور اللہ جو بھی تم کرتے ہو اس سے خوب خبردار ہے

وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

''اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب تم اُس کے اذن سے انہیں خوب قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ تم سُست پڑ گئے اور تم نے حکم ہی میں تنازع کر دیا اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ تمہیں دکھا دیا تھا وہ جو تم پسند رکھتے تھے، تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض تم میں سے آخرت کے طلبگار تھے پھر اللہ نے تمہیں ان سے پھیر دیا تا کہ تمہارا امتحان لے اور بے شک اس نے تم سے درگزر فرمایا اور اللہ مومنین کے حق میں بڑے فضل والا ہے''۔

آیت کا پہلا حصہ

اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا کیا ہوا وعدہ سچا کر دکھایا جب تم غزوۂ احد میں کفار کو قتل کر رہے تھے۔ اس وعدہ سے مراد اللہ کا اپنے رسول سے وعدہ ہے۔ آپ ﷺ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آپ ایک بکرا ذبح کر رہے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر اُحد میں کفار کے قتل ہونے سے کی گئی۔ ابتدا میں یہی کیفیت تھی کفار مکہ کا علمبردار طلحہ بن عثمان اپنے نو ساتھیوں سمیت پہلے ہی ہلہ میں مارا گیا۔ ابی بن خلف احد کی گھاٹی پر یہ کہتا ہوا ملا کہ آپ بچ گئے ہیں تو میں نہیں بچ سکتا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر آپ اجازت دیں تو ہم اس مردود کا فیصلہ کر دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اس کو آگے آنے دو، جب وہ لہکتا ہوا قریب آیا تو آپ ﷺ حارث بن صمہ کے ہاتھ سے نیزہ لے کر اسے مارا۔ نیزہ ابی کی گردن میں جا کر بجا اور وہ گھوڑے سے بیل کی طرح ڈکراتے ہوئے نیچے گرا اور موضع سرف میں جا کر واصل جہنم ہو گیا۔ ابتدائے جنگ میں یہی حال تھا کہ مسلمانوں نے اللہ کے حکم سے کفار کے کشتوں کے پشتے لگا دیے تھے اور مشرکین بدحواس ہو کر بھاگ نکلے تھے۔ جنگ کا یہی منظر آیت کی ابتدا میں موضوع ہدایت بنایا گیا (520)۔

آیت کا دوسرا حصہ

''یہاں تک کہ تم کمزور پڑ گئے اور امر رسول میں باہم نزاع میں جا مبتلا ہوئے یوں تم سے دامن اطاعت مضبوط نہ تھاما جا سکا''۔ قرآن مجید کے اس حصے کو سمجھنے کے لیے بخاری کی ایک روایت

مفردات

وَلَقَدْ: اور بے شک
صَدَقَكُمُ: سچا کر دکھایا تم سے
اللّٰهُ: اللہ نے
وَعْدَهٗۤ: اپنا وعدہ
اِذْ: جب
تَحُسُّوْنَهُمْ: تم قتل کر رہے تھے، یہ لفظ ''الحاسیہ'' سے ہے، حس کی قوت کو بھی کہتے ہیں اور حاسہ پر مارنے کو بھی کہتے ہیں مجازاً یہ قتل کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے
بِاِذْنِهٖ: اس کے حکم سے
حَتّٰۤى: یہاں تک
اِذَا: جب
فَشِلْتُمْ: تم خود کمزور پڑ گئے
وَتَنَازَعْتُمْ: اور تم نے باہم اختلاف کیا
فِى الْاَمْرِ: امر میں
وَعَصَيْتُمْ: اور نافرمانی کی تم نے
مِّنْۢ بَعْدِ: بعد سے
مَاۤ: جو
اَرٰىكُمْ: دکھا دی تم کو
مَّا: وہ جو
تُحِبُّوْنَ: تم پسند کرتے تھے
مِنْكُمْ: تم میں سے
مَّنْ: جو
يُّرِيْدُ: چاہے
الدُّنْيَا: دنیا
وَمِنْكُمْ: اور تم میں سے
مَّنْ: جو تھے

ملاحظہ ہو(521):

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اُحد کے دن ہمارا مشرکوں سے آمنا سامنا ہوا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیر اندازوں کی ایک جماعت ایک گھاٹی پر مقرر فرمائی اور عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ: کو ان کا امیر مقرر فرمایا اور حکم دیا تم نے کسی بھی صورت میں یہاں سے ہٹنا نہیں۔ اگر تم یہ بھی دیکھ لو کہ ہم غالب آ گئے ہیں پھر بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑنا اور اگر یہ دیکھو کہ وہ ہم پر غالب آ رہے ہیں پھر بھی تم نے اپنی جگہ ہی رہنا ہے۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو مشرکین بھاگ پڑے، یہاں تک کہ ان کی عورتوں کو دیکھا گیا کہ وہ کپڑے پنڈلیوں سے چڑھائے پہاڑ کی طرف بھاگ رہی ہیں، یہاں تک کہ ان کی پازیبیں نظر آ رہی تھیں۔ اس کیفیت میں مسلمانوں میں غنیمت غنیمت کی گونج پڑ گئی۔ گھاٹی والوں کو عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے اور یوں ان میں پسپائی آ گئی۔ ستر صحابہ شہید ہو گئے اور مسلمانوں کا بے حد نقصان ہوا''۔

آیت کے اس حصے میں اسی کمزوری، تنازع اور عصیان کا ذکر کیا گیا۔

استقامت کا آسمان

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے(522):

''قسم ہے اس کی جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق دے کر مبعوث کیا، احد میں جب گھمسان کا رن پڑ رہا تھا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جگہ سے ایک بالشت نہیں ہٹے، آپ دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کل پندرہ صحابہ رہ گئے تھے ان میں آٹھ مہاجر اور سات انصار تھے(523)۔

مہاجرین اور اولوالعزم ہستیاں یہ تھیں:

مفردات

يُّرِيْدُ: چاہتے
الْاٰخِرَةَ: آخرت
ثُمَّ: پھر
صَرَفَكُمْ: پھیر دیا تمہیں
عَنْهُمْ: اُن سے
لِيَبْتَلِيَكُمْ: تاکہ تمہارا امتحان لے
وَلَقَدْ: اور بے شک
عَفَا: درگزر کیا
عَنْكُمْ: تم سے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
ذُوْ فَضْلٍ: فضل والا
عَلَى: پر
الْمُؤْمِنِيْنَ: مومنوں

آیت کا چوتھا حصہ

آیت نے ضمیروں کو جھنجوڑا کہ تم میں سے بعض وہ ہیں جو دنیا کا ارادہ رکھتے ہیں یعنی مالِ غنیمت کا ارادہ رکھتے ہیں اور تم میں سے بعض ایسے ہیں جو آخرت ہی کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مرکز میں ثابت قدم رہے یعنی پہاڑی درہ پر قائم رہے یہی وہ عظیم مجاہدین ہیں جنہوں نے جام شہادت نوش کرلیا لیکن اپنی جگہ نہ چھوڑی۔

آیت کا پانچواں حصہ

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں (524) کہ قرآن کا یہ حصہ ''پھر اس نے پھیر دیا تمہیں ان سے'' مسلمانوں کی وقتی پسپائی کی طرف اشارہ ہے۔ آیت نے اس خونچکاں منظر کو بھی مسلمانوں کی آزمائش قرار دیا۔

ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں کہ تمہیں غم اور مصیبت اٹھانی پڑی اس لیے کہ تم میں سے مصیبتوں پر صبر کرنے والوں کا انتخاب کرلیا جائے اور دیکھا جائے ثابت قدم کون رہتا ہے (525)۔

آیت کا چھٹا حصہ

اس آیت نے جہاں شہکار تربیت لوگوں کی بعض باتوں پر گرفت کی۔ تم کمزور پڑ گئے، تم لوگوں نے باہم نزاع کیا اور تم میں سے بعض دامن اطاعت کے تھامنے پر مستقیم نہ رہ سکے، وہاں تاریخی عام معافی کا اعلان کر دیا۔ اسلوب کی شہادت ملاحظہ ہو کہ ماضی پر ''قد'' داخل کیا اور پھر اسے لام تاکید سے مزید پختگی بخشی اور فرمایا: ''اللہ نے معاف فرما دیا ہے''۔

اے کاش!!

اے کاش! سرسری قرآن پڑھنے والوں کی ذہنیتیں خراب نہ ہوتیں اور وہ باطن کو اجاڑنے والے نہ ہوتے، وہ ہر عزت والے کی عزت کرتے۔ قاری قرآن کا یہ حق تو ہے کہ اصحاب استقامت کے کردار سے حوصلوں کی خیرات لیتے لیکن جنگی کیفیت کے عارضی ذہول پر تلواریں تان لینا مناسب نہیں، جن کی معافی کا اعلان قرآن نے کر دیا ہے۔ قرآن پڑھنے والوں کو بھی تعصّبات کے خول سے باہر آ جانا چاہیے اور قافلۂ اوّل کے عظیم اور فضیلت مآب مجاہدین کی خاکِ پا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے کا مسلک اپنانا چاہیے اور یہ میٹھی کھجور بھی ہضم ہونی چاہیے کہ عزت والوں کی فہرست سے علی رضی اللہ عنہ کو نکالنا خارجیت نہیں تو اور کیا ہے؟ اس نام کا ورد تو اگلوں کو بھی فائدہ دیتا تھا بعد میں آنے والوں کو بے وقوف نہیں بننا چاہیے، ستاروں کی بھی قدر کرنی چاہیے اور چاند سے بھی پیار نبھانا چاہیے، علی رضی اللہ عنہ تو چاند کی

طرح چمکنے والا نام ہے۔

چاند اترتا ہے اب کس کس آنگن میں ؟
کرنوں سے محروم گھرانے کیسے ہیں ؟

اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَ لَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوۡلُ يَدۡعُوۡكُمۡ فِىۡۤ اُخۡرٰٮكُمۡ فَاَثَابَكُمۡ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵۳﴾

''اور جب تم اُوپر چڑھے جا رہے تھے اور مُڑ کر کسی ایک کو دیکھتے تک نہ تھے اور رسول معظّم تمہیں پیچھے سے پکار رہے تھے اس کے بعد تم پر مسلسل غموں پر غم ٹوٹے تا کہ تم رنجیدہ نہ ہو اس پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ ان مصیبتوں پر جو تمہیں پہنچیں اور اللہ جو بھی تم کرتے ہو اس سے خوب خبردار ہے''۔

جنگی منظر

عامۃ المفسرین نے ''غزوۂ اُحد'' کی تصویر کشی کو موضوع سخن بنایا ہے۔ ہمارے نزدیک عمودِ تفسیر استقامتِ رسول ہے۔ رسول معظم کا بلانا معمولی نہیں تھا، غیر معمولی فضیلتوں اور ہمتوں کا عکاس تھا۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ کفار نے جب حملہ کیا مجاہدین اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ پریشانیوں اور اضطرابات نے ماحول کو منتشر کر دیا، سپاہیوں کے بے سمت بھاگنے سے ماحول کی لرزش توجہ اور التفات نہیں چاہ رہی، توجہ اس طرف قرآن پھیر رہا ہے کہ ماحول کی شدت دیکھیے اور پھر رسول معظم کی دعوت مسموع ہو۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ستر حملے ہوئے کہ اس چراغ حسن کو بجھا دیا جائے۔ عتبہ بن ابی وقاص نے چار بار پتھروں کے ساتھ حملہ کیا۔ دندان مبارک شہید ہوئے، سر اقدس بھی زخمی ہوا۔ ابن قمیہ کے تیر سے رخسار مبارک لہو میں نہا گئے لیکن حوصلوں کی عظمت ملاحظہ ہو کہ آپ ایک پتھر پر چڑھ گئے اور مسلمانوں کو بلانے لگے۔ کعب نے دیکھا کہ خود کے نیچے سے چشمان مبارک کی روشنی پھوٹ رہی تھی، انہوں نے بلند آواز سے بشارت نوازی کی، مسلمانو! وہ دیکھو ہماری تمناؤں کے مرکز قائم ہیں، دیکھتے دیکھتے آپ کے اردگرد غلاموں نے پھر خود کو منظم کر لیا۔ رسول معظم کی شہادت کی خبر گرم ہونے پر صحابہ کی پریشانیاں اور بے تابیاں جب بھڑک گئیں تو قرآن مجید نے اس منظر کو ''تُصۡعِدُوۡنَ'' سے تعبیر کیا۔ یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ شمع کے گل ہونے پر پروانے بظاہر بے مقصد سے لگتے ہیں لیکن جب سنبھالا دینے والا شمعِ رسالت کے پروانوں کے مسلک عشق کا خود محافظ ہو تو کس کی جرأت ہے کہ وہ

مفردات

اِذۡ: جب
یہاں ''اذکر'' پوشیدہ ہے، مفہوم ہوگا اس وقت کو یاد کرو جب
تُصۡعِدُوۡنَ: اوپر کی طرف تیزی سے چڑھ رہے تھے، کیفیت افراتفری پر دلالت کرتی ہے
وَلَا تَلۡوٗنَ: اور تم مڑ کر توجہ بھی نہ دے رہے تھے
عَلٰۤى اَحَدٍ: کسی ایک کی طرف
وَّالرَّسُوۡلُ: اور رسول معظم
يَدۡعُوۡكُمۡ: بلا رہے تھے تمہیں
فِىۡۤ: میں
اُخۡرٰٮكُمۡ: دوسروں میں
فَاَثَابَكُمۡ: تو پہنچایا تمہیں
غَمًّا: غم
بِغَمٍّ: بدلے غم کے
لِّكَيۡلَا: تا کہ نہ
تَحۡزَنُوۡا: تم کڑھو
عَلٰى: پر
مَا: جو، جس
فَاتَكُمۡ: تم محروم ہو چکے
وَ: اور
لَا: نہ، نہیں
مَاۤ: جو، جس
اَصَابَكُمۡ: پہنچا تمہیں
وَاللّٰهُ: اور اللہ
خَبِيۡرٌۢ: خبر والا
بِمَا: اس نے جو
تَعۡمَلُوۡنَ: تم کرتے ہو

تنقید کے لیے زبان وا کرے۔ عربی زبان میں ''صعود'' کا معنیٰ اونچی جگہ چڑھنا ہوتا ہے اور ''اصعاد'' ہموار زمین میں تیز قدموں سے دوڑنا ہوتا ہے۔ آیت کا یہ حصہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی روحی کیفیت کی عکاسی کر رہا ہے۔ پیاس میں بھٹک کر سراب کو منزل قرار دینا مجاز ہے لیکن ''چراغ حق'' کی روشنی کا مشاہدہ میں نہ آنا ایک روحی بے چینی کا اظہار ہے۔ کبھی اوپر جانا اور کبھی نیچے اترنا، بے تابی میں کسی کا کسی کو مڑ کر دیکھنا تک نہ، ماحول کی یہ بے چینیاں کسی کی محبت کی تعبیر بھی ہو سکتی ہیں۔ راقمِ کلمات کی کوشش کو منافقین کی ڈھال نہ سمجھا جائے، عاشقین کی بے تابی تصور کیا جائے۔ مُنہ اٹھا کر بھاگنے کی تعبیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخلص غلاموں کے لیے اچھی نہیں لگتی، ہاں کہا جا سکتا ہے کہ منافقوں کی حالت اس سے بھی بدتر تھی۔ آیت کی معنوی تعبیرات میں رسیلے گیتوں کی چاشنی بھی محسوس کی جا سکتی ہے اور تلواریں پھینکنے والوں کو سخت سست بھی کہا جا سکتا ہے لیکن ہمارے خیال میں معبود محبوب کو پتھر پر استقامت کا آہنی لباس پہنا کر اتنا اونچا کر دیتا ہے کہ اعلان کیا جا سکتا ہے کہ جس نے قدم دیکھنے ہوں میدان اُحد دیکھ لے اور جس نے فضیلت اور سربلندی دیکھنی ہو وہ غور سے دیکھ لے عرش الٰہی کیسے ان کے سر پر احد میں جلوہ فگن نظر آ رہا ہے۔

''اُخْرٰىكُمْ'' کی تشریح

اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں اور دونوں ہی مفسرین سے مروی ہیں: ایک تو یہ کہ ''اُخْرٰىكُمْ، ورائکم'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے یعنی تم جب بیاباں اور کوہستانی سلسلہ میں سرگرداں تھے رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے پیچھے سے آواز دے رہے تھے اور دوسرا معنیٰ یہ ہو سکتا ہے کہ تم لوگ جب دہشت زدہ اور مضطرب تھے رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چند لوگ موجود تھے جو مطمئن ہو کر مجسمۂ اطاعت بنے ہوئے تھے۔ قرآن حکیم کی یہ آیت بلاغت کا آسماں محسوس ہو رہی ہے۔ ایک طرف نفسیاتی اضطراب کی لرزہ فگن تصویر جو تھرتھرا رہی ہے اور دوسری طرف استقامت اور شجاعت کا فطری رنگ نفسیاتی حوصلوں کی رفعت کا نشان بنا ہوا ہے (526)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ ''میں کیا کہوں اور کیا لکھوں''، مُردوں کو زندگی کا پیغام دے رہے تھے۔ مسیحائی کا یہ عجب جلوہ تھا جو کافروں کو کھیت کر رہا تھا اور محبین کے زخموں کو مندمل کر رہا تھا۔

آپ فرما رہے تھے:

الیَّ عباد اللہ!!!

الیَّ عباد اللہ!!!

کر آیا، اشارہ معافی کی طرف بھی ہوسکتا ہے اور کافروں سے انتقام کی جلن بھی ہوسکتی ہے۔ تفصیل تفسیر کبیر میں ملاحظہ ہو(528)۔

''لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا'' کی تفسیر

یہاں مفسرین نے دو احتمال نقل کیے ہیں:

- پہلا احتمال یہ ہے کہ اس کا تعلق ''وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ'' سے ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ تمہیں عفو سے نواز دیا گیا تا کہ تم کسی چیز کے کھو جانے پر غم نہ کرو اور کسی مصیبت کی وجہ سے غم میں الجھ نہ جاؤ۔ بے شک اللہ جب معاف فرما دے تو غم اور پریشانی ختم ہو جاتی ہے(529)۔
- دوسرا احتمال یہ ہے کہ آیت کا تعلق ''فَاَثَابَكُمْ'' سے ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا تم پر غموں کے پہاڑ توڑے گئے تا کہ تم کسی چیز کے ضائع ہونے پر اور کسی مصیبت کے پہنچنے پر غم نہ کھاؤ(530)۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَ
طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ
يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ
يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ
شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ
عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ
وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

(154) پھر اس نے تم پر غم کے بعد راحت نازل فرمائی جو اُونگھ کی صورت میں تمہارے ایک گروہ پر چھائے جا رہی تھی اور ایک گروہ ایسا تھا کہ انہیں اپنی جانوں کی فکر پڑی تھی وہ لوگ اللہ کے بارے میں جاہلیت کے گمانوں کی طرح ناحق گمان کیے جا رہے تھے کہتے تھے کیا اس کام میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے؟ فرما دیجیے! امر تو سب کا سب اللہ ہی کے لیے ہے، اپنے نفسوں میں وہ کچھ چھپاتے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے، کہتے ہیں اگر ہمارے لیے ذرہ بھر اس معاملہ میں اختیار ہوتا تو ہم یہاں مارے نہ جاتے، آپ فرما دیں اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو بھی وہ لوگ جن کا قتل کرنا لکھا جا چکا تھا ضرور اپنی قتل گاہوں تک نکل آتے اور اس لیے کہ اللہ آزمائے اسے جو تمہارے سینوں میں ہے اور نکھارے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ دلوں میں جو بھی ہے اس کا خوب جاننے والا ہے

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

''پھر اس نے تم پر غم کے بعد راحت نازل فرمائی جو اُونگھ کی صورت میں تمہارے ایک گروہ پر چھائے جا رہی تھی اور ایک گروہ ایسا تھا کہ انہیں اپنی جانوں کی فکر پڑی تھی وہ لوگ اللہ کے بارے میں جاہلیت کے گمانوں کی طرح ناحق گمان کیے جا رہے تھے کہتے تھے کیا اس کام میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے؟ فرما دیجیے! امر تو سب کا سب اللہ ہی کے لیے ہے، اپنے نفسوں میں وہ کچھ چھپاتے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے، کہتے ہیں اگر ہمارے لیے ذرہ بھر اس معاملہ میں اختیار ہوتا تو ہم یہاں مارے نہ جاتے، آپ فرما دیں اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو بھی وہ لوگ جن کا قتل کرنا لکھا جا چکا تھا ضرور اپنی قتل گاہوں تک نکل آتے اور اس لیے کہ اللہ آزمائے اسے جو تمہارے سینوں میں ہے اور نکھارے جو ''تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ دلوں میں جو بھی ہے اس کا خوب جاننے والا ہے''۔

فہم آیت سے پہلے

قرآن مجید کی یہ آیت سمجھنے کے لیے ذہنی طہارت اور قلبی تزکیہ ضروری ہے۔ شومئ قسمت کہ ہم میں سے بعض لوگ قرآن پڑھتے ہوئے انتخابی ووٹر یا ریفرنڈم کے رائے دہندہ بن جاتے ہیں۔ وہ معلوم نہیں خود کو قاضی کیوں بنا لیتے ہیں کہ قافلۂ اوّل کے پُرخلوص علم برداروں کو بھی معاف نہیں کرتے۔ قرآن مجید دانش اور رہبری کی کتاب ہے اسے اپنی ترجمانی کے لیے وکیل چاہییں نہ ہی انجکشن لگانے والے ڈاکٹر چاہییں۔ قرآن کی ہدایت سے مستفید وہی ہو سکتا ہے جو مخلص طالب ہو اور قرآن کو اللہ کی کتاب سمجھتا ہو، اسے کذاب اور مفتری نہیں درکار جو مفہومات کو صحرائی ریت تصور کر کے بکھیر دیں۔ چمگادڑوں کو شاہینوں کا معلم نہیں مانا جا سکتا ہے۔ قرآن تربیت کا صحیفۂ نور ہے اس کا لفظ لفظ خوشبوؤں کا

مفردات

ثُمَّ: پھر
اَنْزَلَ: اتاری اس نے
عَلَيْكُمْ: تم پر
مِّنْ: سے
بَعْدِ: بعد
الْغَمِّ: غم
اَمَنَةً: سکون، اطمینان
نُّعَاسًا: اونگھ، نیند
يَّغْشٰى: ڈھانپتی تھی
طَآئِفَةً: ایک گروہ کو
مِّنْكُمْ: تم میں سے
وَطَآئِفَةٌ: اور ایک گروہ
قَدْ: بے شک
اَهَمَّتْهُمْ: فکر پڑ گئی انہیں
اَنْفُسُهُمْ: اپنے نفسوں کی
يَظُنُّوْنَ: وہ گمان کرتے تھے
بِاللّٰهِ: اللہ کے ساتھ
غَيْرَ الْحَقِّ: ناحق
ظَنَّ: گمان
الْجَاهِلِيَّةِ: جاہلیت کے
يَقُوْلُوْنَ: کہتے وہ
هَلْ: کیا
لَّنَا: ہمارے لیے
مِنَ الْاَمْرِ: امر سے
مِنْ شَيْءٍ: کسی چیز سے
قُلْ: فرمایئے
اِنَّ: بے شک

مصدر ہے۔ رحمت کے اس خزینے سے صائب ذہن ہی مستفید ہوسکتا ہے۔ قرآن فرشتوں کے لیے نہیں انسانوں کے لیے نازل ہوا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں بیٹھنے والے ''تلامذہ'' سب انسان ہی تھے۔ ان سب کی تربیت قرآن نے ضعف سے تکامل کی طرف تدریجاً کی ہے۔ وہ کسی فیکٹری سے نہیں نکالے گئے، وہ نگاہوں اور توجہات کے پروردہ تھے۔ ہاں وہ عظیم تھے اس لیے کہ قرآن قدم قدم پر ان کی راہنمائی کررہا تھا اور ان کے دلوں، بدنوں، ذہنوں اور روحوں کی صفائی کررہا تھا۔ جو لانگاہِ زندگی میں کسی مرحلے کی ان کی کسی بھی حالت پر تنقید نہیں کی جاسکتی، ان سے صرف رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ ہمارے مفتیوں اور مولویوں کو ان کا معلّم بننے کی ضرورت نہیں، ان کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کافی ہیں۔ آیت کو اگر عجالۂ تربیت سمجھ لیا جائے تو سوچوں کی دنیا بے غبار ہوسکتی ہے، ہاں فضیلتیں اپنی اپنی ہیں، ہاں طبیعتیں بھی اپنی اپنی ہیں لیکن پھول کو آنکھ سے سونگھا نہیں جاسکتا اور چہروں کو ناک سے دیکھا نہیں جاسکتا ہے۔

ہر گلے را رنگ و بُوئے دیگر است

صحابہ اور اہل بیت اطہار سب ہی خوشبوؤں کے خزینے تھے۔

ضعف سے تکامل کی طرف ایک قدم

غزوۂ احد میں منظر قیامت کو مشاہدہ کر لینے کے بعد اسلامی لشکر کے سپاہیوں کا فکری، عملی اور روحانی تجزیہ کیا جارہا ہے کہ ''مِّنْكُمْ'' تم میں سے ایک گروہ تھا جسے پرسکون اونگھ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے غزوۂ احد میں اپنا سر اٹھایا اور دیکھا کہ تمام ساتھیوں کے سر غلبۂ نیند کی وجہ سے ڈھالوں کے نیچے پڑے ہیں۔ میری اپنی حالت یہ تھی کہ ہاتھ سے تلوار بار بار گر جاتی اور میں اسے اٹھا کر سنبھالتا۔ دیکھا گیا کہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی لکڑی بھی گرا گرا چاہتی، بعض ایسے بھی تھے کہ ان پر اونگھ کا غلبہ نہیں تھا (531)۔

جنگ کے بعد لوگوں کی فکری کیفیت قرآن حکیم نے نقل کی، سب لوگوں کی سوچیں یکساں نہیں تھیں۔ جہاں جہاد اور انتقام کے جذبات آتش ایمان کے ساتھ بھڑک رہے تھے وہاں مضمحل افکار بھی تھے جن کی متکلم تصویر قرآن حکیم نے اس آیت میں بیان کی ہے۔ اگرچہ علامہ اسماعیل حقی نے اس طبقہ اور طائفہ کو منافقین لکھا ہے (532) لیکن علامہ رشید رضا نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ یہ لوگ منافق نہیں تھے بلکہ ضعیف، مضمحل اور اسلام میں نووارد ہونے کا اضطراب رکھتے تھے (533)، یہی لوگ بعد ازاں تربیت پا کر فولاد بن گئے۔ علامہ رشید رضا کی بات پھینک دینے والی نہیں۔ دونوں باتوں کو یکجا کر کے

مفردات

اَلْاَمْرَ: امر، اختیار
كُلَّهٗ: سارے کا سارا
لِلّٰهِ: اللہ کے لیے
يُخْفُوْنَ: وہ چھپاتے تھے
فِيْ: بیچ
اَنْفُسِهِمْ: اپنے نفسوں کے
مَّا لَا: جو نہیں
يُبْدُوْنَ: ظاہر کرتے وہ
لَكَ: آپ کے لیے
يَقُوْلُوْنَ: وہ کہتے
لَوْ كَانَ: اگر ہوتا
لَنَا مِنَ الْاَمْرِ: کوئی اختیار
شَيْءٌ: کسی چیز کا
مَّا قُتِلْنَا: ہم قتل نہ ہوتے
هٰهُنَا: یہاں پر
قُلْ: فرمایئے
لَوْ كُنْتُمْ: اگر تم لوگ ہوتے
فِيْ: میں
بُيُوْتِكُمْ: اپنے گھروں میں
لَبَرَزَ: ضرور نکل پڑتے
الَّذِيْنَ: وہ لوگ
كُتِبَ: لکھ دیا گیا
عَلَيْهِمُ: ان پر
الْقَتْلُ: قتل ہونا
اِلٰى: کی طرف
مَضَاجِعِهِمْ: اپنی قتل گاہوں
وَلِيَبْتَلِيَ: اور تاکہ آزماتا

طور پر جو نقصان ہوا وہ کیوں ہوا؟ علل، اسباب اور حالات کچھ بھی ہوں اور وہ لوگ کچھ بھی سوچیں اور کریں فتح بہر حال اسلام ہی کی ہونی چاہیے۔ قرآن مجید کی یہ آیت انسانی زندگی کی اہمیت بتاتی ہے اور جدوجہد کی فضیلت بتاتی ہے۔

فاسد خیالات کا ایک خیالی نقشہ ہے جو قرآن حکیم ایک گروہ کی زبان سے منکشف کر رہا ہے اور اظہار کی محبوبیت دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے ان لوگوں کی طرف بھی توجہ دینے کے لیے طلبی فرماتا ہے، اے محبوب! جو کچھ یہ لوگ اپنے جی میں چھپائے ہوئے ہیں وہ آپ پر ظاہر نہیں کرتے، آپ خود ہی اپنی بصیرت سے بھانپ لیں کہ کیسا زہریلا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ ہمارا تو کوئی اختیار ہی نہیں۔ قیادت نے ہماری ایک بھی نہیں سنی، فیصلے سارے کے سارے خود کیے۔ قرآن حکیم نے دوٹوک سمجھایا۔ رسالت منصب وہ منصب نہیں جس میں ہر نتھو خیرا منہ جا مارے، یہ اللہ کی عطا ہے۔ میرے محبوب اعلان کر دو اختیارات سارے کے سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ معاملات، جہاد، قیام دین اور ہدایات یہ سب کام اللہ کے ہیں، کسی کو یہ اختیار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ رسول معظم کو چلائے، ہر ایک کو ان کے پیچھے ہی چلنا ہوگا۔

باطن کا حقیقی سرطان

کور چشمی کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ بندہ سوچنے لگ جائے کہ ہر بات میں بس اللہ اور اس کا رسول اپنا ہی حکم چلاتے ہیں ہمیں تو اپنی رائے سے کچھ کرنے کا موقع ہی نہیں دیا جاتا۔ اگر ہمیں بھی منصوبہ بندی کا موقع دے دیا جائے تو کالے دن ہرگز نہ دیکھنے پڑتے۔

غزوۂ احد میں کمزور سوچ کی تشکیل دیکھیے، قرآن مجید گرفت کر رہا ہے کہ وہ لوگ کہتے ہمارا تو بس نہیں چلا اگر ہمارا بھی کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں اتنی تعداد میں قتل کیوں کر دیے جاتے۔

محبوب کا خطبہ

محبوب ذرا آپ اپنے نورانی لبوں کو جنبش دیں اور نور کی شگفتہ پتیاں سر محفل نچھاور فرما دیں۔

مجاہدین کا ذہن کدھر لپک پڑا ہے؟

قیامت تک کے قرآن پڑھنے والو!

غور سے سنو! میرا محبوب بولنے لگا ہے

لب اس کے ہیں اور کلام میرا ہے

گوش بر آواز ہو!!!

لوگو! اگر تم گھروں میں بھی ہوتے اور اسلامی اور روحانی قیادت کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے اس معرکے میں نہ کود پڑتے اور تمام معاملات تم اپنی مرضی سے کرتے تو بھی جن لوگوں نے مرنا تھا تقدیر میں انہیں جام شہادت نوش کرنا تھا وہ خود اپنے مقتل کی طرف دوڑ آتے۔ موت کا وقت تو مقرر ہے وہ ٹل نہیں سکتا۔ آیت نے مقتل کو ''جائے آرام'' سے تعبیر کیا۔ موت کے محرکات کسی کے کنٹرول میں نہیں۔ یہ فیصلے سب اللہ ہی کے ہیں (535)۔

آیت کی آخری پکار

قرآن مجید کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتیں ظاہر کر کے بھی امتحان لے لیتا ہے۔ اُحد میں ایک لوگوں کا طبقہ تھا جو دل میں کچھ چھپائے بیٹھے تھے اور وہ اپنے نبی پر وہ باتیں ظاہر نہیں کر رہے تھے۔ قرآن نے غزوۂ اُحد کی حکمتیں اور مصلحتیں آشکار فرمائیں۔ منافق منافقت کو دل میں چھپاتا ہے۔ کمزور آدمی کمزوری کو دل کے غلاف میں لپیٹ لیتا ہے اور عاشق عشق اور جذبہ کو دل میں سمو کر اس کے ڈنکا ہونے کا اعلان کر دیتا ہے۔ جب ساروں کی عادت ہے دلوں اور سینوں کو گھیرے سے گھرا کر لیں تو ایسے احوال ضرور پیش آنے چاہییں، گند والوں کا گند کھل جائے۔ خوشبو والوں کی خوشبو ہواؤں فضاؤں میں تیرنے لگ جائے اور ڈر والوں کا ڈر کھل جائے۔ اُحد میں ایسا ہی کچھ ہوا، نفاق والوں کا نفاق کھل گیا، ڈر والوں کا خوف بے نقاب ہو گیا اور عشق والوں کا عشق لہو رنگ ہو کر عشق کا سکہ منوا گیا۔ کچھ کلیجے چباتے رہے اور کچھ انسانیت بچاتے رہے۔ ربّ فرماتا ہے: جو کچھ تھا ہم نے آزما کر اسے کھول دیا اور یہ سب کچھ اصلاح کے لیے تھا تاکہ انسانوں کے بڑا بننے کا سفر رک نہ جائے، ابتلا چھوٹا کرنے کے لیے نہیں ہوتی، بڑا اور خوبصورت بنانے کے لیے ہوتی ہے''۔ راغب نے تمحیص اور ابتلا کا معنیٰ یہی لکھا کہ اُحد میں یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ دلوں کو وسوسوں اور شبہات سے پاک اور صاف بنا دیا جائے (536)۔

آیت کا آخری جملہ جمالیاتی اور دعوتی ہے کہ اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے یعنی کوئی شخص اس مغالطے میں نہ رہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے چھپا رہ سکتا ہے، عقیدہ صحیح کر لیا جائے تو اصلاح بھی ممکن ہو جاتی ہے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّہُمُ الشَّیۡطٰنُ
بِبَعۡضِ مَا کَسَبُوۡا ۚ وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰہُ عَنۡہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع
یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِہِمۡ
اِذَا ضَرَبُوۡا فِی الۡاَرۡضِ اَوۡ کَانُوۡا غُزًّی لَّوۡ کَانُوۡا عِنۡدَنَا مَا مَاتُوۡا وَ
مَا قُتِلُوۡا ۚ لِیَجۡعَلَ اللّٰہُ ذٰلِکَ حَسۡرَۃً فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ ؕ وَ اللّٰہُ یُحۡیٖ وَ
یُمِیۡتُ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۱۵۶﴾

(155) بے شک وہ لوگ جنہوں نے تم میں سے رُخ پھیرا جس دن کہ دونوں فوجیں ملی تھیں انہیں شیطان ہی نے متزلزل کیا جس کا باعث بعض وہ چیزیں تھیں جو انہوں نے کمائیں اور بلاشبہ اللہ نے ان سے درگزر فرمایا یقیناً اللہ بہت بخشنے والا نہایت درگزر فرمانے والا ہے

(156) اے ایمان والو! نہ ہو جانا ان لوگوں کی طرح جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں کی نسبت کہا جب وہ زمین میں سفر کے لیے گئے یا جہاد کے لیے نکلے اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے یہ اس لیے ہے کہ اللہ ان کے دلوں میں حسرت ڈالے اور اللہ ہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور اللہ جو بھی تم کرتے ہو اسے دیکھ رہا ہے

مفردات

اِنَّ: بے شک
الَّذِيْنَ: جو لوگ
تَوَلَّوْا: پھر گئے
مِنْكُمْ: تم میں سے
يَوْمَ: دن
الْتَقَى: ملنا
الْجَمْعٰنِ: دو لشکر
اِنَّمَا: نہیں سوائے اس کے
اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ: انہیں شیطان نے پھسلا دیا
بِبَعْضِ: بعض اس کی وجہ سے
مَا: جو
كَسَبُوْا: انہوں نے کمایا
وَلَقَدْ: اور بے شک
عَفَا: معاف کر دیا
اللّٰهُ: اللہ نے
عَنْهُمْ: ان کے مرتکبات سے
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
غَفُوْرٌ: بہت زیادہ بخشش فرمانے والا
حَلِيْمٌ: بردبار، عاقبت کو دیکھتے ہوئے چشم پوشی کر دینے والی ہستی

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے تم میں سے رُخ پھیرا جس دن کہ دونوں فوجیں ملی تھیں انہیں شیطان ہی نے متزلزل کیا جس کا باعث بعض وہ چیزیں تھیں جو انہوں نے کمائیں اور بلاشبہ اللہ نے ان سے درگزر فرمایا یقیناً اللہ بہت بخشنے والا نہایت درگزر فرمانے والا ہے''۔

قرآن مجید پہلے دور کے ایک مغفور گروہ کو قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے بطور سبق پیش کر رہا ہے۔ بڑے فیصلوں اور اقدامات کی راہ میں غلطیوں کا رسک لینے ہی سے کردار چمک سکتے ہیں۔

سورۂ آل عمران کی اس آیت میں احد کی گھاٹی پر متعین تیر اندازوں کا دستہ موضوعِ سخن بن رہا ہے کہ ان کے بعض اراکین کے دل میں مالِ غنیمت کی چمک لپک گئی۔ شاید مالِ غنیمت کی لالچ بھی لغزش نہ ہوتی۔ اصل میں گرفت اس پر ہوئی کہ دل میں یہ خیال آیا ہی کیوں کہ رسول معظم ﷺ ان لوگوں کا حصہ نہیں دیں گے۔ مشکل وقت میں قیادت کا حکم نہ ماننا جماعتوں کو منزل اور وقار دونوں سے محروم کر دیتا ہے۔ نفسیاتی ہیجان کے ایسے لرزہ فگن مواقع پر اکثر ایسے ہی ہوتا ہے کہ اللہ سے رابطہ کمزور پڑ جانے کی وجہ سے خود پر قابو نہیں رہتا اور یوں شخصی اور روحانی توازن ختم ہو جاتا ہے۔ وسوسے حملہ کرنے لگ جاتے ہیں اور شیطان بھی ایسے ہی موقع سے فائدہ اٹھا کر خلجان سے اعتماد و ایمان کی فضا کو مکدر کرنے کے لیے اپنی فوج بڑھا دیتا ہے اور اپنی دسیسہ کاری سے نفوس کے اندر سرایت کر جاتا ہے اور شیطانیوں کے ایسے میزائل مارتا ہے کہ شخصیتیں تباہ ہو جاتی ہیں۔

آیت میں دو فوجوں کے ملنے سے مراد اُحد میں ابوسفیان کی فوج اور لشکر کا رسول معظم ﷺ کے غلاموں کے مقابلہ میں آ جانا ہے۔ تیر اندازوں کے دستہ پر شیطانی حملہ ''اِستزل'' سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا مفہوم پاؤں کا بغیر قصد کے پھسل جانا ہوتا ہے۔

آیت میں تیسری اور اہم چیز عام معافی کا اعلان ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات توحید میں اس کا غفور اور حلیم ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا سہارا لے کر ان لوگوں کو بھی اس کی بخشش سے مستفید ہو جانا چاہیے جو دین میں حجت بازیوں سے باز نہیں آتے۔

اللہ! ہم سب کو معاف فرمائے اور اسلام کو قوت بخشے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١٥٦﴾

''اے ایمان والو! نہ ہو جانا ان لوگوں کی طرح جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں کی نسبت کہا جب وہ زمین میں سفر کے لیے گئے یا جہاد کے لیے نکلے اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے یہ اس لیے ہے کہ اللہ ان کے دلوں میں حسرت ڈالے اور اللہ ہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور اللہ جو بھی تم کرتے ہو اسے دیکھ رہا ہے''۔

آیت کا آغاز بتاتا ہے کہ سرنامۂ کلام ایمان والے ہیں، یہاں ایمان والوں ہی سے خطاب ہے اور انہی کی روحانی زندگی کا استحکام مقصود ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ مادی زندگی کے مقاصد، نشانیاں اور نتائج کھل کر بیان کر دیے گئے ہیں۔ اصل میں ہوا یہ تھا کہ غزوۂ اُحد ابھی شروع بھی نہیں ہوا تھا کہ منافقین نے اپنا راستہ جدا کر لیا تھا اور مشرکین بھی اچھی باتیں اور اچھے تبصرے اور اچھے خیالات کا اظہار کرنے سے محروم تھے۔ ایک مشکل یہ بھی تھی کہ قرابت داریاں اور رشتہ داریاں تھیں اس لیے مدینہ میں ہونے والی چہ مگوئیوں سے یکسر علیحدگی ممکن نہیں تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی مشرکین، کافرین اور منافقین کی رکیک باتیں مسلمانوں کے کانوں میں پڑ جاتی تھیں۔ ایسے ماحول میں اس آیت نے ایمان والوں کی تربیت کی، تم لوگ سوچوں کے اختیار کرنے میں ہرگز وہ روش اختیار نہ کرو جو کافروں اور منکرین کی ہے۔ وہ لوگ تو مسلم معاشرہ کو ادھیڑنا چاہتے ہیں۔ وہ تو مدینہ کی فضا کو مایوسیوں کے زہر سے مسموم بنانے کے دلدادہ ہو چکے ہیں۔ وہ گلاب کی شاخ سے پھول حاصل کرنے کی محبت نہیں رکھتے۔ انہیں شاخِ گل سے بھی خارچینی ہی کا مزہ لینا ہوتا ہے۔ ان کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ مسلمان کسی سفر پر نکلیں یا جہاد کے لیے کوچ کریں کافر منافق ہی بحث کرتے ہیں کہ یہ لوگ اگر ہمارے پاس ہوتے تو مرتے نہ، ان کی اس مذموم فکر سے مسلمانوں کو عقیدۂ راسخہ، ایمان اور یقین صحرا برد نہیں کر دینا چاہیے زندگی اور موت سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ کافرانہ زندگی ''اے کاش، ہائے افسوس'' اور حسرتوں ہی میں گزر جاتی ہے جبکہ مومنانہ طرزِ فکر تقدیر کے رازوں سے بھی اور تدبیر کی منفعتوں سے بھی آگاہی رکھتا ہے۔ شبہات آفرینی کے محرکین آوارہ شیاطین کی طرح لوگوں کے دلوں میں حسرتیں پیدا کرتے رہتے ہیں، یہ اس لیے ہوتا ہے کہ بامقصد زندگی گزارنے والے ذاکرین، طالبین، سالکین اور عاشقین زندگی کی شمعیں روشنی کے

مفردات

يٰٓاَ: اے
يُّهَا: وہ
الَّذِيْنَ: لوگو جو
اٰمَنُوْا: ایمان لائے ہو
لَا: نہ
تَكُوْنُوْا: ہو جاؤ
كَالَّذِيْنَ: ان کی طرح
كَفَرُوْا: جو کافر ہو گئے
وَقَالُوْا: اور کہا انہوں نے
لِاِخْوَانِهِمْ: اپنے بھائیوں سے
اِذَا: جب
ضَرَبُوْا: وہ نکلے
فِي الْاَرْضِ: زمین میں
اَوْ: یا
كَانُوْا: تھے
غُزًّى: لڑتے
لَّوْ: اگر
كَانُوْا: ہوتے وہ
عِنْدَنَا: ہمارے پاس
مَا مَاتُوْا: وہ نہ مرتے
وَمَا: اور نہ
قُتِلُوْا: وہ قتل ہوتے
لِيَجْعَلَ: تاکہ کرے وہ
اللّٰهُ: اللہ
ذٰلِكَ: اس چیز کو
حَسْرَةً: حسرت
فِيْ: بیچ
قُلُوْبِهِمْ: ان کے دلوں

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ
مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾
وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾
فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا
مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا
عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

(157) اور بے شک اگر تم اللہ کی راہ میں شہید کر دیے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں

(158) اور اگر تم مرو یا تم مارے جاؤ اس میں کیا شک ہے کہ تم سب اللہ ہی کی طرف اکٹھے ہو گے

(159) تو یہ کیسی اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم ہوئے ہیں اور اگر آپ کی طبیعت اور دل میں سختی ہوتی تو وہ ضرور آپ کے ماحول سے منتشر ہو جاتے سو آپ انہیں معاف فرما دیں اور ان کے لیے طلب مغفرت فرمائیں اور مختلف امور میں ان سے مشورہ لیں اور جب کسی بات کا پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر ہی توکّل رکھیں، بے شک توکّل کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے

مفردات

وَلَئِنْ: اور اگر
قُتِلْتُمْ: تم قتل کر دیے گئے
فِيْ: میں
سَبِيْلِ: راہ
اللّٰهِ: اللہ
اَوْ: یا
مُتُّمْ: مر گئے تم
لَمَغْفِرَةٌ: تو بخشش
مِّنَ: سے
اللّٰهِ: اللہ
وَرَحْمَةٌ: اور رحمت
خَيْرٌ: بہتر ہے
مِّمَّا: اس سے
يَجْمَعُوْنَ: جو وہ جمع کرتے ہیں
وَلَئِنْ: اور اگر
مُّتُّمْ: مرو
اَوْ: یا
قُتِلْتُمْ: مارے جاؤ
لَاِلَى: ضرور کی طرف
اللّٰهِ: اللہ
تُحْشَرُوْنَ: محشور ہو گے، جمع ہو گے

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

''اور بے شک اگر تم اللہ کی راہ میں شہید کر دیے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مرو یا تم مارے جاؤ اس میں کیا شک ہے کہ تم سب اللہ ہی کی طرف اکٹھے ہو گے''۔

عام طور پر اس فانی دنیا میں کامیاب زندگی کا مدار اس بات کو سمجھا جاتا ہے کہ دنیا کے خزانے سمیٹ لیے جائیں، دولت اکٹھی کر لی جائے اور افرادی قوت جمع کر لی جائے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب کچھ باقی رہنے کا اعزاز بن سکتا ہے، ہرگز نہیں۔ یہ سب کچھ اگر زمین آسمان کی بھی قیمت رکھتا ہو، فانی ہے لیکن اللہ کی راہ میں شہادت پا جانا یا عام موت آ جانا لیکن مغفرت اور رحمت کا یقینی ہو جانا، قرآن کہتا ہے اُخروی نعمتیں اندوختہ مال وزر سے بہتر ہیں۔

علامہ فخر الدین رازی کا تحقیقی مزاج خوشبو نوازی کے لیے بے تاب ہو رہا ہے۔ سیماب نظری ملاحظہ ہو(538):

> ''زر اندوزی کے پرستاروں کو سمجھنا چاہئے کہ ''مغفرة، رحمة اور خیر'' سب پر تنوین ہے۔ مبتدا پر تنوین تقلیل کے لیے ہے اور خبر پر تنوین تفخیم کے لیے ہے، معنیٰ یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے بخشش اور رحمت تھوڑی سی بھی ہو تو دنیا و مافیہا جو لوگ جمع کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے''۔

علامہ رازی نے یہ لکھا کہ ''يَجْمَعُوْنَ'' میں جمع کرنے کی نسبت منافقین کی طرف ہے۔ معنیٰ یہ ہے کہ مومن اور منافق کا آپس میں کیا مقابلہ ہے۔ کرگس کے جہاں اور شاہین کے جہاں میں جنت دوزخ کا فرق ہے(539)۔

زیر تفسیر دوسری آیت کی تعبیرات میں رازی کے استخراجات نقل کیے جاتے ہیں، آپ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں(540):

> ''اگر تم نے جہاد چھوڑ دیا اور اپنے گمان کے مطابق یہ سمجھا

کہ تم نے اپنے آپ کو قتل ہونے یا مرنے سے بچالیا ہے تو یقین کرو تمہاری سوچ عبث ٹھہری۔ اس بات کو دل میں پختہ کرلو کہ تم نے دنیا میں تھوڑا سا وقت ہی رہنا ہے اور دنیا کی گھٹیا لذتیں پائیدار نہیں ہیں۔ تم نے ہر حالت میں دنیا کو چھوڑ جانا ہے، تمہاری مرغوبات چیزیں کسی اور کا سرمایہ بن جائیں گی۔ دنیا تو بس اسی چیز کا نام ہے، ہاں اگر تم نے جان اللہ کی راہ میں لگا دی تو یقین کرلو کہ تم نے اللہ کا قرب حاصل کرلیا، اکٹھا تو تم سب نے بہر حال اللہ ہی کے پاس ہونا ہے''۔

رازی کی چند دقیق باتیں

پہلی بات

''لَاۤ اِلَی اللّٰہِ'' کے پہلے ذکر کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی صرف اللہ ہی کی طرف تمہیں اٹھایا جانا ہے کسی اور کی طرف نہیں، اس میں یہ دلالت بھی موجود ہے کہ قیامت کے دن حاکم اللہ ہی ہوگا اللہ کے سوا کوئی نفع پہنچانے والا نہیں ہوگا۔

دوسری بات

آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء میں سے اسم ''اللّٰہِ'' ارشاد فرمایا ہے، یہ پاک نام اسم اعظم ہے۔ یہ اسلوب اللہ کے کمالِ رحمت اور کمال قہر پر دلالت کرنے والا ہے۔

تیسری بات

اس آیۂ کریمہ میں اسم ''اللّٰہِ'' پر لام تاکید داخل کیا گیا ہے۔ یہ اسلوب اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی ''الوہیت'' کا تقاضا حشر ونشر کا قیام ہے۔

چوتھی بات

''تُحْشَرُوْنَ'' مضارع مجہول کا صیغہ ہے جس میں فاعل صراحۃً مذکور نہیں ہے۔ اس سے ثابت یہ ہو رہا ہے کہ حشر قائم کرنے والا فاعل اللہ ہی ہے۔ صراحۃً مذکور نہ ہونا اس کے کبیر اور عظیم ہونے کی دلیل ہے یعنی عقلاً فاعل امور کا وہی ہے، اس کی عظمت اور کبریائی پر عقلیں خود ہی شہادت مہیا کر رہی ہیں۔

جاتے لیکن یہ اللہ کی طرف سے ظہورِ رحمت ہی تھا کہ انہیں معاف کر دیا گیا۔فہم کا ایک انداز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آیت کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مطلق شہامت انگیز برہان تسلیم کرلیا جائے کہ جو ''رہبر اور رہنما'' لوگوں کو ساتھ رکھنے کا خلق عظیم ایسے موقعوں پر ظاہر کرتا ہے عام حالات میں وہ کتنے اکرم واشرف اور الین واخلق اور اجود واشجع ہوں گے اور ان کے کریم ہونے کی روشن کرنیں کیسے کیسے جلوے اور رنگ بکھیرتی ہوں گی۔عفو ودرگزر ایک دوسری چیز ہے لیّن ہونا معاملات میں سخت گیری کی بجائے نرمی اور سہولت اختیار کرنا ہے۔دیکھا جائے تو تلطف اور رفق ہی حسنِ اخلاق کی جڑ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس حقیقت سے یوں آگاہ فرمایا(543):

''نرمی جس چیز میں ہو اس کو زینت دیتی ہے اور نرمی جہاں
ختم کردی جاتی ہے وہاں بدنمائی آجاتی ہے''(544)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ارشاد ہے(545):

''جو نرمی سے محروم رہا وہ بھلائی سے محروم رہا''۔

رسول انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی اخلاقی فضیلت کو یوں بیان فرمایا(546):

''کیا میں تمہیں اس شخص کے بارے میں باخبر نہ کروں
کہ کون شخص آگ پر حرام ہے اور آگ کس پر حرام ہے؟
وہ شخص جو لوگوں سے قریب ہو سہولت اور نرمی برتنے والا
ہو اور آسانیاں رکھے''۔

نفحۂ سیرت کی تازہ مہک

آیت میں کہا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''**فظ**'' نہیں تھے، اس لفظ کا معنیٰ کیا ہے؟

تاج العروس نے لکھا کہ ایسی گفتگو جو فاصلوں میں اضافہ کردے(547)۔راغب نے لکھا کہ لہجے کی ناخوشگواری ''**فظ**'' کہلاتی ہے(548)۔ابن منظور نے کہا کہ خشونت کلامی ''**فظاظت**'' ہوتی ہے(549)۔التحقیق نے یہ بھی لکھا کہ اونٹ کو پانی پلا کر پھر اس کا منہ بند کر دینا ''**فظاظ**'' ہے۔اس سے ایسا کلام بھی ''**فظاظت**'' کہلانے لگ گیا جس سے متکلم کے شوخا اور بے رخ ہونے کا پتہ چلے، یہ بدخلقی کی ایک قسم ہے۔ائمہ لغت نے یہ بھی لکھا کہ لوگوں پر لعنت کرنے والا شخص ''**فظیظ**'' ہوتا ہے (550)۔ایسا تلخ اور کڑوا پانی جو پینے والا گھونٹ بھرتے ہی تھوک دے ''**فظظ**'' ہوتا ہے۔اس مناسبت سے کڑوا کلام جو تلخیاں جنم دے ''**فظاظت**'' کہلاتا ہے(551)۔

علامہ رشید رضا نے لکھا ''فظ'' اس کھردرے آدمی کو کہہ دیتے ہیں جس کے کلام میں پانچ بُری صفتیں ہوں:

1۔ شرامت: کلام میں ادب اور کسی کی تکریم کا خیال نہ رکھنا۔

2۔ خشونت: ایسی گفتگو کرنا جس سے سننے والا غصہ کھا کر بھڑک جائے، ایسی باتیں کرنا جو مجلسی آداب کے خلاف ہوں۔

3۔ قساوت: ایسا کلام جس میں مستحق آدمی پر ترس اور رحم موجود نہ ہو۔

4۔ غلظ یا مغالظت: درشت کلامی اور بدتمیزی ہوتی ہے۔

5۔ منافرت: ایسی باتیں کرنا جن سے نفرتیں پیدا ہوں۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں فظاظت نہیں تھی بلکہ آپ کی باتیں میٹھی، شیریں، حلاوت انگیز اور دلوں کو ٹھنڈا کرنے والی ہوتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فطری طور پر فصاحت اور بلاغت کے بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ تکلف بالکل بھی نہیں فرماتے تھے۔ آپ کے لہجے میں مصنوعیت بالکل بھی نہیں تھی۔ بزرگوں نے یہ بات بالکل بجا لکھی کہ آپ کا کلام میٹھا اور شیریں ہوتا۔ آپ کو ''جوامع الکلم'' کی فضیلتیں میسر تھیں۔ پڑھے لکھے اور ان پڑھ سبھی لوگ آپ کے اعجاز نطق کے گرویدہ تھے۔ آپ کی زبان میں فصاحت کاملہ تھی۔ موزوں الفاظ کی برجستگی کلامی تاثیر کا آب حیات کا چشمہ محسوس ہوتا تھا۔ لفظوں میں صحتِ معانی کا مکمل لحاظ ہوتا تھا۔ آپ خود ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میرے ربّ نے مجھے تعلیم دی اور پرورش میں نے بنی سعد میں پائی، اس پر مستزاد ہاشمی ہونے کا اعزاز بھی آپ رکھتے تھے۔ نطق کی مٹھاس اور حلاوت مُطَّلبی تھی، جو بات سنتا وہی گرفتار عشق ہو جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ ایک قوم کے پاس سے گزرے وہ لوگ تفریحاً ایک دوسرے پر پتھر پھینک رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کچھ نہ کہا مسکرا کر گزر گئے۔ ایک صحابی عرض کرنے لگے اگر آپ جھڑک دیتے تو بہتر ہوتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> ''اللہ نے مجھے آسانیاں پیدا کرنے کے لیے مبعوث کیا ہے لوگوں پر پابندیاں عائد کر کے متنفر کرنے کے لیے نہیں بھیجا'' (553)۔

علمائے نفسیات کا اس پر اتفاق ہے کہ زبان میں خشونت اور سختی رکھنے والے شخص کے گرداگرد حلقۂ محبت قائم نہیں ہو سکتا۔ قرآن نے اس آیت میں یہی کہا کہ محبوب آپ اگر سخت دل اور درشت کلام ہوتے

''مَنَّ'' اور آئینہ سیرت کی شفافیت

- پہلا نکتہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے: ''اور ہم نے تم پر من اور سلویٰ اتارا'' اس اعتبار سے آسمان سے اترا ہوا غیبی رزق ''مَنَّ'' ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانی قیادت کا وصف لابدی بیان ہوا کہ آپ کی ہر بات آسمانی تھی یعنی اللہ کی طرف سے تھی۔ آپ کوئی بات بھی اپنی مرضی سے نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ کی مرضی سے کرتے تھے۔
- دوسرا نکتہ یہ ہے کہ علامہ آلوسی نے روح المعانی میں لکھا کہ ''مَنَّ، یمن'' کا معنیٰ قطع کر دینا اور کاٹ دینا ہوتا ہے۔ اس سے اشارہ اس طرف کر دیا گیا کہ آپ پر نبوت ختم کر دی گئی۔ آپ آخری نبی اور رسول ہیں آپ کے بعد کسی نبی اور رسول کی بعثت نہیں ہو سکتی۔
- تیسرا نکتہ یہ ہے کہ سورۃ الحجرات کے اندر ''یَمُنُّوْنَ'' کا لفظ احسان جتانے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احسان عظیم ہونے پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان جتایا ہے۔ یہ اس لیے کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ یہ نعمت چھوٹی نہیں عظیم ہے۔ اس کی بے قدری انہیں خسارۂ عظیم سے دوچار کر دے گی۔
- چوتھا نکتہ یہ ہے کہ ''مَنَّ'' میٹھے حلوے کے لیے قرآن حکیم نے استعمال فرمایا ہے۔ اس سے اشارہ اس طرف کرنا مقصود ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت جہاں شگفتہ تھی وہاں اس میں مٹھاس اور شیرینی تھی، آپ کی ہر بات میں حلاوت ہوتی تھی۔
- پانچواں نکتہ یہ ہے کہ ''مَنَّ'' اس احسان اور وفورِ نعمت کے لیے استعمال ہونے والا لفظ ہے جس کے حاصل کرنے میں کسی قسم کی محنت اور مشقت نہ اٹھائی جائے بلکہ بلا معاوضہ کوئی چیز عطا کر دی جائے۔ اس میں سیرت کا نکتہ یہ مضمر ہے کہ اللہ نے تم لوگوں سے کوئی اجر یا معاوضہ تھوڑا ہی لیا ہے بلکہ تمہارے بخت اور تقدیریں اُجالنے کے لیے ایسا رسول عطا کیا ہے جو سراپائے رحمت ہیں اور تم سے مشقتیں دور کرنے کے لیے کرم کا سمندر بنے رہتے ہیں۔
- چھٹا نکتہ یہ ہے کہ باٹوں اور پیمانوں میں ایک باٹ ''مَنَّ'' ہوتا ہے۔ عام طور پر عرب جس چیز کو وسیع اور لامحدود کر کے بیان کرنا چاہیں اس کے لیے ''مَنَّ'' لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اس سے سیرت کے اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ تم لوگ میرے محبوب کا مقام اور فضیلت کما حقہ نہیں جان سکتے۔ اس میں اتنی وسعت ہے کہ ''غالب ثنائے

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ
يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾
وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ
تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾
اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ
جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾
هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

(160) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی ہے ہی نہیں جو تم پر غالب آئے اور اگر وہی تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے اور مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے

(161) اور کسی نبی کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ کچھ چھپا کر رکھے اور جو شخص کچھ چھپاتا ہے تو قیامت کے دن جو بھی چھپایا ہوگا اسے لے آئے گا پھر پورے کا پورا دیا جائے گا جو کسی نے کمایا ہوگا اور ان پر ظلم نہ ہوگا

(162) کیا ایسا شخص جو اللہ کی مرضی کا تابع ہوا اس جیسا ہوگا جسے اللہ کے غضب نے گھیر لیا ہو اور اس کا ٹھکانہ جہنّم ہے اور لوٹ کر جانے کے لیے بہت بُری جا ہے

(163) یہ لوگ اللہ کے ہاں مختلف درجوں میں ہوں گے اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے اسے جو وہ کرتے ہیں

مفردات

اِنْ: اگر
يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ: اللہ مدد کرے تمہاری
فَلَا: تو نہیں کوئی
غَالِبَ: غلبے والا
لَكُمْ: تم پر
وَاِنْ: اور اگر
يَّخْذُلْكُمْ: وہ تمہیں شکست کی شرمندگی دے
فَمَنْ: تو کون ہے؟
ذَا الَّذِيْ: وہ جو
يَنْصُرُكُمْ: مدد کرے تمہاری
مِّنْۢ: سے
بَعْدِهٖ: اس کے بعد
وَعَلَى: اور پر
اللّٰهِ: اللہ
فَلْيَتَوَكَّلِ: توکل کرنا چاہیے
الْمُؤْمِنُوْنَ: ایمان والوں کو

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

''اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی ہے ہی نہیں جو تم پر غالب آئے اور اگر وہی تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے اور مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے''۔

وہ لوگ جو نبوت کی دہلیز پر پہنچ کر بھی ذاتی مفادات کی شمعیں روشن کرنا تقدس مآب کام تصور کرتے ہیں اور خیر کا چشمہ اپنی ہی ذات کو تصور کرتے ہیں اور فطری نتائج جو بشری زندگی کا ''لابدی'' حصہ ہوتے ہیں ان میں نقصانات دیکھ کر طعنے دیتے ہیں کہ ہماری رائے پر اگر عمل ہوتا تو شکست نہ ہوتی اور ہماری رائے کو اگر اہمیت دے دی جاتی تو یہ خاک نہ چھنتی، ایسے کمزور اور ذہنی مریض لوگوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ فتح وظفر کا مصدر اللہ ہے، اس کی مدد کے بغیر کون ہے جو کامیابیوں کا دروازہ اپنے حیلوں سے کھول سکے۔ اس کی مدد کا انعام پانے والوں پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اگر وہی کسی کو ذلیل کر دے تو مدد کا جہاں مسخر نہیں کیا جا سکتا کسی کے مشورے، رائے اور کوشش کے جہاں کو تسخیر کا وارث نہیں مانا جا سکتا۔ اللہ پر توکل ہی وہ مضبوط قلعہ ہے جس میں مومن پناہ گزیں ہو سکتا ہے۔

توکل کیا ہے؟

مفسرین نے لکھا یہ اللہ سے التجا ہے (554)۔ سیدی ابو الحسنات لکھتے ہیں کہ روزی کی نفسانی خواہش کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی سے بچنا توکل ہے (555)۔

یہ بھی کہا گیا کہ ہر معاملے میں اللہ پر بھروسہ اور اعتماد کر کے اسی کو معین حقیقی جاننا توکل ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اگر اللہ پر توکل کرو تو وہ تمہیں تمہاری محنت کے بغیر روزی سے نوازے جیسے وہ ان پرندوں کو نوازتا ہے جو صبح بھوکے پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کے واپس آتے ہیں (556)۔

آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے کہ میری اُمت کے ستر ہزار آدمی بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ عرض کی گئی وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ لوگ جو نہ داغ لگواتے ہیں، نہ منتروں میں پڑتے ہیں، نہ بدفالی کو یقین میں اتارتے ہیں بلکہ اللہ پر ہی توکل کرتے ہیں'' (557)۔

اللہ اکبر!!! اللہ اکبر!!!

مفردات

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

''اور کسی نبی کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ کچھ چھپا کر رکھے اور جو شخص کچھ چھپاتا ہے تو قیامت کے دن جو بھی چھپایا ہوگا اسے لے آئے گا پھر پورے کا پورا دیا جائے گا جو کسی نے کمایا ہوگا اور ان پر ظلم نہ ہوگا''۔

قرآن مجید کی یہ آیت ہر قسم کی غلامی کے خلاف انسان میں آزادی، حفاظت، انتخاب، محبت، حقیقت کی تلاش اور مقام نبوت کی پہچان کے لیے تڑپ اور فکر صحیح پیدا کرتی ہے۔ ردّی تصورات، منطقی کہانیوں اور فلسفیانہ یبوست اور اقتصادی حربے کوئی معنیٰ نہیں رکھتے، اگر آپ کو ایک جابر نظام نے گھیر رکھا ہے اور کافرانہ طلسمات نے آپ کو اپنے محاصرے میں لیا ہوا ہے، تو اٹھو! پہلے غلامی کے سنگل اور زنجیروں کو توڑو اور قرآن حکیم کی تلاوت سیکھو، یہ الوہی تحفہ اور ہدیہ تمہیں کارآمد انسان بنا دے گا۔

یہ کلمہ نور ہے

آیت میں ایک لفظ ''یَّغُلَّ'' استعمال ہوا ہے۔ یہ پیاز کا چھلکا نہیں قرآنی نظم اور نورانی لفظ ہے۔ اس کے اندر جو فہم اور حرکت سیماب کی طرح تڑپ رہی ہے وہ عمود تفسیر ہے۔ پہلے آئینۂ کلمات میں جھانک کر ہم لفظی حسن کا سراغ لگاتے ہیں۔ تاج نے لکھا کہ ''غلالہ'' اس کپڑے کو کہتے ہیں جو نظر آنے والے لباس کے نیچے پہنا جائے (558) بنیان وغیرہ ''غلالہ'' ہوگی، اسی طرح وہ پانی جو زمین میں جذب ہو کر درخت کی جڑوں میں رواں ہو جائے اور درخت کی ایک ایک شاخ بلکہ درخت کا ہر برگ وگل وہ پانی پی لے اسے ''غلل'' کہہ دیا جاتا ہے۔ لسان نے لکھا کہ کسی چیز میں خلل واقع ہونا ''تغلل'' کہلاتا ہے (559)۔

قرآن مجید نے ''اغلال'' زنجیروں اور سنگلوں کو بھی کہا ہے۔ رازی نے لکھا ''غلول'' کا معنیٰ خیانت بھی ہوتا ہے۔ ابن کثیر اور عاصم نے آیت میں ''یَّغُلَّ'' کی دو قرأتیں نقل کی ہیں: ایک میں ''یا'' پر فتحہ ہے اور ''غین'' پر ضمہ ہے اور دوسری میں ''یا'' پر ضمہ ہے اور ''غین'' پر فتحہ ہے۔ پہلی صورت میں معنیٰ ہوگا ''ما کان للنبی ان یخون'' نبی کی شان کے یہ لائق ہی نہیں کہ وہ خیانت کرے اور دوسری صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ نبی کی شان کے لائق ہی نہیں کہ نبی کی خیانت کی جائے اور وہ خاموش رہے معنوی ترکیب یہ ہوگی (560):

ما کان للنبی ان یخان

وَ: اور
مَا: نہیں
كَانَ: ہے، ہوسکتا
لِنَبِيٍّ: کسی نبی کے لیے
اَنْ: یہ کہ
يَّغُلَّ: وہ منافی امانت کوئی کام کرے
وَمَنْ: اور جو
يَّغْلُلْ: بددیانتی کرتا ہے
يَاْتِ: لائے گا
بِمَا: جو کہ
غَلَّ: اس نے خیانت کی
يَوْمَ: دن
الْقِيٰمَةِ: بروز محشر
ثُمَّ: پھر
تُوَفّٰى: پورا دیا جائے گا
كُلُّ: ہر ایک
نَفْسٍ: جان کو
مَّا: جو
كَسَبَتْ: اس نے کمایا ہوگا
وَهُمْ: اور وہ
لَا: نہ
يُظْلَمُوْنَ: ظلم کیے جائیں گے

کا قرینہ پیدا کیا جا رہا ہے کہ یہ نہیں ہوسکتا وہ لوگ جو اپنے کردار اور عمل سے خود کو اللہ کے غضب کا مستحق کر لیں ان لوگوں کے برابر ہو جائیں جو ہمہ وقت اللہ کی خوشی اور مرضی میں ڈوبے رہتے ہیں۔ علامہ رازی نے یہ بات اچھی لکھی کہ آیۂ کریمہ اگرچہ ایک خاص واقعہ کے تناظر میں پیدا ہوئی لیکن فہم قرآن کا یہ مستقل ضابطہ ہے کہ خصوصی اسباب کی وجہ سے عموم الفاظ باطل نہیں ہوتے (567)۔

آیت میں قابل غور چیز ایک عملی فیصلہ ہے کہ زندگی کیسے گزارنی چاہیے؟ مالک کو راضی کر کے یا ناراض کر کے۔ قرآن مجید جواب دیتا ہے کہ کامیاب شخص وہ ہوتا ہے جو اپنے شعور اور لاشعور دونوں کو مسلمان کر لیتا ہے اور یہ روحانی رویہ اس کی زندگی کی معراج بن جاتا ہے۔ اس نے دوزخ کی آتشِ سوزاں سے بچنا ہے اور اس مقام کو برا جاننا ہے۔

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

''یہ لوگ اللہ کے ہاں مختلف درجوں میں ہوں گے اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے اسے جو وہ کرتے ہیں''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں خواجہ حسن بصری کا مؤقف ہے کہ ''دَرَجٰتٌ'' سے مراد عام ہے یعنی نیک لوگوں اور بُرے لوگوں کے درجات مختلف ہیں۔ ابوعبیدہ اور کسائی کے نزدیک ''دَرَجٰتٌ'' سے مراد منازل آخرت ہیں یعنی لوگ آخرت میں درجہ بدرجہ ہوں گے۔ نیک لوگوں کے مقامات اعلیٰ ہوں گے اور پھر نیکوں کے درجات میں بھی فرق ہوگا۔ بُرے لوگوں کے عذاب میں بھی تقسیم ہوگی، کسی کو کم اور کسی کو زیادہ ہوگا۔ تفسیر خازن نے لکھا کہ ''دَرَجٰتٌ'' کا لفظ ثواب والوں کے لیے ہوتا ہے اور جہنم والوں کے لیے ''درکات'' لفظ استعمال ہوتا ہے (568)۔

مفسرین نے ''دَرَجٰتٌ'' کی وجوہ پر بھی گفتگو کی ہے:

- پہلی وجہ یہ لکھی گئی کہ ''عمر'' کا بھی درجات پر اثر پڑتا ہے۔ چھوٹے اور بڑے لوگ جب ثواب الاعمال میں برابر ہو جائیں گے تو ''کبیر السن'' کو بڑی عمر کا ہونا درجات میں بلندی بخشے گا۔
- دوسری وجہ ہمایوں گھڑیوں، پاکیزہ لمحات اور بابرکت ساعات میں عمل اور طلب درجوں میں اضافہ کا سبب بن جاتی ہیں، جیسے جمعہ، شب قدر، شب برأت اور عاشورہ کے دنوں کی عبادت ہے۔
- تیسری وجہ جگہوں، مقامات اور اشرف مکانات عبادات کے اثرات اور درجوں میں

مفردات

هُمْ: وہ
دَرَجٰتٌ: درجہ بدرجہ ہیں
عِنْدَ: نزدیک
اللّٰهِ: اللہ
وَاللّٰهُ: اور اللہ
بَصِيْرٌ: بہت زیادہ دیکھنے والا
بِمَا: اسے جو
يَعْمَلُوْنَ: وہ کرتے ہیں

اضافہ کا سبب بنتے ہیں، جیسے حرم کی نماز اور مسجد نبوی کی عبادت ہے۔

- خصوصی احوال بھی درجوں میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں مثلاً با جماعت نماز کا ثواب اکیلے نماز پڑھنے سے زیادہ ہوتا ہے۔
- پانچویں وجہ بعض اعمال کا بعض دوسرے اعمال سے افضل ہونا ہے۔
- چھٹی چیز نیات کا تفاوت اور اہتمام میں توجہ درجہ میں اضافہ کا سبب بن جاتی ہے(569)۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ
يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ
كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٦٤﴾
اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ
هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٦٥﴾
وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٦٦﴾

(164) بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ بڑی شان کے ساتھ اٹھایا ان ہی میں سے ایک رسول جو تلاوت کرتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے

(165) کیا ہے کہ جب تمہیں ایک مصیبت پہنچی جس کی دوگنا مصیبت تم پہنچا چکے، تو کہنے لگے یہ کدھر سے ہوئی؟ آپ فرمادو کہ وہ خود تمہاری طرف سے ہے بے شک اللہ ہر چاہی ہوئی چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے

(166) وہ مصیبت جو تمہیں پہنچی اس دن کہ دو فوجیں ملیں وہ اللہ کے حکم سے تھی اس لیے کہ وہ پہچان کرادے ایمان والوں کی

مفردات

لَقَدْ: بے شک
مَنَّ: احسان فرمایا
اللّٰهُ: اللہ نے
عَلَى: پر
الْمُؤْمِنِيْنَ: مومنوں
اِذْ: جب
بَعَثَ: بھیجا، مبعوث کیا
فِيْهِمْ: ان میں
رَسُوْلًا: ایک عظمت والا رسول
مِّنْ: سے
اَنْفُسِهِمْ: انہی میں سے
يَتْلُوْا: تلاوت کرتا ہے
عَلَيْهِمْ: ان پر
اٰيٰتِهٖ: اس کی آیتیں
وَيُزَكِّيْهِمْ: اور صاف ستھرا کرتا ہے
وَيُعَلِّمُهُمُ: اور تعلیم دیتا ہے انہیں
الْكِتٰبَ: کتاب
وَالْحِكْمَةَ: اور حکمت کی
وَاِنْ: اور اگرچہ
كَانُوْا: وہ تھے
مِنْ قَبْلُ: پہلے سے
لَفِيْ: میں
ضَلٰلٍ: گمراہی
مُّبِيْنٍ: کھلی

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

''بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ بڑی شان کے ساتھ اٹھایا ان ہی میں سے ایک رسول جو تلاوت کرتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے''۔

یہ آیۂ کریمہ رسول اکرم ﷺ کی شگفتہ سیرت اور بلند مقام کے جلوے بیان کرتی ہے۔ آیت کی معنویت اپنی جگہ لیکن معاشرہ پر رسول رحمت کی بعثت کی روح پرور تاثیرات کو جس اسلوب میں بیان کیا گیا ہے وہ قرآن ہی کا حصہ ہے۔ آپ ﷺ کی قائدانہ روحانیت اور صلاحیت اور اُمت کی تربیت میں آپ کا حکیمانہ اسلوب معجزانہ ہے۔ سیرت اور صورت کے منور پیکر کو کتنی اہمیت اور فضیلت بخشی گئی کہ عقائد راسخہ، اعمال حسنہ، عزائم مہمہ، نتائج عظیمہ اور مواعظ جلیلہ کی تاریخ کو محمد ﷺ کے وجود کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ آیت کا ایک ایک لفظ معارف کا سرچشمہ بنا کر قاریٔ قرآن کے سامنے عیاں کر دیا گیا کہ اب تمہیں خدا کی رحمتیں اور نعمتیں جب بھی درکار ہوں گی تمہیں اسی آبِ حیات کے چشمہ پر آنا ہوگا۔

ربط آیات

- گزشتہ آیات میں جہاد کی طرف رغبت دلائی گئی تھی، اس آیت میں جہاد کے لیے حضور ﷺ سے ربط روحانی اور سیرت شناسی کی اہمیت بیان کی گئی ہے (570)۔
- گزشتہ آیت میں رحمت عالم ﷺ کا بے عیب ہونا بیان کیا گیا، اب اس آیت میں لوگوں کو بے عیب بنا دینے والی سیرت بیان کر دی گئی (571)۔
- گزشتہ آیت میں حضور ﷺ پر لگائے گئے الزامات دور کیے گئے، اب اس آیت میں خوبیوں سے متصف ہونا بیان کیا گیا۔
- آیت میں حضور ﷺ کے اوصاف، فضائل، کمالات اور نعتیں نفیس طریقے سے بیان کر دی گئیں (572)۔
- گزشتہ آیت میں مسلمانوں کے درجات کا بیان ہوا، اب اس آیت میں درجات کا وسیلہ بتا دیا گیا (573)۔ واللہ اعلم

دلوں میں پیدا ہونے والے شبہات کا ازالہ فرمایا۔

- دوسرا یہ کہ مخلوق کو اپنے خالق کے حقوق کا عرفان ہو بھی جائے تو وہ خالق کا حق ادا کرنے کی کیفیت نہیں جانتی۔ یہ وضوح اور کیفیت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ ہی سے ممکن ہوا ہے۔
- تیسری وجہ یہ کہ مخلوق میں فطری سستی، کاہلی اور غفلت موجود ہوتی ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں کہ ترغیب وترہیب سے سستی دور کی۔
- چوتھی یہ کہ جیسے آنکھ کی روشنی خارجی نواہی سے کام کرتی ہے مخلوق کی عقلیں نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے صحیح ادراک کا کام کرسکتی ہیں۔

استدلال کے لطائف خمسہ

- استدلال کی پہلی لطیف اور روشن شعاع یہ ہے کہ قرآن حکیم نے آپ کی بعثت کے ساتھ ''اَنْفُسِهِمْ'' کی قید لگائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے شہر میں پیدا ہوئے، ان کے درمیان زندگی گزاری۔ آپ کی ولادت معروف قبیلے میں ہوئی اور آپ کے احوال وواقعات سے وہ لوگ ''موھوبا'' آگاہ رہے۔ آپ کے صدق اور امانت اور عفت اور پاکیزگی سے بچہ بچہ آگاہ رہا۔
- استدلال کی دوسری نورانی شعاع یہ رہی کہ وہ لوگ جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کے شاگرد نہیں رہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی کتاب نہیں پڑھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی سے درس نہ لیا۔ اس کے باوجود امم سابقین کے واقعات آپ نے نزول وحی کے بعد فرفر بیان کیے۔
- بلوغ عقل کی تیسری تابندہ شعاع یہ ہے کہ آپ کے سامنے مادی منفعتوں کے ڈھیر لگا دیے گئے لیکن آپ کسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہوئے بلکہ فقر ومصیبت پر قانع رہے اور جب آپ غالب آگئے تو پھر بھی دنیا اور مادیت کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔
- صداقت عقیدہ کی پائندہ شعاع جو استدلال میں چوتھی جہت بنتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید اور صفات توحید، عدل اور نفوذ عدل، قیامت اور عقیدۂ معاد اور عبادات اور طاعات کو مبسوط طریقے سے بیان کیا، یہ روشنی روز بروز بڑھی کم نہ ہوئی۔
- اس طرح پانچویں نورانی شعاع یہ ہے کہ آپ نے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو توجہ سے نوازا اور انہیں خیر اُمت بنا دیا اور علم وعبادت اور حکمت وعمل میں وہ قوم بنا دیا جو اگلوں پچھلوں سے افضل ٹھہرے (576)۔

وانہ لذکر لک ولقومک

اس پر خوشبوؤں کا چھڑکاؤ کرتی محسوس ہوئی۔

واللہ اعلم

اَوَلَمَّاۤ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَدۡ اَصَبۡتُمۡ مِّثۡلَيۡهَا ۙ قُلۡتُمۡ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۶۵﴾

''کیا ہے کہ جب تمہیں ایک مصیبت پہنچی جس کی دوگنا مصیبت تم پہنچا چکے، تو کہنے لگے یہ کدھر سے ہوئی؟ آپ فرمادو کہ وہ خود تمہاری طرف سے ہے بے شک اللہ ہر چاہی ہوئی چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے''۔

قاریٔ قرآن کو شعور اور سوچ کے اعتبار سے ماضی کی وقوعی حقیقتوں کے روبرو کیا جا رہا ہے کہ تم مسلمانوں نے بدر میں اعدائے دین کو شکست دی ہے اور اُحد میں بھی تم نے مشرکین کے دانت کھٹے کیے اور شروع میں ان کو شکست دے دی لیکن تم میں سے ایک طبقہ رسولی حکم پر پابند نہ رہ سکا اور مسلمانوں میں نقصان کی ایک لہر اٹھی لیکن اللہ کی مدد ہوئی اور مسلمان سنبھل گئے لیکن ایک ذہن اس سوچ کو دل سے لگا بیٹھا کہ ہمارے ساتھ یہ کیا ہوا؟ جب ہم سچے ہیں تو پھر نصرت ہی نصرت ہونی چاہیے تھی۔

قرآن مجید نے مختصر لیکن جامع جواب دے کر کتابِ بحث بند کردی کہ یہ جو کچھ ہوا تمہاری ہی کمائی ہے۔

قرآن مجید نے اس آیت میں مسلم ذہن کی تربیت کی ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ تمہارے فیصلے، تمہاری تقصیرات، تمہارے اقدامات، تمہاری کوششوں کے عواقب اور نتائج پر اثر انداز نہیں ہوں گے۔ دعاؤں کے اثرات اپنی جگہ پر، معجزات کی تسخیرات کا مقام اپنا اور پاکیزہ وجود رکھنے والوں کی برکتیں تاریخی فضیلتوں کی حامل سہی لیکن جولانگاہ حیات میں کوئی یہ نہ سمجھے کہ عمل اور تگ وتاز کا کردار زیرو ہوتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ ہر شخص خود کو اللہ کی سنت فطرت کے حوالے کردے۔

یہاں کا ایک نظام عدل ہے۔ کھجور کے پیڑ پر آم پیدا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ فطرت کے کٹہرے میں کسی کی رورعایت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ تو ہر ایک کو نوازنا چاہتا ہے، یہ ہم خود ہی ہوتے ہیں جو حالات کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے لیکن اس نے خود احوال و واقعات کی پشت پر تقدیر رکھ دی ہے۔

جہاں حوادث کا علم اللہ کے پاس ہوتا ہے ایسے ہی حکمتوں کا صحیح علم بھی اللہ ہی کے پاس ہوتا ہے۔ ہر حرکت اور ہر سکون کے پیچھے تقدیر کا دریا بہہ رہا ہوتا ہے، بندے کا کام خود کو اسی دریا میں پھینک دینا ہے۔

مفردات

اَوَ: کیا
لَمَّاۤ: جب
اَصَابَتۡكُمۡ: پہنچی تمہیں
مُّصِيۡبَةٌ: مصیبت
قَدۡ: بے شک
اَصَبۡتُمۡ: پہنچا چکے ہو تم
مِّثۡلَيۡهَا: اس کی دوگنا
قُلۡتُمۡ: کہا تم نے
اَنّٰى: کہاں سے ہے؟
هٰذَا: یہ
قُلۡ: فرمادو
هُوَ: وہ
مِنۡ: سے
عِنۡدِ: پاس
اَنۡفُسِكُمۡ: تمہارے نفسوں کے ہے
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
عَلٰى كُلِّ: ہر ایک کے
شَىۡءٍ: چیز
قَدِيۡرٌ: قدرت رکھنے والا

مفردات

وَ: اور
مَآ: جو
اَصَابَكُمْ: پہنچا ہے تم کو
يَوْمَ: دن
الْتَقَى: مڈبھیڑ ہوئی
الْجَمْعٰنِ: دو گروہوں میں
فَبِاِذْنِ: تو اذن کے ساتھ
اللّٰهِ: اللہ کے
وَ: اور
لِيَعْلَمَ: تاکہ دیکھ لے، لغوی معنیٰ ہے تاکہ جان لے
الْمُؤْمِنِيْنَ: ایمان لانے والوں کو

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٦٦﴾

''وہ مصیبت جو تمہیں پہنچی اس دن کہ دو فوجیں ملیں وہ اللہ کے حکم سے تھی اس لیے کہ وہ پہچان کرادے ایمان والوں کی''۔

قرآن مجید اُحد کا منظر قاریٔ قرآن کے سامنے لے آتا ہے جب دو گروہ مقابلے کے لیے ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار ہوئے۔ ایک ایمان والوں کی جماعت تھی جس کی قیادت حضرت محمد ﷺ خود فرما رہے تھے اور دوسری طرف ایک گروہ تھا جو ظلمتوں میں ڈوبا ہوا تھا اور اسلام کا جھنڈا سرنگوں کرنے کی کوشش میں تھا۔ عساکرِ شر و ظلمت ابوسفیان کی قیادت میں نکلے تھے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ اس دن جو تم مسلمانوں پر مصیبت ٹوٹی تو وجہ یہ تھی کہ یہ سب کچھ ''اذن الٰہی'' سے ہوا اور اس لیے ہوا کہ جو اصحابِ عزیمت ہیں، بہادر ہیں اور ان کا عشق اُحد کے میدان میں شعلۂ جوالہ بنے ہوئے محسوس ہوتا ہے اللہ ان کا امتیاز قائم کرنا چاہتا ہے۔ ابودجانہ اور علی رضی اللہ عنہما کی تلواریں جب ہدف کفر پر صاعقہ بن کر برستی ہوں گی تو اذن اللہ یہ تھا کہ دنیا کو اللہ ان کی پہچان کروا دے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ جب حضور ﷺ کے ساتھ ڈھال بن کھڑے ہوں گے تو اذن اللہ یہ تھا کہ اس باوفا اور جان کیش قوم کے بارے میں کوئی غلط فہمی میں نہ رہے کہ اسلام جھاگ ہے جس کو بٹھایا جا سکتا ہے اور مٹایا جا سکتا ہے۔

آیت کی روح کو سمجھنے کے لیے المحرر الوجیز کی ایک روایت ملاحظہ ہو (577):

> ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے قادسیہ کی جنگ میں دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم الاعمیٰ زرہ پہنے ہوئے ہیں اور اس کی اطراف کھینچ رہے ہیں اور ان کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا جھنڈا ہے۔ انہیں سمجھایا گیا آپ تو شریعت میں معذور قرار دیے گئے ہیں پھر یہ اہتمام کیسا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنی ذات کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کر رہا ہوں اور یہ بھی آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں میرا وجود کیسا لگتا ہے؟''

عمود تفسیر یہ ہے کہ آیت شوق کے قافلوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور اعلان کرتی ہے کہ مومن مجاہدوں کا اللہ کی راہ میں اپنا ایک مقام ہے۔ یہ قدم قیامت تک بڑھتے رہنے چاہییں۔

❁❁❁❁❁

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ
ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ
اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۚ ﴿۱۶۷﴾
اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ
فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

(167) اور پہچان کرادے ان کی جنہوں نے منافقت کی اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑائی لڑو یا دشمنوں کو دور کرو، کہنے لگے اگر ہم اسے لڑائی سمجھتے تو ضرور تمہارے پیچھے چلتے، وہ لوگ آج کے روز ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب ہیں، اپنے مُنہ سے وہ کچھ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں

(168) وہ جنہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا جبکہ خود بیٹھے رہے کہ وہ اگر ہماری اطاعت کرتے تو مارے نہ جاتے، جواب میں فرمادیں کہ اپنے آپ سے موت کو پھیر دو تو سہی اگر تم سچے ہو

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ
قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ
يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾

''اور پہچان کرا دے ان کی جنہوں نے منافقت کی اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑائی لڑو یا دشمنوں کو دور کرو، کہنے لگے اگر ہم اسے لڑائی سمجھتے تو ضرور تمہارے پیچھے چلتے، وہ لوگ آج کے روز ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب ہیں، اپنے مُنہ سے وہ کچھ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں''۔

منافقین کا کردار اور قرآن کی روشنی

قرآن مجید کی اس آیت میں قرآنی علم کا چراغاں کر دیا گیا، روشنی لوگوں کے سینوں میں کھب گئی، ایکسرے مشین کی شعاعیں کرداروں کو بے نقاب کرنے لگ گئیں۔ قرآن طعنوں کی کتاب نہیں اور عیب چینی بھی اس کتاب کا بنیادی مقصد نہیں، یہ تو علم و عمل کی پختہ اور تقدیر بدل راہ ہے، یہ رہنمائی میں بخل نہیں کرتی، اس نے جو واضح کرنا ہوتا ہے وہ واضح کر دیتی ہے۔ یہاں آیت نے کھل کر بیان کر دیا کہ وہ لوگ جنہوں نے نفاق برتا، وہ جس کھیل کی طرف بڑھے انہیں ڈھیلا اور مہمل نہیں چھوڑا جا سکتا۔ کمزور لوگوں کی کمزوریوں کا علاج ممکن ہے لیکن منافقین کے گند پر پردہ ڈال دینا دعوت و نہضت کو تباہ کرنے والی بات ہے۔ آیت کے فہم کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ''نفاق'' کا معنیٰ عرض کر دیا جائے۔

تاج العروس نے لکھا (578) کہ بچھو کے سوراخ کے دو دروازے ہوتے ہیں۔ ایک کو ''قاصعاً'' کہتے ہیں اور دوسرے کو ''نافقاً'' کہا جاتا ہے۔ وہ ایک میں خطرہ محسوس کرے تو دوسرے سے نکل جاتا ہے۔ علامہ رشید رضا نے لومڑی کے گھر کی بھی یہی کیفیت لکھی ہے۔ منافق کو منافق اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے لیے دو راستے تجویز کرتا ہے، اظہار اسلام کا راستہ اور کفر کا راستہ، وہ ضرورت و نفع اور خطرہ دیکھ کر سرک جاتا ہے۔ شیخ الانباری نے لکھا کہ ''نفق'' سرنگ کو کہتے ہیں جیسے وہ ڈھانپ لینے والی ہوتی ہے، منافق بھی اپنے آپ کو ڈھانپے ہوتا ہے۔ فخر الدین رازی نے ''نافقاً'' کی تفصیل یہ بھی لکھی ہے کہ یہ وہ سوراخ ہوتا ہے جو بچھو زمین میں بنا لیتا ہے اور وہ اوپر والی زمین کو نرم رکھتا ہے، جب ضرورت پڑے تو نرم حصے سے بھاگ جاتا ہے۔ منافق بھی اپنے باطن میں کفر چھپائے ہوتا ہے لیکن جب بھی اس نے بھاگنا ہوتا ہے نرم راستے سے بچ کر بھاگ جاتا ہے (579)۔

مفردات

وَلِيَعْلَمَ: اور تا کہ وہ علم سے آگاہ کر دے، دکھا دے وہ
الَّذِيْنَ: ان لوگوں کو
نَافَقُوْا: منافقت کی
وَقِيْلَ: اور کہا گیا
لَهُمْ: ان سے
تَعَالَوْا: آؤ
قَاتِلُوْا: قتال کرو
فِيْ: میں
سَبِيْلِ: راستہ
اللّٰهِ: اللہ کے
اَوِ: یا
ادْفَعُوْا: دفاع کرو
قَالُوْا: بولے
لَوْ نَعْلَمُ: اگر ہمارے جانتے
قِتَالًا: قتال
لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ: ضرور تمہارا ساتھ دیتے، پیروی کرتے
هُمْ: وہ
لِلْكُفْرِ: کفر سے
يَوْمَئِذٍ: آج کے دن
اَقْرَبُ: زیادہ قریب
مِنْهُمْ: ان سے
لِلْاِيْمَانِ: ایمان
يَقُوْلُوْنَ: کہتے ہیں
بِاَفْوَاهِهِمْ: اپنے مونہوں سے
مَّا: جو

مفردات

لَيْسَ: نہیں
فِيْ: اندر
قُلُوْبِهِمْ: ان کے دلوں
وَاللّٰهُ: اور اللہ
اَعْلَمُ: زیادہ جانتا ہے
بِمَا: اس کو جو
يَكْتُمُوْنَ: وہ چھپاتے ہیں

اور جب ان سے کہا جاتا ہے

کون کیا ہے؟ یہ فیصلے اور عواقب بعد کی چیز ہے اللہ کے راستے کی طرف بلانے والی آواز کو گونجتے رہنا چاہیے۔ منافقین کے بارے میں یہ کہا جا رہا ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں قتال کرو۔ اصل میں لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے ایسے ہی دعوتِ قتال و جہاد صرف مومن ہی سن سکتا ہے۔ منافق مٹی کا ڈھیلا ہوتا ہے اسے کیا پتہ مقام ایمان کیا ہے؟ وہ بہانے بناتا ہے، حیلہ گریاں کرتا ہے اور مفاد پرستیاں اس کی خُو بُو میں رچ بس چکی ہوتی ہیں۔ مدینہ کا معروف منافق راستے ہی سے اپنے لوگوں کے ساتھ واپس ہو گیا تھا اور یہ منفی پراپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا تھا کہ اگر ہم اسے قتال سمجھتے تو ہم ضرور ساتھ دیتے۔ آیت نے ان کا پردہ فاش کر دیا اور اسلامی صفوں سے انہیں جدا کر دیا۔

قاریٔ قرآن!

اس دن سے ڈرنا چاہیے
جب مالک اپنے بندوں سے برأت کر دے
اور ان کے عیبوں کو فاش کر دے
اور سورج کی شعاعیں
کسی وجود کو ننگا کر دیں بلکہ
اپنی تابکاری سے حماموں کی دیواریں بھی جلا دیں
اور انسان کی اصل تصویر ننگی نظر آنے لگ جائے
اللہ!
ہم کو ہم سے زیادہ جاننے والے
پیرویٔ رسالت کا اصل حسن کردار بنا کر نصیب کر دے۔

دو راستے اور اہم فیصلہ

قرآن مجید نے صاف طور پر کہہ دیا کہ اسلام لڑائیوں کا فریق نہیں ہوتا وہ ''سبیل اللہ'' کا شعور دیتا ہے اور مسلمانوں کی جنگ ''رجال اللہ'' بن کر ہوتی ہے۔ وہ طالب دنیا نہیں ہوتا طالب رضا ہوتا ہے اور جنگوں میں یہ بات بھی اہمیت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے کہ اپنے اہل و مال اور اموال کے دفاع کا شعور تو ہونا چاہیے، کہا گیا کہ منافقین کی الٹی کھوپڑی دیکھیے کہ نہ ''سبیل اللہ'' کے تقاضوں کو سمجھ رہے ہیں اور نہ دفاع اہل و عیال کی منطق سمجھ رہے ہیں بس ایک ہی جنون دماغ پر سوار ہے کہ ہم نے تحریک اسلام کو نقصان پہنچانا ہے۔

موت مرنے سے اچھا نہیں کہ انسان میدانِ جہاد میں
دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر لے''۔

آیت ختم اس جملے پر ہوتی ہے ''اگر تم سچے ہو''۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ سچائی کا اپنا ایک نور ہوتا ہے جو عمل اور رویہ سے عیاں ہوتا ہے اور جھوٹ ایک الگ سے کالی منطق ہے جس نے جھاگ کی طرح مٹ جانا ہوتا ہے۔

زیرِ تفسیر آیت میں ایک اور نکتہ قابلِ غور ہے کہ یہاں مومنین کے لیے ''اخوان'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جبکہ منافقین تو کسی بھی صورت میں مومن کا بھائی نہیں ہوسکتا۔ یہ سرزنش کی نفسیاتی چوٹ ہے کہ تم لوگ اگر مومنین کو بھائی کہتے ہو تو یہ بتاؤ حساس لمحات میں بھائی بھائی کی مدد سے دستکش تو نہیں ہوتا پھر تم مسلمانوں کو چھوڑ کر واپس کیوں آ گئے؟ اسلوب کی دلکشی دیکھیے کہ ''لِاِخْوَانِھِمْ'' کے فوراً بعد ''وَقَعَدُوْا'' کہا گیا ہے یعنی بھائی بھائی بھی کہتے ہو اور خطرات کے وقت گھر میں بھی بیٹھ جاتے ہو۔

اکثر جھوٹے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ سچوں کا سہارا لینے کے لیے بھائی جی بھائی جی کی رٹ لگاتے ہیں تاکہ معاشرے میں اعتماد حاصل کر لیں لیکن سچی بات یہ ہے سچے سچے ہوتے ہیں اور جھوٹے جھوٹے

تنبے کدی تربوز نہ تھیندے
بھاویں توڑ مکیوں پھر لے آیئے ہُو
کرگس کا جہاں اور ہے
شاہیں کا جہاں اور

❁❁❁❁❁

اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ
رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ﴿۱۶۹﴾
فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ
يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۘ﴿۱۷۰﴾
يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع

(169) اور اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے لوگوں کو ہرگز مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے ربّ کے ہاں روزی دیے جاتے ہیں

(170) خوش ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عنایت فرمایا ہے اور خوشخبریاں پاتے رہتے ہیں اپنے ایمان والے پچھلوں کے بارے میں جو ابھی ان سے ملے نہیں ہیں کہ ان کے لیے بھی کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے

(171) خوش خوش ہیں اللہ کے انعام اور فضل پر اور یقیناً اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا

مفردات

وَلَا: اور نہ
تَحْسَبَنَّ: تم گمان کرنا
الَّذِيْنَ: ان لوگوں کے بارے میں
قُتِلُوْا: جو کر دیے گئے قتل
فِيْ: میں
سَبِيْلِ: راستے
اللّٰهِ: اللہ کے
اَمْوَاتًا: مردہ
بَلْ: بلکہ
اَحْيَآءٌ: زندہ ہیں
عِنْدَ: نزدیک
رَبِّهِمْ: ان کے ربّ کے
يُرْزَقُوْنَ: وہ روزی دیے جاتے ہیں

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿١٦٩﴾

''اور اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے لوگوں کو ہرگز مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے ربّ کے ہاں روزی دیے جاتے ہیں''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے بارے میں کہا گیا کہ ہرگز ہرگز گمان میں بھی نہ لاؤ کہ مقتول فی سبیل اللہ مردہ ہیں، وہ شہادت کے بعد ایک ایسی زندگی سے ہم کنار ہو جاتے ہیں کہ دنیوی زندگی سے وہ زندگی کہیں زیادہ پائیدار، قوی اور مستحکم ہوتی ہے۔ اصل میں شک ایمان اور یقین کی نفی ہوتی ہے اور انتشار کی ہر قسم شکوک، شبہات اور گمانوں ہی کی پیداوار ہوتی ہے جبکہ یقین تفویض، تسلیم اور جاں گزاری کو آسان بنا دیتا ہے اور یہ بھی کہ گمان رات اور شبِ ظلمت کی طرح ہوتا ہے اور یقین روزِ روشن کی طرح ہوتا ہے اس لیے اس آیت میں دنیا کے زندوں کو آخرت کی قوی زندگی کا شعور دیا جا رہا ہے کہ شہید یقین رکھو کہ زندہ ہوتا ہے اور اس کی قوی زندگی کا ذائقہ یہ ہوتا ہے کہ اسے رزق سے نوازا جاتا ہے، ایسا رزق جس کی حلاوت، مٹھاس اور لذت کو فانی لفظوں کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔

شہداء کے قابل رشک اوصاف

- شہید کا وصف اول یہ ہوتا ہے کہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے اس کا شعور اتنا بلند ہوتا ہے کہ اسے دنیا ہی میں اخروی زندگی کی مٹھاس کا اندازہ ہوتا ہے اسی لیے تو وہ جاں گزاری کا مسلک اپنا لیتا ہے۔
- شہید کا دوسرا وصف یہ ہوتا ہے کہ اس کی گواہی مقبول ہو جاتی ہے اور اس کی شہادت آخرت کی عزت اور دنیا میں دین کو محکم کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔
- شہید کا تیسرا وصف یہ ہوتا ہے کہ اسے ''سَبِيْلِ اللّٰهِ'' سے مکمل آگاہی ہوتی ہے۔ وہ اپنی زندگی کے لمحات کو ضائع نہیں کرتا بلکہ جامِ شہادت نوش کر کے ابدی زندگی کی سعادتوں سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔
- شہید کا چوتھا وصف یہ ہوتا ہے کہ وہ نصاب ایمان کو اپنی آنکھوں کے روبرو دیکھ لیتا ہے۔ سننے والا دیکھنے والے کی مانند کیسے ہو سکتا ہے۔

- شہید کا پانچواں وصف یہ ہے کہ وہ یقین اور ایمان کا نصاب بن جاتا ہے۔اس کی زندگی کو تسلیم کرنا قرآن کے مقتضیات میں سے ہے۔
- شہید کا چھٹا وصف یہ ہوتا ہے کہ وہ مردہ نہیں زندہ ہوتا ہے۔
- شہید کا ساتواں وصف یہ ہوتا ہے کہ اسے اپنے ربّ کے ہاں خصوصی قرب حاصل ہوتا ہے یہ بات ''عِنْدَ رَبِّهِمْ'' سے معلوم ہوتی ہے۔
- شہید کا آٹھواں وصف یہ ہوتا ہے کہ اسے خون والے کپڑوں ہی میں بغیر غسل کے دفنا دیا جاتا ہے۔
- شہید مرتبۂ شہادت کے ملتے ہی پاک صاف ہوجاتا ہے، یہ نواں وصف ہے۔
- اور شہید کا دسواں وصف یہ ہوتا ہے کہ اسے روزی اور رزق ملتا رہتا ہے یعنی اسے جنتی پھل اور جنتی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔
- شہید کے باقی اوصاف آنے والی آیات کی توضیح وتشریح میں نقل کیے جائیں گے۔ان میں سے بعض اوصاف تفسیر صاوی اور روح البیان نے نقل کیے ہیں (580)۔

آیت کا فنی پسِ منظر

آیت کے شان نزول پر مفسرین کی آراء ملاحظہ ہوں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

> ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا جب تمہارے بھائیوں کو احد کے میدان میں شہادتوں کی فضیلت ملی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عظیم روحوں کو سبز پرندوں کے باطن میں سجایا ،اس طرح وہ جنت کی نہروں میں اترتے، نہاتے، پھل کھاتے اور عرش کے سائے میں لٹکی ہوئی سونے کی قندیلوں میں پناہ گزین ہوتے۔رزق نوازی کی جب یہ بہاریں انہیں ملیں تو وہ کہنے لگے: ہمارے وہ بھائی جو ابھی دنیا میں ہیں انہیں کون یہ بات پہنچادے کہ ہم زندہ ہیں اور جنت میں مزے کررہے ہیں، یہ اس لیے ہے تاکہ وہ جہاد سے پیچھے نہ رہیں۔اس پر اللہ تعالیٰ نے

Table of Contents

Preface 1

Chapter 1 Introduction 3

Chapter 2 Theoretical Foundations 7

Chapter 3 Methodology 11

Chapter 4 Results 15

Chapter 5 Discussion 19

Chapter 6 Conclusion 23

Appendix A Supplementary Data 27

Appendix B Glossary 31

Bibliography 35

Index 39

اور تعریف کر رہا ہے۔

❁ شہدا کا بارہواں وصف اس اعتبار سے یہ ہے کہ اللہ ان کی تعریف اور مدح فرماتا ہے۔ کہیں تو فرماتا ان پر صلوات اور رحمت ہے اور کہیں فرماتا ہے یہ ہیں وہ لوگ جنہیں فضل سے نواز دیا گیا اور یہ معنیٰ آیت کے اندر موجود ہے۔

لطف وکرم کا عرش معلیٰ

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں (584):

> ''شہید کو اللہ کی طرف سے خصوصی انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ شرف شہادت کا حصول، دائمی زندگی کا انعام، قرب خداوندی کے جلوے، جنت کی منفعتوں سے لطف اندوزی اور اس پر مزید اللہ کی اعطا اور نوازش کی مسلسل بہار''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان آیات کے بارے میں سوال کیا گیا (585) تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے یہی بات اللہ کے رسول سے پوچھی تھی تو آپ نے فرمایا کہ شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں میں ہوں گی، ان کے لیے سونے کی قندیلیں عرش سے معلق ہوں گی، وہ جنت میں جہاں چاہیں گے سیر کریں گے، پھر وہ ان قندیلوں میں لوٹ کر آ جائیں گے، پھر ربّ تعالیٰ ان پر اپنی جلوہ گری فرمائے گا۔ یہ سلسلہ تین مرتبہ ہوگا بلکہ ایک روایت کے مطابق ربّ فرمائے گا: ''مجھ سے مانگو جو تم چاہتے ہو''۔ وہ عرض کریں گے: ''اے ہمارے ربّ! ہم آپ سے کیا تمنا کریں؟ ہم جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں لیکن جب محسوس ہوگا سوال کرنا ضروری ہے تو دامن پھیلا دیں گے:

اے ہمارے ربّ!

ہم چاہتے ہیں!

صرف یہ

کہ

روحوں کو جسموں میں لوٹا دے

یہاں تک کہ

تیری راہ میں ہم جان دے دیں

ربّ فرمائے گا

جو ہونا تھا ہو گیا

مانگ لو!

کچھ اور مانگ لو۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا شہیدوں کا تیرہواں وصف یہ ہوگا کہ اللہ ان پر جلوہ گری فرمائے گا اور کہا جا سکتا ہے کہ چودھواں وصف یہ ہوگا کہ جلوہ گری ایک مرتبہ نہیں ہوگی تین مرتبہ نوازا جائے گا (586)۔

جہانِ تلطّف کے جواہرِ تابندہ

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں (587):

- جب جواہر ارواح قدسیہ انوارِ الٰہیہ سے روشن ہوں تو دو وجوہات کی بنا پر انہیں خوشی حاصل ہوتی ہے: ایک تو یہ کہ اللہ کی معرفت اور تجلیات منزّلہ سے ارواح قدسیہ کی ذاتیں منور ہوتی ہیں بلکہ دوسروں کو بھی منور کرتی ہیں اور ان میں روشنی کا تلطّف ہوتا ہے۔
- دوسری قسم یہ ہوتی ہے کہ پاکیزہ روحیں نور کے چشموں اور رحمت کے مصادر کا مشاہدہ کرتی ہیں ظاہر ہے یہ چیز خوشی اور مسرت کا باعث ہوتی ہے۔

علامہ رازی کی روح افزا بحث کے بعد یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شہیدوں کی روحیں خود ہی منور نہیں ہوتیں دوسروں کو بھی روشن کر دیتی ہیں، ترتیب کے اعتبار سے یہ شہیدوں کا پندرہواں وصف بھی بنتا ہے۔

پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں خوشیاں

مفسرین نے ''لَمۡ يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ'' کی چار تاویلات رقم کی ہیں:

- تاویل اوّل یہ ہے کہ شہداء بعض دوسرے شہداء سے کہیں گے ہم اپنے بچوں بھائیوں کو جنگ میں چھوڑ کر آئے ہیں جو کفار سے لڑ رہے تھے وہ بھی شہید ہوں گے، ہماری طرح انہیں بھی رزق دیا جائے گا۔ پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں خوشیوں سے مراد یہی ہے۔ یہ بات روح البیان اور واحدی نے لکھی ہے (588)۔
- جملے کی دوسری تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ بروز قیامت جب شہید جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں رزق دیا جائے گا، ان کی تکریم قائم کی جائے گی تو وہ خوش ہوں گے جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا، پیچھے رہ جانے والے ان کے بھائی ہوں گے جو مومنین میں سے

مفردات

ہوں گے لیکن انہیں درجہء شہادت نصیب نہیں ہوگا۔ شہید جب ان کے مقامات، جنت میں ان کے داخلے سے پہلے ملاحظہ کریں گے تو شہدا ان کی جگہیں جنت میں دیکھ کر خوش ہوں گے۔ یہ بات اسماعیل حقی اور قرطبی اور رازی نے لکھی (589)۔

- تاویل سوم یہ کی گئی کہ شہید ان لوگوں کے بارے میں خوش ہوں گے جن کے بارے میں اندیشہ اور خوف نہ ہوگا کہ وہ کوئی حق ان سے طلب کریں گے اس پر وہ خوشیاں منائیں گے (590)۔
- چوتھی تاویل وہ ہے جو قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں لکھی: شہید کے بھائی بند اور دوست جو رتبہ میں شہید کے درجہ کو نہیں پہنچیں گے شہداء ان کے بارے میں بشارت پائیں گے اور خوش ہوں گے کہ ان کے بھائی بندوں کو بھی کوئی خوف، اندیشہ ہرگز نہ ہوگا کیونکہ اللہ نے شہداء کو اپنے بھائیوں کی شفاعت کرنے کا مکمل حق دیا ہوگا (591)۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

''خوش خوش ہیں اللہ کے انعام اور فضل پر اور یقیناً اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا''۔

آیت میں شہداء کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ خوشیاں مناتے ہیں۔ اللہ کی خاص نعمت اور فضل پر اب سوال یہ ہے کہ نعمت اور فضل سے کیا مراد ہے؟

علامہ قرطبی لکھتے ہیں (592):

''نعمت سے مراد اللہ کی طرف سے جنت کامل جانا اور گناہوں کی مغفرت ہو جانا ہے''۔

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں (593):

''نعمت سے مراد اللہ کی طرف سے ثواب کامل جانا ہے''۔

فضل سے مراد نعمتوں میں فراوانی ہے

''فضل اور نعمت سے مراد اللہ کا دین ہے، ایمان ہے اور اسلام کی دولت ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت محمد ﷺ کی محبت اور پیار کا تعلق نعمت ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ روزی اور رزق کی جمیع اقسام عطا فرما دیتا ہے''۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ: وہ خوشیاں مناتے ہیں
بِنِعْمَةٍ: نعمت پر
مِّنَ اللّٰهِ: اللہ کی طرف سے
وَفَضْلٍ: اور فضل
وَّاَنَّ: اور بے شک
اللّٰهَ: اللہ
لَا يُضِيْعُ: ضائع نہیں فرماتا
اَجْرَ: اجر
الْمُؤْمِنِيْنَ: ایمان والوں کا

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ
لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ ۚ
اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ
فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾
فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا
رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾

(172) وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور رسول کا حکم مانا بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکے تھے، ان میں سے احسان اور تقویٰ والوں کے لیے بڑا اجر ہے

(173) یہ وہ ہیں جنہیں لوگوں نے دھمکی دی کہ ناسپاس منکرین حق تمہارے خلاف جمع ہو گئے ہیں سو ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور وہ پکار اٹھے ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ کیا اچھا کارساز ہے

(174) سو وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس ہوئے، انہیں کوئی برائی چھو تک نہ سکی اور انہوں نے اللہ کی انتہائی خوشنودی اپنائی اور اللہ بڑے فضل والا ہے

مفردات

اَلَّذِيْنَ: وہ جو
اسْتَجَابُوْا: بلانے پر آئے، دعوت قبول کی، بات مان لی
لِلّٰهِ: اللہ کے لیے
وَالرَّسُوْلِ: اور رسول کے لیے
مِنْ: سے
بَعْدِ: بعد
مَآ: جو
اَصَابَهُمُ: ان کو پہنچے
الْقَرْحُ: زخم
لِلَّذِيْنَ: ان کے لیے جو
اَحْسَنُوْا: نیک بنے، اچھے ہوئے
مِنْهُمْ: ان میں سے
وَاتَّقَوْا: اور تقویٰ کیا
اَجْرٌ: اجر
عَظِيْمٌ: بڑا

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۚ﴿۱۷۲﴾

''وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور رسول کا حکم مانا بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکے تھے، ان میں سے احسان اور تقویٰ والوں کے لیے بڑا اجر ہے''۔

اس آیت سے چند آیات آگے تک ایک سلسلۂ بیان ہے جو مسلمانوں میں ہمت اور حوصلہ کی نشوونما کے لیے اترا ہے۔ پس منظر کے لحاظ سے مفسرین نے دو روایتیں نقل کی ہیں: ایک کا تعلق غزوۂ حمراء الاسد کے ساتھ ہے (594):

یہ وہ لوگ تھے جنہیں پندرہ شوال اُحد کے معرکے سے فارغ ہونے کے بعد رسول اکرم ﷺ نے پکار لیا تھا اور ابوسفیان کے لشکر کا تعاقب کرنے کے لیے حکم دے دیا۔ اپنے غلاموں اور مجاہدین کی حالت یہ تھی، اُحد کے معرکے کی تلخیاں بھی ابھی ختم نہیں ہوئی تھیں اور زخم ابھی رِس رہے تھے۔ دردوں کی شدت انتہا پر تھی اور اقارب اور رشتہ داروں کی تڑپتی لاشیں دیکھی ہی نہیں تھیں قبروں میں بھی اتارا تھا۔ ایسی کیفیت میں حکم نے آزمائش کو اور شدید کر دیا کہ کوئی ایسا شخص ہمارے ساتھ شریک سفر نہیں ہو سکتا جو غزوۂ احد میں ہمارے ساتھ شریک نہ ہوا ہو، ایسے ابتلا آفرین ماحول میں غلاموں کا لبیک کہنا اور حضور ﷺ کے نقوش پا کے زخموں سے بوسے لینا وفا کے نئے اور بلند علم نصب کر دینے کے مترادف تھا۔ یقیناً ایسا اقدام حوصلوں کی تازہ داستان رقم کرنے کے لیے تھا کہ کوئی کافر یہ نہ سمجھ لے کہ اُحد کے نقصان کی وجہ سے مسلمان ضعیف ہو چکے ہیں اب ان میں دم خم نہیں رہا۔ حضور ﷺ کے حکم اور اقدام میں بے شمار حکمتیں تھیں لیکن اصل بات نصب العین کی اہمیت کے لیے یہ ثابت کرنا تھا کہ ایسے بھی ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک زندگی کی قیمت نہیں نصب العین کی قیمت ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت کریمہ غزوۂ بدر صغریٰ کے موقع پر نازل ہوئی۔

غزوۂ اُحد سے واپسی پر ابوسفیان نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ آئندہ سال بدر میں ہم تم سے پھر ملیں گے۔ اس موقع پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے اجازت لے کر ابوسفیان کو جواب دیا تھا کہ ان شاء اللہ ضرور دو دو ہاتھ ہوں گے۔

ابوسفیان واپس وطن پہنچتے ہی سامانِ جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گیا اور شعراء اور خطباء سے کہا کہ

شاعری اور خطبات سے ماحول سازی کرو۔نعیم بن مسعود اشجعی مدینہ سے مکہ پہنچا اور یہ بات عام کر دی کہ لشکر اسلام مکہ کی طرف اسلحہ اور سامان جنگ سے لیس ہو کر آگ کی طرح آگے بڑھ رہا ہے۔مجاہدین اتنے زیادہ ہیں کہ راہیں جیسے انار دانوں سے بھری ہوں۔ابوسفیان نے اشجعی سے ملاقات کی اور کہا کہ ہم نے اُحد کے بعد وعدہ کیا تھا لیکن یہ سال جنگ کے لیے سازگار نہیں۔قحط سالی نے ہمیں توڑ کر رکھ دیا ہے اور جانوروں کے لیے چارہ تک نہیں مل رہا لہٰذا تم واپس جا کر کسی طرح مسلمانوں کو خوف زدہ کرو تمہارا معاوضہ سہ سالہ بیس اونٹ ہوں گے۔اشجعی نے اونٹوں کی تُلّی کی لالچ میں واپسی پر کچھ کرنا چاہا لیکن حضور ﷺ نے مدینہ میں عبد اللہ بن رواحہ کو خلیفہ مقرر کیا اور پندرہ سو مجاہدین کو حضرت کی قیادت میں علَم دے کر مکہ کی طرف رخصت کر دیا۔ابوسفیان بھی دو ہزار اشقیا کے لشکر کے ساتھ مقابلے کے لیے نکلا اور ''مرالظہران'' پہنچ کر یہ بہانہ بنایا کہ خشک سالی کی وجہ سے لڑائی ممکن نہیں لیکن اصل میں علی کی تلوار اور مجاہدین کے جذبے نے اُسے بزدلانہ واپسی پر مجبور کر دیا۔رسول اللہ ﷺ بھی ستر سواروں کے ساتھ بدر پہنچ گئے اور آٹھ دن قیام فرما کر مدینہ واپس لوٹ آئے۔مفسرین نے آیت کے شان نزول میں یہ روایت بھی نقل کی (595)۔رازی نے آخری بات حمراُالاسد سے جوڑی ہے (596)۔

واللہ اعلم

آیت کا باطن

قرآن مجید کی زیرِ تفسیر آیت کا تربیتی باطن چند اسباق پر مشتمل ہے جن پر قاریٔ قرآن کو توجہ دینے کی ضرورت ہے:

❁ **پہلی بات**

قرآن مجید وفا شعار ان اسلام کو ان کی فضیلتوں کے ساتھ قیامت تک قرآن پڑھنے والوں کے سامنے رکھتا ہے کہ دیکھ لو حالات کی شدت کے باوجود ان کا دامنِ وفا داغدار نہ ہوا، ایسے لوگوں کے کردار کو نمونہ سمجھ کر زندگی میں اتار لو اسلاف کے بغیر ہم کچھ بھی نہیں۔

❁ **دوسری بات**

اللہ اور اس کے رسول کی پکار اور دعوت کو قبول کر لینا ہے۔استجابت غلامی کا حسن ہے اور قبولیت کی سند ہے۔قرآن مجید سکھاتا ہے کہ حالات کتنے ہی تلخ کیوں نہ ہو جائیں دعوت کو قبول کرو ایسا ہرگز نہ کرو کہ نعمتوں کا دستر خوان ہی تمہیں لذتوں کا اسیر بنا لے۔حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کتنے عظیم لوگ تھے زخم کھلتے رہے، خون گرتا رہا، سانسیں اکھڑتی رہیں لیکن

کے ساتھیوں نے ڈرانا چاہا لیکن ان کی ایمانی کیفیت اور یقین پر بہار آ گئی وہ جیسے یقین کے آسمان پر بیٹھے ہوں اور جنت کی خوشبو سونگھ رہے ہوں۔ قرآن مجید ان باوقار لوگوں کی تصویر قارئین قرآن کے سامنے رکھ رہا ہے کہ جو ''ایمان'' کے جلووں میں زندگی گزارنے والے ہوتے ہیں وہ بس اللہ کے لیے ہوتے ہیں اور ان کی ہر چیز اللہ کی ہوتی ہے، وہ وسوسوں کی ریت میں گھر نہیں بناتے وہ قرب کی جنت میں عرش نشین ہوتے ہیں۔

''قَالَ لَهُمُ النَّاسُ'' سے مراد کون لوگ ہیں؟

- علامہ فخر الدین رازی نے پہلا قول یہ نقل کیا ہے کہ اس سے مراد نعیم بن مسعود جس نے حرص اور لالچ میں آ کر مسلمانوں کو ڈرانا چاہا تھا (597)۔
- دوسرا قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کے کچھ لوگ ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو اس نے مسلمانوں کے بارے میں من گھڑت باتیں کیں تا کہ وہ ان کو بزدل بنا دے اور جنگی ضمانت کی بنیاد رکھیں۔
- تیسرا قول سدّی کا ہے کہ اس سے مراد منافقین ہیں۔

آیت میں ایمان کے اندر اضافہ سے مراد کیا ہے؟

مفسرین نے لکھا کہ مسلمانوں نے جب مشرکین اور منافقین کی ایمان سوز باتیں سنیں تو انہوں نے ان کی طرف توجہ نہ دی بلکہ دلوں میں جہاد کے لیے اور پختہ عزم سجا لیا اور اطاعت رسول میں تسلیم و رضا کا پیکر بن جانے کا ارادہ کر لیا۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾

''سو وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس ہوئے، انہیں کوئی برائی چھو تک نہ سکی اور انہوں نے اللہ کی انتہائی خوشنودی اپنائی اور اللہ بڑے فضل والا ہے''۔

مجاہدین کی تڑپتی زبانوں پر ''حسبنا اللہ'' کے ذکر نے عجب سماں باندھ دیا۔ کتنا بڑا جملہ ہے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی اچھا کارساز ہے۔ ذکر اور عقیدہ کی برکت نے اس قافلے کو ہمت دے دی، حوصلوں سے نواز دیا، وہ ٹکرا جانے کے لیے تیار ہو گئے اور منزل پر پہنچ کر قیام کیا۔ دشمن کو حوصلہ نہ پڑا کہ مقابلہ کرتے۔ مجاہدین باہمت کا کارواں اللہ کی نعمتوں اور فضل کے ساتھ واپس لوٹا۔ مفسرین نے لکھا کہ نعمت سے مراد عافیت اور فضل سے مراد تجارتی نفع ہے اور یہ بھی لکھا گیا کہ نعمت سے

مفردات

فَانْقَلَبُوْا: تو وہ پلٹے
بِنِعْمَةٍ: نعمت کے ساتھ
مِّنَ اللّٰهِ: اللہ کی طرف سے
وَ: اور
فَضْلٍ: فضل کے ساتھ
لَّمْ يَمْسَسْهُمْ: نہ چھوا انہیں، نہ پہنچی انہیں
سُوْٓءٌ: برائی
وَّاتَّبَعُوْا: اور پیروی کی انہوں نے
رِضْوَانَ: رضا اور مرضی
اللّٰهِ: اللہ
وَاللّٰهُ: اور اللہ
ذُوْ فَضْلٍ: فضل والا
عَظِيْمٍ: بڑے

مراد دنیاوی منافع اور فضل سے مراد اخروی ثواب ہے(598)۔

سیّد قطب نے لکھا کہ ایک ہی رات میں پختہ کار ہو جانا ،انداز فکر میں رسوخ آ جانا ،راہ خدا میں متناسق ہو جانا، جم جانا، دلوں کی دھند اور میل کا دور ہو جانا۔ ہر قسم کے خلجان کا نام ونشان نہ رہنا، تلخ تجربوں کا نفوس کے اندر معلم بن جانا، ذکر کا یاوری کرنا، یہ سب کچھ نعمت افضل اور اللہ کا بڑا فضل تھا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کی روحانی منزل اللہ کی رضا اور رضوان بن گئی۔ وہ قوم مدح وفضیلت کے بڑے بلند مقام پر فائز ہوتی ہے جو اللہ کی رضا اور تسلیم واطاعت کی راہوں میں رواں دواں ہو جاتی ہے(599)۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٥﴾

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٦﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٧﴾

(175) بے شک یہ تو شیطان ہی ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے خوف دلاتا رہتا ہے تو ان سے خائف نہ ہو اور اگر تم مومن ہو تو میرا ہی خوف رکھو

(176) اور آپ کفر میں جلدی کرنے والوں کے لیے غمگین نہ ہوں وہ ذرہ برابر بھی اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، اللہ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کچھ بھی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے

(177) بے شک وہ لوگ جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا وہ ہرگز اللہ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے

مفردات

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

''بے شک یہ تو شیطان ہی ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے خوف دلاتا رہتا ہے تو ان سے خائف نہ ہو اور اگر تم مومن ہو تو میرا ہی خوف رکھو''۔

آیت میں شیطانی وسوسہ اندازیوں اور دسیسہ کاریوں کو بے حجاب کیا جا رہا ہے کہ وہ اسلامی معاشرے کو اپنے دوستوں کے ذریعے کس طرح تباہ کرتا ہے۔ سیدی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے اپنی تفسیر میں مخبرون اور منافقین کی ملی بھگت سے جو شیطانیت کا جال بنا جا رہا تھا اسے موضوع آیت سمجھا ہے(600)۔

اس میں شک نہیں کہ فطرت مسلمانوں کی آزمائش کے لیے ہر میدان میں ایک طرف کوریت پر قائم کر کے آزماتا ہے اور شیطان اسی کچی جگہ اپنا جال لگا دیتا ہے۔

آیت کا شان نزول اگرچہ ایک خاص واقعہ ہے لیکن شیطانی تخویف کاری تو ہر زمانے کا موضوع ہے۔

علامہ بغوی نے لکھا(601):

> ''پروپیگنڈہ کرنے والوں کی زبان میں شیطان بیٹھ گیا اور ہوائیاں چھوڑنی شروع کر دیں۔ مجاہدین کو پست ہمت بنانے کے لیے کمزوریوں کے بیج دلوں کی زمین میں کاشت کرنے شروع کر دئے۔ آیت میں اولیاء سے مراد عساکر کفر کے سردار ہیں۔ سدی نے یہ تفسیر کی کہ شیطان تمہارے دلوں میں اپنے دوستوں کو بڑا کر کے ظاہر کرتا ہے تاکہ تم مسلمان خوف کا شکار ہو جاؤ۔
>
> عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ تفسیر کی: ''اللہ ہی مسلمانوں کا کفیل اور ضامن ہے تو مسلمانوں کو اللہ کا حکم شیطانی قوتوں سے ڈر کر چھوڑ نہیں دینا چاہیے، ڈرنا اللہ ہی سے چاہیے''(602)۔

اِنَّمَا: نہیں ہے سوا اس کے
ذٰلِكُمُ: تمہیں
الشَّيْطٰنُ: شیطان
يُخَوِّفُ: ڈراتا ہے
اَوْلِيَآءَهٗ: اپنے دوستوں سے
فَلَا: پس نہ
تَخَافُوْهُمْ: تم ان سے ڈرو
وَخَافُوْنِ: اور مجھ ہی سے ڈرو
اِنْ: اگر
كُنْتُمْ: ہو تم
مُّؤْمِنِيْنَ: ایمان والے

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٦﴾

''اور آپ کفر میں جلدی کرنے والوں کے لیے غمگین نہ ہوں وہ ذرہ برابر بھی اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، اللہ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کچھ بھی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو تسلی دی کہ آپ بارِ خاطر محسوس نہ فرمائیں اور نہ ہی کفار اور منافقین کی عجلت بازی جو وہ دوں فطرت لوگ کفر کے پھیلانے اور بڑھانے میں مچا رہے ہیں، مراد یہ ہے کہ وہ لوگ کفر میں انتہائی حریص ہو کر تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ یہ نامراد اللہ کے دوستوں اور اللہ کے دین کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ متحرک ہو رہا ہے کہ وہ ایسے کم ظرفوں کو آخرت میں کچھ بھی نہ دے۔

رحمتیں انسان کو تباہی سے بچاتی ہیں لیکن ڈھٹائی اور ضد کے ساتھ آگ میں چھلانگ لگا دینے والے جب خودسوزی ہی کو اپنا مقدر بنا لیتے ہیں تو پھر اللہ کا عذاب اور ناراضگی انہیں گھیر لیتی ہے۔

قرآن مجید نے اس آیت میں کاموں کی منطقیت بیان کی ہے کہ مسلمانوں کو مسارعین فی الکفر کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، عجلت باز لوگ کسی کام کے کرنے یا چھوڑنے کو سنجیدہ لینے والے نہیں ہوتے، ان کا ہر فیصلہ غیر سنجیدہ اور کمزور ہوتا ہے۔ پائیدار منصوبہ بندی سے یہ لوگ محروم ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو اس فلسفہ کے قائل ہو جائیں کہ ''چلو تم ادھر ہوا جدھر کی ہو'' کچے لوگ ہوتے ہیں۔

آیت کی روحانیت مسلمانوں کو بہر حال یہ سبق دیتی ہے کہ کفر کی ٹیپ ٹاپ سے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی، ٹھوس منصوبہ بندی کے ساتھ اسلام کو پھیلانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ دنیا اور آخرت سب کچھ اللہ کے دوستوں کا ہے، اس قسم کی مولائی فکر ہی مسلمانوں کی ترقی کا راز بن سکتا ہے۔

اپنے گھر کی اینٹیں کافروں کی مسارعت کے سامنے خود بکھیر دینا دانائی نہیں ہوتی ''نور اور رحمت'' محبوب کے قدموں میں ہے۔

واللہ اعلم

مفردات

وَلَا: اور نہ
يَحْزُنْكَ: پریشان کرے آپ کو
الَّذِيْنَ: وہ جو
يُسَارِعُوْنَ: جلدی مچاتے ہیں
فِي الْكُفْرِ: کفر میں
اِنَّهُمْ: بے شک وہ
لَنْ: ہرگز نہ
يَّضُرُّوا اللّٰهَ: اللہ ضرر دے سکیں گے
شَيْـًٔا: ذرہ بھر
يُرِيْدُ اللّٰهُ: اللہ چاہتا ہے
اَلَّا: کہ نہ
يَجْعَلَ: کرے
لَهُمْ حَظًّا: ان کے لیے حصہ
فِي الْاٰخِرَةِ: آخرت میں
وَلَهُمْ: اور ان کے لیے
عَذَابٌ عَظِيْمٌ: بڑا عذاب

مفردات

اِنَّ الَّذِيْنَ: بے شک وہ جو
اشْتَرَوُا: خرید بیٹھے، تبادلہ کیا، لین دین کی
الْكُفْرَ: کفر
بِالْاِيْمَانِ: بدلے ایمان کے
لَنْ: ہرگز نہیں
يَّضُرُّوا اللّٰهَ: اللہ ضرر دے سکیں گے
شَيْـًٔا: ذرہ بھر
وَلَهُمْ: اوران کے لیے
عَذَابٌ: عذاب ہے
اَلِيْمٌ: دردناک

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا وہ ہرگز اللہ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے اوران کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

علامہ فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں (603):

''یہ آیت یہودی علماء کے بارے میں نازل ہوئی، اصل میں یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لوگوں کو بشارتیں دیتے پھرتے تھے اور کوئی مصیبت پڑتی تو آپ کے وسیلے سے دعائیں مانگتے لیکن جب سرکارِ ابد قرار مدینے میں جلوہ افروز ہوئے تو حسد وعناد میں گرفتار ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرنے لگے، یوں انہوں نے ایمان کی روشنی کو کفر کے اندھیروں سے بدل لیا''۔

اس سے پہلی آیت میں کہا گیا تھا کہ وہ لوگ جنہوں نے کفر میں جلدی کا بھانبڑ مچا رکھا ہے۔ یہ لوگ اللہ کو کوئی ضرر اور نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ اب اس آیت میں اسی جملے کا تکرار ہوا کہ وہ لوگ جو ایمان دے کر کفر لینے کا دھندا کر رہے ہیں وہ اللہ کو کوئی ضرر نہ دے سکیں گے۔

علامہ رازی نے تکرار کو تاکید کے معنوں میں لیا ہے گویا مسلمانوں کو یقین اور اعتماد کا خزانہ دے دیا گیا کہ وہ دھندے باز کافروں، منافقوں اور ظلمتوں کے عاشقوں سے ڈریں نہ، یہ اللہ کے دوستوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ یہ ناری مخلوق ہے ان کا کوئی بیج اگ نہیں سکتا اور ان کی کوئی فصل محمود انجام تک نہیں پہنچ سکتی، حسد اور عناد نے انہیں اندر سے چاٹ کر ختم کر دیا ہے، یہ کھوکھلے لوگ ہیں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا
نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾
مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ
الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ
تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

(178) اور کفر کرنے والے ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ ہم جو انہیں ڈھیل دیتے ہیں ان کے لیے بہتر ہے، بے شک ہم تو انہیں ڈھیل اس لیے دیتے ہیں کہ گناہ میں وہ اور بڑھ جائیں اور ان کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب ہے

(179) اللہ مومنوں کو اس حال پر چھوڑنے والا نہیں جس پر تم ہو حتیٰ کہ الگ کر دے گندوں کو پاکیزہ لوگوں سے اور نہ ہی اللہ غیب پر تمہیں مطلع کرنے والا ہے البتہ اللہ اس کے لیے اپنے رسولوں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے، تو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے

مفردات

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾

''اور کفر کرنے والے ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ ہم جو انہیں ڈھیل دیتے ہیں ان کے لیے بہتر ہے، بے شک ہم تو انہیں ڈھیل اس لیے دیتے ہیں کہ گناہ میں وہ اور بڑھ جائیں اور ان کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب ہے''۔

آیت میں روئے سخن کافرین، مشرکین، منافقین اور مسرعین فی الکفر کی طرف پھیر دیا گیا ہے اور عمیق لطافت کے ساتھ انہیں یہ بات سمجھا دی گئی ہے کہ گرفت و گیر میں تمہل کا یہ معنیٰ ہرگز نہ لیا جائے کہ انہیں ''جہانِ خیر'' کی سکونت مل گئی ہے، جہاں ان کے نفوس کے لیے خیر و عافیت کے دریا بہہ رہے ہیں۔ ڈھیل دینا اور مہلت دینا، عذاب اور ذلت میں شدت کے بڑھا دینے کے لیے ہے۔ عصیان شعاری اور گناہوں کی آلودگی کو آخری مرحلے تک پہنچانے کے لیے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ وہ لوگ کتنے بدقسمت، بدبخت اور بدحال ہوتے ہیں جو آگے بڑھنے کی لذت میں اپنے پیچھے کی راہوں کا ہر پل توڑ دیتے ہوں، واپس لوٹنے کا ان کے پاس کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ کفر اور گناہ کی چوسنیاں منہ میں رکھ کر جو لوگ زہر چوستے ہیں وہ تباہیوں سے بچ نہیں سکتے۔

آیت کا زمزمہ اس وقت ضوفشاں ہو گیا جب زینب سلام اللہ علیہا نے یہ آیت یزید کو مخاطب کر کے اس کے روبرو پڑھی اور فرمایا:

''معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے یزید سن اور غور سے سن!
میں علی کی بیٹی ہوں، حسن اور حسین کی بہن ہوں اور محمد
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نواسی ہوں
تُو آج مسرور اور خوش ہے اور سوچ رہا ہے کہ وسیع دنیا
میں نے آل محمد پر تنگ کر دی ہے اور آسمان کے کناروں کو
تو نے اُن پر بند کر دیا ہے اور قیدیوں کے لباس میں در بدر
پھرا رہا ہے اور اسے تو اپنی طاقت کا نشان گردان رہا ہے یا
اللہ کے ہاں تیری کوئی قدر و منزلت ہے اور آل محمد کے لیے
کوئی راہ نہیں بچی، تجھے یہ موقع فطرت نے اس لیے فراہم

وَلَا: اور نہ
یَحْسَبَنَّ: ہرگز گمان کریں
الَّذِیْنَ: وہ جو
کَفَرُوْٓا: کافر ہوئے
اَنَّمَا: کہ جو
نُمْلِیْ: ہم مہلت دے رہے ہیں
لَهُمْ: ان کو
خَیْرٌ: بہتر ہے
لِّاَنْفُسِهِمْ: ان کے نفسوں کے لیے
اِنَّمَا: بے شک نہیں ہے سوا اس کے
نُمْلِیْ: ہم مہلت دیتے ہیں
لَهُمْ: ان کو
لِیَزْدَادُوْٓا: تاکہ زیادہ ہو جائیں
اِثْمًا: از رو گناہ کے
وَلَهُمْ: اور ان کے لیے
عَذَابٌ: عذاب
مُّهِیْنٌ: ذلیل کر دینے والا

کیا کہ تیری پشت گناہوں کے بوجھ تلے دب جائے۔
یاد رکھ! دردناک عذاب تیری گھات میں ہے۔
اللہ کی قسم!
اگر حوادثِ زمانہ مجھے ایک قیدی عورت کی صورت میں تیری قلمرو میں لے آئے ہیں تو ہرگز ہرگز گمان میں نہ پڑ کہ میری نظر میں تیری کوئی وقعت اور منزلت ہے۔ میں تجھے پست، عزت سے محروم، ہر لحاظ سے حقیر اور پھٹکار کا مستحق سمجھتی ہوں۔ تجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے کر لے، میں تقدیر سے باہر ایک تنکا کی سرزنش بھی تسلیم نہیں کرتی۔
اللہ کی قسم!
تُو گھرانۂ رسول کے نور کو بجھا نہیں سکتا، تو قرآن کی آواز خاموش نہیں کر سکتا، تو آئینِ حق کو بے رونق نہیں کر سکتا اور ''وحیٔ جاوداں'' کا چراغاں تیرے مکر و منصوبہ سے بے نور نہیں ہو سکتا۔ تو نابود ہو جائے گا اور دین کا تابناک ستارہ ہمیشہ چمکتا رہے گا۔

قرآن مجید کی یہ آیت ان تمام حکمتوں کو بے نقاب کر دیتی ہے کہ ستم گروں اور عیاشی پیشہ لوگوں کے لیے مہلت کی رسیاں ڈھیلی کیوں کر دی جاتی ہیں ہاں یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے کہ لعینان آتش ذلت و سقوط کے آخری نکتہ کو چھو لیں اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انہیں نذرِ جہنم کر دیا جائے۔

واللہ اعلم

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

''اللہ مومنوں کو اس حال پر چھوڑنے والا نہیں جس پر تم ہو حتیٰ کہ الگ کر دے گندوں کو پاکیزہ لوگوں سے اور نہ ہی اللہ غیب پر تمہیں مطلع کرنے والا ہے البتہ اللہ اس کے لیے اپنے رسولوں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے، تو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لاؤ اور

مفردات

مَا: نہ
كَانَ: تھا کہ
اللّٰهُ: اللہ
لِيَذَرَ: چھوڑ دیتا
الْمُؤْمِنِيْنَ: مومنوں کو
عَلٰى: پر
مَآ: جو
اَنْتُمْ: تم لوگ ہو
عَلَيْهِ: اس پر
حَتّٰى: یہاں تک
يَمِيْزَ: وہ ممتاز کر دیتا، الگ الگ کر دیتا
الْخَبِيْثَ: گندے لوگوں کو
مِنَ: سے
الطَّيِّبِ: پاکیزہ لوگ
وَمَا كَانَ: اور نہ تھا کہ
اللّٰهُ: اللہ
لِيُطْلِعَكُمْ: تمہیں آگاہ کرتا
عَلَى الْغَيْبِ: مخفی راز کی باتوں سے
وَلٰكِنَّ: اور لیکن
اللّٰهَ: اللہ
يَجْتَبِيْ: وہ چن لیتا ہے، وہ منتخب کر لیتا ہے
مِنْ: سے
رُّسُلِهٖ: اپنے رسولوں
مَنْ: جسے
يَّشَآءُ: وہ چاہتا ہے
فَاٰمِنُوْا: سو ایمان لاؤ
بِاللّٰهِ: اللہ کے ساتھ

''میری اُمت مجھ پر پیش کی گئی جبکہ وہ مٹی کی مورتوں میں تھی۔ یہ نظارہ آدم نے بھی دیکھا۔ مجھے اللہ نے علم سے نواز دیا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لے آئے گا اور کون کفر کرے گا''۔

یہ خبر منافقین کو پہنچی تو استہزا اور ٹھٹھوں میں پڑ گئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں کہ میں ایمان والوں اور کافروں سب کو جانتا ہوں لیکن ہماری منافقت کی تو انہیں خبر نہیں۔ اس پر رحمت عالم منبر پر جلوہ فروز ہو گئے اور خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''ان لوگوں کا کیا حال ہے جو میرے علم میں طعن کرتے ہیں۔ یاد رکھو! آج سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے، کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کا تم مجھ سے سوال کرو اور میں تمہیں اس کی خبر نہ دوں''۔

اس پر عبداللہ بن حذافہ سہمی اٹھا اور بولا حضور میرا باپ کون ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''حذافہ''

فرطِ جلال کے اشاروں کو عمر رضی اللہ عنہ پا گئے اور اٹھ کر معافی مانگ لی پھر آپ نے فرمایا:

کیا تم باز آؤ گے

کیا تم باز آؤ گے

فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْن

یہ کہہ کر آپ منبر سے نیچے اتر آئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (604)۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا
لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ
مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع
لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ
سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا
عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾
ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ ج

(180) اور وہ لوگ جنہیں اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اس میں بخل کرنے والوں کو ہرگز یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ ان کے لیے بہتر ہے بلکہ وہ ان کے لیے نقصان دہ ہے، عنقریب قیامت کے دن وہ جس میں انہوں نے بخل کیا تھا ان کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی میراث ہے اور اللہ خوب خبر رکھنے والا ہے جو کچھ کہ تم کرتے ہو

(181) بے شک اللہ نے ان لوگوں کی بات کو سن لیا ہے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو محتاج ہے اور ہم غنی ہیں، اب ہم لکھ رکھتے ہیں جو بھی انہوں نے کہا اور ان کے نبیوں کو ناحق شہید کرنے کو بھی اور ہم حکم دیں گے چکھو جلا دینے والا عذاب

(182) تمہارے ہاتھوں نے جو کچھ آگے بھیجا یہ اس کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ یقیناً بندوں پر ظلم نہیں کرتا

وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ بِمَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ هُوَ خَيۡرًا لَّهُمۡ ؕ بَلۡ هُوَ شَرٌّ لَّهُمۡ ؕ سَيُطَوَّقُوۡنَ مَا بَخِلُوۡا بِهٖ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيۡرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۱۸۰﴾

''اور وہ لوگ جنہیں اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اس میں بخل کرنے والوں کو ہرگز یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ ان کے لیے بہتر ہے بلکہ وہ ان کے لیے نقصان دہ ہے، عنقریب قیامت کے دن وہ جس میں انہوں نے بخل کیا تھا ان کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی میراث ہے اور اللہ خوب خبر رکھنے والا ہے جو کچھ کہ تم کرتے ہو''۔

ربط آیات

1۔ گزشتہ آیات میں منافقوں کو مومنوں سے ممیّز کرنے کا ذکر تھا۔ اب آخرت میں مومن کا اپنے کردار کی بنا پر ممیّز ہونے کا ذکر ہے۔

2۔ گزشتہ آیات میں ایمان اور تقویٰ کا حکم دیا گیا۔ اب تقویٰ کا تقاضا بیان کیا جا رہا ہے کہ مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا تقویٰ ہی کے درخت کی شاخ ہے۔

3۔ گزشتہ آیات میں جہاد کا ذکر تھا۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ انفاق کے بغیر جہاد نہیں ہو سکتا۔

4۔ گزشتہ آیات میں جانوں کی سخاوت کرنے والوں کی مدح تھی، اب ان لوگوں کی مذمت ہے جو مال تک اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔

پس منظر

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان مال دار مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو زکوٰۃ نہیں دیتے تھے یا کم دیتے تھے (605) البتہ طبری نے لکھا کہ آیت ان یہودی علماء کے بارے میں نازل ہوئی جو تورات سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعتوں کا کتمان کرتے تھے۔ ان کا یہ بھی بخل تھا جس پر یہ آیت نازل ہوئی (606)۔

بقلی کے خوبصورت ارشادات

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان لوگوں کی مذمت کی ہے جن پر اللہ جل مجدہ کرم کی بارش برساتا ہے اور مکاشفات روحانی سے وہ آگاہ ہوتے ہیں لیکن طبیعت کے بخل کی وجہ سے وقائع اور حقائق کا وہ کتمان کر لیتے ہیں۔ اس نکتہ کا فہم یہ ہے کہ سخا کی اصل لوگوں کو عرفان حق کا راستہ بتانا ہے۔ مریدین پر

مفردات

وَلَا: اور نہ
يَحۡسَبَنَّ: گمان کریں ہرگز
الَّذِيۡنَ: وہ جو
يَبۡخَلُوۡنَ: بخل برتتے ہیں
بِمَاۤ: اس میں جو
اٰتٰهُمُ: دیا ہے انہیں
اللّٰهُ: اللہ
مِنۡ: سے
فَضۡلِهٖ: اپنے فضل
هُوَ خَيۡرًا: وہ بہتر ہے
لَّهُمۡ: ان کے لیے
بَلۡ هُوَ: بلکہ وہ
شَرٌّ: شر ہے
لَّهُمۡ: ان کے لیے
سَيُطَوَّقُوۡنَ: عنقریب طوق ڈالے جائیں گے
مَا: جو، جس
بَخِلُوۡا: انہوں نے بخل برتا
بِهٖ: ساتھ اس کے
يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ: قیامت کے دن
وَلِلّٰهِ: اور اللہ کے لیے ہے
مِيۡرَاثُ: میراث
السَّمٰوٰتِ: آسمانوں کی
وَالۡاَرۡضِ: اور زمینوں کی
وَاللّٰهُ: اور اللہ
بِمَا: ساتھ جو
تَعۡمَلُوۡنَ: تم کرتے ہو
خَبِيۡرٌ: آگاہ

یہ سخائے عظیم ہی ان کی محبتوں میں اضافہ کا باعث بنتی ہے اور ذوق عمل اور شوق عبادت ان کی زندگی میں بھڑک جاتا ہے۔

جو شخص حقائق سے آگاہ کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا وہ مال فدا کرنے کا حوصلہ کیسے رکھ سکتا ہے۔ اللہ کے دوست تو سخا کی برکتوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں مریدین مال کی سخاوت، محبین جانوں کے قربان کرنے کی سخاوت اور عارفین روحوں کو فدا کرنے کی سخاوت سے آراستہ ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بخل رویت لطائف سے اندھا کرتا ہے اور سخاوت دل کی آنکھ کو کھول دیتی ہے۔ ایک جہاں اللہ والے پر روشن ہو جاتا ہے جہاں روحانی خزائن اور وہبی تجلیات کے خزانے کائناتِ طلب کو مالا مال کر رہے ہوتے (607)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے (608):

ما جبلَ ولی اللہ الاَّ علی السخا

''ولی اللہ کی جبلت میں سخاوت ہوتی ہے''۔

بخل کیا ہے؟

''البخل'' کا معنیٰ مال کی کسی بھی قسم کو روک لینا (609)۔ راغب اصفہانی نے لکھا کہ بخل کی دو قسمیں ہیں: ایک تو یہ کہ انسان اپنی جمع جوڑ کے ساتھ بخل کرے یعنی خرچ نہ کرے اور دوسری قسم یہ ہے کہ انسان دوسرے کی جمع جوڑ کو خرچ ہوتے دیکھ بھی نہ سکے (610)۔

بخل اور شحّ میں فرق یہ ہوتا ہے کہ بخل عملی روک کے لیے استعمال ہوتا ہے اور شحّ اس قلبی اور ذہنی جذبہ کو کہتے ہیں جس کے ماتحت انسان بخل برتتا ہے اور شحّ میں اور بخل میں وسعت کے اعتبار سے فرق کیا جاتا ہے۔ شحّ میں حرص اور طمع بھی بخل کے ساتھ جمع ہو جاتے ہیں۔ دوسروں سے اپنی نعمتیں روک لینے والا شخص عملی طور پر مفسدِ معاشرہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید صاف طور پر اعلان کرتا ہے کہ جو قوم بخل میں پڑ جاتی ہے اُسے بساطِ زندگی سے الگ کر دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسری قوم کو قائم کر دیا جاتا ہے، جو تقویٰ اور سخاوت کے اصولوں پر زندگی استوار کرتی ہے۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ منفعت لوگوں کے لیے قائم رکھے اسی میں بقا کا راز مضمر ہے (611)۔

گلے کا طوق دولت

''یطوقون 'طوق'' سے ماخوذ ہے۔ جو چیز گلے میں ڈالی جائے وہ طوق ہوتا ہے۔ یہ مصنوعی بھی ہوسکتا ہے اور قدرتی طور پر بھی ہوسکتا ہے (612)۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾

''بے شک اللہ نے ان لوگوں کی بات کو سن لیا ہے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو محتاج ہے اور ہم غنی ہیں، اب ہم لکھ رکھتے ہیں جو بھی انہوں نے کہا اور ان کے نبیوں کو ناحق شہید کرنے کو بھی اور ہم حکم دیں گے چکھو جلا دینے والا عذاب، تمہارے ہاتھوں نے جو کچھ آگے بھیجا یہ اس کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ یقیناً بندوں پر ظلم نہیں کرتا''۔

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں (616):

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قینقاع کے یہودیوں کو خط لکھا۔ اس میں اسلامی احکام کی تفصیل لکھی۔ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا اور اللہ کو قرض دینا یعنی اموال کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد خط لے کر جب یہودیوں کے بیت المدارس میں پہنچا تو فخاص یہودی کے ہاتھ میں خط پکڑا دیا۔ اُس نے خط پر طنزیہ بحث کی کہ تمہاری باتیں اگر سچی ہیں پھر تو یہ کہنا چاہیے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ فخاص نے بعد میں اگرچہ انکار کر دیا لیکن الفاظ میں تناؤ اور گستاخی شدید تھی۔ اس موقع پر ان آیات کا نزول ہوا''۔

سید قطب فی ظلال القرآن میں لکھتے ہیں (617):

''یہ درست ہے کہ یہود اپنے گھٹیا ادبی ریکارڈ رکھنے میں ذلیل قوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کی اظہار اتی کمینگی ان کی تحریف شدہ کتابوں سے عیاں ہے۔ قرآن مجید نے ان کے جس قول کا حوالہ دیا ہے، یہ یہود کی انتہائی بے ادبی ہے، گستاخی ہے اور بدتمیزی ہے۔ قرآن مجید نے انہیں تنبیہ کی ہے کہ اللہ نے ان کا

مفردات

لَقَدْ: بے شک
سَمِعَ: سن لیا
اللّٰهُ: اللہ نے
قَوْلَ: قول
الَّذِيْنَ: وہ جو، وہ جنہوں نے
قَالُوْٓا: کہا انہوں نے
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
فَقِيْرٌ: محتاج ہے
وَّنَحْنُ: اور ہم
اَغْنِيَآءُ: غنی ہیں
سَنَكْتُبُ: عنقریب ہم لکھ لیں گے
مَا: جو
قَالُوْا: انہوں نے کہا ہے
وَقَتْلَهُمُ: اور ان کا قتل کرنا
الْاَنْۢبِيَآءَ: نبیوں کو
بِغَيْرِ حَقٍّ: ناحق
وَّنَقُوْلُ: اور ہم کہیں گے
ذُوْقُوْا: چکھو
عَذَابَ: عذاب
الْحَرِيْقِ: جلا دینے والا
ذٰلِكَ: یہ
بِمَا: اس سبب سے ہے جو
قَدَّمَتْ: آگے بھیجا
اَيْدِيْكُمْ: تمہارے ہاتھوں نے
وَاَنَّ اللّٰهَ: اور بے شک اللہ
لَيْسَ: نہیں ہے
بِظَلَّامٍ: ظلم کرنے والا
لِّلْعَبِيْدِ: اپنے بندوں پر

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا
بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ
بِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾
فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ
وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

(183) وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ نے ہم سے عہد لے رکھا ہے کہ ہم کسی بھی رسول پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ قربانی لائے جسے آگ کھا جائے۔ آپ فرمادیں! کتنے ہی رسول مجھ سے پہلے تمہارے پاس روشن نشانیوں کے ساتھ آئے اور وہ بھی لائے جو تم کہتے ہو پھر تم نے انہیں قتل کیوں کیا اگر تم سچے تھے

(184) تو اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ سے پہلے بھی کئی رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے جو محکم نشانیوں اور صحیفوں اور روشن کتاب کے ساتھ آئے

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾

''وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ نے ہم سے عہد لے رکھا ہے کہ ہم کسی بھی رسول پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ قربانی لائے جسے آگ کھا جائے، آپ فرما دیں! کتنے ہی رسول مجھ سے پہلے تمہارے پاس روشن نشانیوں کے ساتھ آئے اور وہ بھی لائے جو تم کہتے ہو پھر تم نے انہیں قتل کیوں کیا اگر تم سچے تھے''۔

آیت کی تفسیر میں فہم کی دو صورتیں ہیں:

ایک تفسیر تو وہ ہے جو ابنِ کثیر اور دیگر مفسرین نے نقل کی ہے۔

ابن کثیر لکھتے ہیں (618):

> ''یہود کہتے کہ آسمانی کتابیں جو پہلے نازل ہوئیں ان میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دے رکھا ہے کہ جب تک کوئی رسول تم پر یہ معجزہ نہ ظاہر کرے کہ اس کی امت میں سے جو شخص قربانی کرے اس کی قربانی کو آسمان سے قدرتی آگ آئے اور کھا جائے، اس کی بات تسلیم نہ کرو، ان پر تعریض کی جاتی ہے کہ یہودیو! پھر تم یہ بات بتاؤ کہ وہ رسول جو اس شان اور معجزات کے ساتھ تمہارے پاس آئے تم نے انہیں قتل کیوں کر دیا؟ قتل انبیاء کی تمہاری تاریخ بتاتی ہے کہ تم لوگ جھوٹے ہو، سچائی کو تسلیم کرنے والے نہیں، انکار حق کی جھوٹی بنیادیں تلاش کرتے رہتے ہو''۔

آیت کو سمجھنے کا دوسرا پہلو وہ ہے جسے علامہ رشید رضا نے اپنی تفسیر المنار میں نقل کیا، آپ رقم طراز ہوتے ہیں (619):

> ''یہود کی مذہبی تاریخ بتاتی ہے کہ ان کے ہاں قربانی کی ایک قسم جلی ہوئی قربانی کی ہے، اس کے مطابق وہ لوگ ایک

مفردات

اَلَّذِيْنَ: وہ جو
قَالُوْٓا: کہا انہوں نے
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
عَهِدَ: حکم دیا، عہد دیا
اِلَيْنَآ: ہماری طرف، ہم سے
اَلَّا: یہ کہ نہ
نُؤْمِنَ: ہم ایمان لائیں
لِرَسُوْلٍ: کسی رسول پر
حَتّٰى: یہاں تک کہ
يَاْتِيَنَا: آئے ہمارے پاس
بِقُرْبَانٍ: قربانی
تَاْكُلُهُ: کھا جائے اُسے
النَّارُ: آگ
قُلْ: فرمایئے
قَدْ: بے شک
جَآءَكُمْ: آئے تمہارے پاس
رُسُلٌ: رسول
مِّنْ: سے
قَبْلِيْ: مجھ سے پہلے
بِالْبَيِّنٰتِ: معجزات کے ساتھ
وَبِالَّذِيْ: اور اُس کے ساتھ
قُلْتُمْ: جو تم کہتے ہو
فَلِمَ: تو کیوں؟
قَتَلْتُمُوْهُمْ: تم نے انہیں قتل کر دیا
اِنْ: اگر
كُنْتُمْ: تھے تم
صٰدِقِيْنَ: صدق والے

جانور ذبح کرتے اور خاص رسوم کے مطابق اسے آگ لگا دیتے۔ان کا دعویٰ تھا کہ اللہ نے ہم سے عہد کر رکھا ہے کہ جلی ہوئی قربانی کا یہ حکم ہر آسمانی دین میں ہوگا چونکہ مسلمانوں کے دین میں یہ نہیں اس لیے ہم ایمان بھی نہیں لاتے''۔

تاریخی استناد پہلی ہی رائے کو ہے۔ویسے بھی علامہ رشید رضا جدت پسندی میں بعض اوقات بے جا طور پر بہت آگے نکل جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہدایت کی راہیں ہم پر روشن فرمائے۔سیدھا راستہ وہی ہے جو پہلے اکابر اور اسلاف نے اختیار فرمایا۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

''تو اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ سے پہلے بھی کئی رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے جو محکم نشانیوں اور صحیفوں اور روشن کتاب کے ساتھ آئے''۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں (620):

''فَاِنْ كَذَّبُوْكَ'' شرط ہے اور جزا محذوف ہے اور ''فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ'' اس کے قائم مقام ہے۔کہا گیا کہ دوسرے رسولوں کی تکذیب کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی تکذیب پر صبر کرنا اور رنجیدہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ پہلے سے منکرین کا یہ دستور چلا آیا ہے پس سبب کو ذکر کر کے جزا کو حذف کر دیا گیا ہے''۔

ایک دوسرا مفہوم بھی تفسیر میں سمویا ہوا محسوس ہو رہا ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو تنہا یہ آپ کی تکذیب نہیں ہے بلکہ یہ آپ سے پہلے رسولوں کی بھی تکذیب ہے کیونکہ آپ کی بعثت کی خبر تو پہلے رسولوں نے پہلے دے دی تھی، اصل میں ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کر کے دو ظلم کیے ہیں: ایک آپ کو نہیں مانا اور دوسرا پہلے رسولوں کے دعویٰ کو بھی رد کر دیا ہے۔

آیت میں ''البینات'' سے مراد واضح معجزات ہیں اور ''زبر، زبور'' کی جمع ہے۔''زبور'' سے مراد وہ کتاب ہے جس میں صرف احکام ہوں۔یہ لفظ ''زبرت الشئی'' سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ اچھا کرنا ہوتا ہے (621)۔

❁❁❁❁❁

مفردات

فَاِنْ: بعد ازاں اگر
كَذَّبُوْكَ: جھٹلایا انہوں نے
فَقَدْ: تو بے شک
كُذِّبَ: جھٹلائے گئے
رُسُلٌ: رسول
مِّنْ: سے
قَبْلِكَ: آپ سے پہلے
جَآءُوْ: آئے وہ
بِالْبَيِّنٰتِ: معجزات کے ساتھ
وَالزُّبُرِ: اور صحیفے
وَالْكِتٰبِ: اور کتاب
الْمُنِيْرِ: روشن

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ
فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ
اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾
لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۟ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَ اِنْ
تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

(185) ہر جان نے موت کو چکھنا ہے اور یقیناً تمہیں قیامت کے دن اجر پورے کے پورے ملیں گے اور جو آگ سے بچایا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہی کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی تو سامان غرور کے سوا کچھ نہیں

(186) تمہیں تمہارے مالوں اور جانوں میں ضرور آزمایا جائے گا اور تم ضرور اگلے کتاب والوں اور شرک کرنے والوں کی تکلیف دہ باتیں سنو گے اور اگر تم جمے رہے اور تقویٰ اختیار کیے رکھا تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے

مفردات

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

''ہر جان نے موت کو چکھنا ہے اور یقیناً تمہیں قیامت کے دن اجر پورے کے پورے ملیں گے اور جو آگ سے بچایا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہی کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی تو سامان غرور کے سوا کچھ نہیں''۔

قرآن مجید اپنے قاری کے سامنے دنیا کی زندگی کی محدودیت لا رہا ہے اور اعلان کر رہا ہے کہ جو بھی اس دنیا میں زندہ وجود ہے اُس کو فضا کے دائروں میں تحلیل ہو جانا ہے۔ یہاں اچھا ہے کوئی یا بُرا ہے اس نے موت کا ذائقہ ضرور چکھنا ہے۔ موت ہر وقت اپنا شکار تلاش کرتی رہتی ہے۔ آیت میں نفس سے مراد جسم اور روح کا مجموعہ ہے اور ذائقہ لفظ احساس کی کاملیت کی طرف اشارہ کر رہا ہے بلکہ چکھنا موت کے لیے ایسی تعبیر ہے کہ غذا کی لذت کی طرح موت بھی رواں رواں کے نیچے اپنا اثر محسوس کروا کر شاید کسی اور کے شکار کے لیے دوڑ پڑتی ہے۔ ممکن ہے اس کا یہ معنیٰ بھی نکلتا ہو کہ موت مکمل جمود، خمود اور نبود کا نام نہیں، اس کے بعد ایک اور قسم کی زندگی سے انسان کو ہم کنار کر کے نئی صبحوں اور نئی شاموں سے متجاذب کر دیا جاتا ہے۔ قران مجید کا اسلوب حیات بخش ہے کہ کہا جا رہا ہے کتنی موتیں ہیں جن کی غذا زندگیاں ہیں اور کتنی زندگیاں ہیں جن کی خوراک موتیں ہیں، بندہ بھروسہ کس پر کرے۔ یہاں حیرتوں کا سورج نصف النہار پر دکھائی دینے لگ جاتا ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ جام رحلت باری باری ہر ایک کے سامنے آتا ہے اور ہر شخص نے کنار جام لب آزمائی ضرور کرنی ہوتی ہے۔ فرق ہوتا ہے لیکن اس کا زاویہ اور ہوتا ہے، لب موت پہنچ کر بھی اقدار والوں اور اطوار والوں کے فرق اپنی پہچان کروا لیتے ہیں۔

آیت میں دوسرا جملہ دوسرے مرحلے کی حساسیت کو دلوں اور روحوں میں جاگزیں کر دیتا ہے، وہ ہے جزا و سزا کا مرحلہ، دنیا میں عمل ہوتا ہے لیکن جزا اُدھار ہوتی ہے لیکن وہاں عمل نہیں ہوتا لیکن جزا پوری کی پوری موجود ہوتی ہے۔

آیت کا تیسرا حصہ یہ ہے کہ وہ شخص جو دوزخ کی آگ سے بچ گیا اور جنت میں اسے داخلہ نصیب ہو گیا وہ سمجھ لے کہ کامیابیاں اس کا مقدر بن گئیں۔ مفہوم مقصودہ کے لیے تعبیر کا حسن ملاحظہ ہو کہ ''زحزاح'' کا اساسی معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ انسان کا خود کو کسی شئی کی قوت کشش سے دھیرے دھیرے باہر نکال لینا اور ''فوز'' کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ بندہ ہلاکت سے بچ جائے اور محبوب تک اس کی رسائی ہو جائے۔ آیت پڑھ کر ایسے محسوس ہوتا ہے کہ آگ بھڑک کر کچھ لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے، لیکن وہ

كُلُّ: سب کے سب، ہر ایک
نَفْسٍ: جان
ذَآئِقَةُ: چکھنے والا
الْمَوْتِ: موت کا ذائقہ
وَ اِنَّمَا: اور نہیں ہے سوا اس کے
تُوَفَّوْنَ: تم مکمل طور پر پاؤ گے
اُجُوْرَكُمْ: اپنے اپنے اجر
يَوْمَ: دن
الْقِيٰمَةِ: قیامت
فَمَنْ: تو جو
زُحْزِحَ: دور رہا
عَنِ: سے
النَّارِ: آگ
وَاُدْخِلَ: اور داخل کیا گیا
الْجَنَّةَ: جنت میں
فَقَدْ فَازَ: تو بے شک کامیاب ہو
وَمَا: اور نہیں ہے
الْحَيٰوةُ: زندگی
الدُّنْيَآ: دنیا کی
اِلَّا: مگر
مَتَاعُ: ساز و سامان ہے
الْغُرُوْرِ: فریب، دھوکہ

اعمال حسنہ کی طاقت سے خود کو دوزخ کی کشش کے خلاف باہر کی طرف کھینچ رہے ہیں، صرف دوزخ سے اپنے تئیں دور ہی نہیں کر رہے بلکہ جنت میں انہیں داخل ہونے کی بشارت بھی مل جاتی ہے۔

آیت اگلے مرحلے میں اپنے قاری کے سامنے دنیا کی حقیقت لے آتی ہے کہ دنیا کی زندگی بس متاع غرور ہے۔ ایسا سامان جس میں دھوکہ اور فریب لپٹا ہوا ہے۔ انسان اسے پتہ نہیں کیا کیا سمجھتا رہتا ہے۔ فنا پذیر دنیا انسانوں کو اپنی تمام تر مادی لذتوں میں ڈوب جانے کی دعوت دیتی ہے لیکن اللہ اپنے بندوں کو یہ سمجھا رہا ہے کہ یہ پیکر فانی اندر سے خالی ہے۔ کچھ بھی نہیں، انسان کو اپنے تکامل اور ارتقا کے لیے حقیقی سرچشموں کی طرف رخ کرنا چاہیے، وہاں ملنے والا ہر قیمتی سودا حقیقی اور منزل نواز ہوتا ہے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝۱۸۶

"تمہیں تمہارے مالوں اور جانوں میں ضرور آزمایا جائے گا اور تم ضرور اگلے کتاب والوں اور شرک کرنے والوں کی تکلیف دہ باتیں سنو گے اور اگر تم جمے رہے اور تقویٰ اختیار کیے رکھا تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے"۔

آیت میں آزمائش کا طبل بج رہا ہے، مسلمانوں کو بیدار کیا جا رہا ہے۔ ان کے دل کی دھڑکنوں میں عزم اور جوش بھرا جا رہا ہے۔ ان کی روحوں میں اپنے پیغمبر کی قدر و منزلت پر جان چھڑک دینے کی تڑپ پیدا کی جا رہی ہے لیکن اسلوب میں ٹھہراؤ کی تلقین بھی شامل ہے۔ مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تمہیں مخالفین اور مخاصمین کی طرف سے بدگوئی اور آزار رسانی کا مقابلہ بھی کرنا پڑے گا۔ شان نزول کے اعتبار سے تو کعب بن اشرف کی یاوہ گوئیوں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ اس کی ہجوگوئی، بدتمیزی خصوصاً مسلمان عورتوں کی شان میں بدتمیزی کا حوالہ دیا جا رہا ہے لیکن آیت کا انطباق معنوی کسی ایک واقعہ سے مربوط نہیں۔ مدینہ کا عمومی ماحول گستاخیوں اور بے باکیوں سے بھرا ہوا تھا۔ اسی ابر آلود فضا کو شائستگی اور حیا کی طرف لانے کے لیے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم صادر ہو گیا تھا لیکن مسلمانوں کو بھی ذہناً تیار کر دیا گیا کہ تم مشرکین اور یہود سے آئندہ بھی ایسی گندی باتیں سنتے رہو گے لیکن تم نے سفینۂ دعوت کو بھی آہستہ آہستہ آگے بڑھانا ہوگا۔

آیت کا تیسرا اور آخری حصہ ان دائمی تعلیمات اور تربیتی امور پر مشتمل ہے جو اسلامی زندگی میں ضروری ہیں۔ اسلام صرف لڑائیوں اور جھڑپوں کی تحریص نہیں دلاتا، اس کا مقصود دعوت تو انسانی زندگی کو آلائشوں سے پاک صاف کر دینا ہے۔ المناک حوادث کے موقع پر مسلمانوں کی چند روحانی اور اخلاقی ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں جن کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے دو چیزوں کا یہاں ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا ہے: ایک تو استقامت اور پامردی کے ساتھ رہنا اور ہر معاملہ کو صابر اور بردبار ہو کر نبھانا ہے اور دوسرا تقویٰ اور پرہیزگاری کا

مفردات

لَتُبْلَوُنَّ: تم ضرور آزمائے جاؤ گے
فِيْٓ: میں
اَمْوَالِكُمْ: اپنے اموال میں
وَاَنْفُسِكُمْ: اور اپنی جانوں کے معاملہ میں
وَلَتَسْمَعُنَّ: اور تم ضرور بالضرور سنو گے
مِنَ: سے
الَّذِيْنَ: ان لوگوں
اُوْتُوا: جو دیے گئے ہیں
الْكِتٰبَ: کتاب
مِنْ: سے
قَبْلِكُمْ: تم سے پہلے
وَمِنَ: اور سے
الَّذِيْنَ: ان سے
اَشْرَكُوْٓا: جنہوں نے شرک کیا
اَذًى: گندی باتیں
كَثِيْرًا: بہت زیادہ
وَاِنْ: اور اگر
تَصْبِرُوْا: تم صبر کرو گے
وَتَتَّقُوْا: اور تقویٰ پر قائم رہو گے
فَاِنَّ: تو بے شک
ذٰلِكَ: یہ
مِنْ: سے
عَزْمِ: محکم اور قابل اطمینان
الْاُمُوْرِ: امور

| | | |

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا
تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ
فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾
لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ
يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾
وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع
اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ
لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ ع

(187) اور اہل کتاب کو یاد دلاؤ جب اللہ نے ان سے پختہ عہد لیا کہ تم کتاب کو لوگوں کے درمیان خوب بیان کرنا اور اسے پوشیدہ نہ رکھنا مگر انہوں نے اسے اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور وہ بھی حقیر و قلیل پونجی کے عوض اسے بیچ ڈالا اور وہ بہت ہی بُرا کاروبار کر رہے ہیں

(188) تم ان لوگوں کے بارے میں ہرگز یہ گمان نہ کرنا جو اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں بے کیے کاموں پر بھی ان کی تعریف ہو، ہاں تو انہیں ہرگز عذاب سے محفوظ نہ سمجھنا اور ان کے لیے دردناک سزا ہے

(189) اور سارے آسماں اور زمین اللہ ہی کی ملک میں ہیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

(190) بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں

مفردات

وَ: اور
اِذْ: جب
اَخَذَ: لیا
اللّٰهُ: اللہ نے
مِيْثَاقَ: پختہ عہد
الَّذِيْنَ: ان سے جو
اُوْتُوا: دیے گئے
الْكِتٰبَ: کتاب
لَتُبَيِّنُنَّهٗ: تم نے لازمی طور پر اسے بیان کرنا ہے
لِلنَّاسِ: لوگوں کے لیے
وَلَا: اور نہیں
تَكْتُمُوْنَهٗ: چھپاؤ اسے
فَنَبَذُوْهُ: تو انہوں نے اسے پھینک دیا
وَرَآءَ: پیچھے
ظُهُوْرِهِمْ: اپنی پشتوں کے
وَاشْتَرَوْا: اور خرید و فروخت کی
بِهٖ: اُس کے ساتھ
ثَمَنًا: قیمت، پونجی
قَلِيْلًا: حقیر اور تھوڑی
فَبِئْسَ: تو بہت بُرا ہو
مَا: جو
يَشْتَرُوْنَ: جو انہوں نے بُری متاع خریدی

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

''اور اہل کتاب کو یاد دلاؤ جب اللہ نے ان سے پختہ عہد لیا کہ تم کتاب کو لوگوں کے درمیان خوب بیان کرنا اور اسے پوشیدہ نہ رکھنا مگر انہوں نے اسے اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور وہ بھی حقیر و قلیل پونجی کے عوض اسے بیچ ڈالا اور وہ بہت ہی بُرا کاروبار کر رہے ہیں''۔

اہل کتاب کی عہد شکنیوں کو قرآن مجید اہل محبت کے دلوں میں تاکیدات، وثوق و وضوح اور صراحت و بلوغ کے ساتھ راسخ کرنا چاہتا ہے اور وہ بھی ایسے جیسے اُمت کو سب سے زیادہ پیش آنے والا مسئلہ یہی ہوگا۔ اُمت مسلمہ میں بیعت کا سلسلہ بھی عہد الست اور عہد وفا ہی کی یاد ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے قرآن مجید کی تاکید اور اصرار کے باوجود مسلمانوں نے عہد شکنی کی قدیم تاریخ کا نفوذ ابھی تک چھوڑا نہیں۔

عہد وفا کا مرکزی عنوان حضرت محمد ﷺ پر ایمان، ان کی دعوات کی تصدیق اور ان کی صفات پر یقین ہے۔ صرف ایمان و تصدیق ہی آیت کا تفسیری عمود نہیں بلکہ پرانے حوالوں کو تازہ جذبوں کے ساتھ خوب اور خوب بیان کرنا ہے۔ بیان کرنے کے حکم کو پھر لام قسم اور نون تاکید ثقیلہ سے مؤکد کرنا لطافتوں کا سمندر موجزن کر دینے کے مترادف ہے، پھر اس پر مزید یہ کہنا کہ تم نے اسے چھپانا نہیں یوں لگتا ہے جیسے جنت کی ارغوانی جھیل سے جمال کنول کے رنگوں کو حرفوں میں اتار دیا گیا ہے۔ یاد رکھنے کی بات یہ بھی ہے کہ حریم حسن میں پرکاہ بے ادبی قابل برداشت نہیں ہوتی پھر عہد الست اور عہد وفا اور تعویذ میثاق کو پشتوں کی طرف پھینکنے کی اجازت کیسے دی جا سکتی تھی۔

بے ادبی اور بے اعتنائی کیسی بھی ہو نفسیاتی ہو یا ارادت کے ساتھ تعلق رکھتی ہو، عملی ہو یا روحانی ہو قابلِ مذمت ہوتی ہے۔ آیت میں تاریخی بے اعتنائی اور بے ادبی کو کنائے میں سمو کر بیان کرنا دو پہلو رکھتا ہے: یا تو جرم کی شدت کو حسّی بنا کر بیان کیا گیا ہے تاکہ فہم میں آسانی پیدا ہو جائے اور ممکن مخاطبین کے لیے کنایاتی تعبیر مہلت کی طرف اشارہ ہو کہ اب بھی سنبھل جاؤ، میرے محبوب سے وفا نبھاؤ، انہیں پیٹھ دے کر مردود نہ بنو، ان کے رخ زیبا سے پھوٹنے والی روشنی سے نہا کر محبوب ہونے کی منزل پالو۔

''ثَمَنًا قَلِيْلًا'' کے ساتھ خرید و فروخت کی تعبیر ان لوگوں کی شدید دنیا پرستی اور فکری انحطاط کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

متاعِ قلیل کے بدلے ایمان بیچنا محبت کو فروخت کر دینا اور عشق کی گرمی پر چڑھاوے لے لینا عشق رسالت تھوڑا ہی ہے، تجارت ہے، سوداگری ہے اور زراندوزی کا گھناؤنا کھیل ہے۔ گلِ نرگس کی ساری عظمت سورج کو پیٹھ نہ دینا ہے اور نصف النہار پر پہنچ کر سورج کی تمازتوں کو آنکھ میں اتار لینے کا حوصلہ ہے۔ عشق رسالت کے تقاضے تو اس سے بہت زیادہ ہیں۔

درود و سلام کے ساتھ
حسن محبوب میں ڈوب کر
عہد وفا کی تکمیل کے لیے
لگے رہو، اگلے جہاں کے سمندر
میں پہلی موج ہی تمہیں فضلیت مآب محبوب کے پیش رو کر دے گی۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

''تم ان لوگوں کے بارے میں ہرگز یہ گمان نہ کرنا جو اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں بے کیے کاموں پر بھی ان کی تعریف ہو، ہاں تو انہیں ہرگز عذاب سے محفوظ نہ سمجھنا اور ان کے لیے دردناک سزا ہے''۔

شان نزول

تفسیر مظہری میں قاضی ثنا اللہ پانی پتی نے یہ روایت رقم کی ہے (626):

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں:

''غزوۂ احد والے دن جب منافقین پیچھے رہ گئے تھے اور اپنے پیچھے رہ جانے پر وہ خوش بھی تھے۔ یہ آیت ان کے بارے میں اتری، اس لیے کہ حضور ﷺ کی جب واپسی ہوئی تھی تو یہ عذر تراش رہے تھے اور چاہتے تھے کہ عمل نہ کرنے پر بھی ان کی تعریف کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ کلام اُس موقع پر اتارا''۔

آیت کا شانِ نزول جاننے کے لیے دوسری روایت وہ ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے۔ حوالہ تفسیر بغوی کا ہے (627):

مروان نے اپنے دربان کو کہا:

''اے رافع!

مفردات

لَا: نہیں
تَحْسَبَنَّ: خیال کہ تو
الَّذِيْنَ: ان کو جو
يَفْرَحُوْنَ: خوش ہوتے ہیں
بِمَآ: اس سے جو
اَتَوْا: وہ لائے
وَّيُحِبُّوْنَ: اور پسند کرتے ہیں
اَنْ: یہ کہ
يُّحْمَدُوْا: تعریف کیے جائیں
بِمَا لَمْ: اس سے جو نہ
يَفْعَلُوْا: کیا انہوں نے
فَلَا: تو نہ
تَحْسَبَنَّهُمْ: خیال کہ تو ان کو
بِمَفَازَةٍ: بچنے والے
مِّنَ: سے
الْعَذَابِ: عذاب
وَلَهُمْ: اور ان کے لیے
عَذَابٌ: عذاب
اَلِيْمٌ: دردناک

فطرت ہے لیکن اس کے باوجود خدا دوست لوگ خود کو مسرت کے اظہار سے دور رکھتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنے اعمال کو کمتر سمجھتے ہیں یا پھر کہا جا سکتا ہے کہ آیت کا تعلق منافقین کے ساتھ ساتھ ان لوگوں سے وابستہ ہے جو مختلف کیفیات معاشرت میں رہتے ہیں اور اپنے بُرے اعمال پر مسرور ہیں اور لوگوں کو وہ ابھارتے ہیں کہ وہ زبان وقلم ان کی تعریف کے لیے خاص کر دیں۔

بھلے بھلے!!

بلہے!!!

کیا بات جی!! جواب نہیں!!

تمہاری طرح کون ہوگا؟

کوئی ماں ہے ہی نہیں جس نے تمہاری مثل جنم دیا ہو

نتھو خیرا گوری سنگوری

تفسیر خازن کی خوبصورت عبارت ملاحظہ ہو(630):

''یہ آیۂ کریمہ اگرچہ یہود یا منافقین کے بارے میں نازل ہوئی لیکن اس کا حکم عام ہے۔ ہر اس شخص کو یہ شامل ہے جو پسند کرتا ہو کہ اس کے بغیر کسی عمل کی تعریف کی جائے کام تو اُس نے بھلائی کا کیا ہی نہیں لیکن چاہتا یہی ہے کہ اس کی تعریف کی جائے۔ اسی طرح وہ شخص جو علم تو رکھتا نہیں لیکن خواہش رکھتا ہے کہ اُسے عالم اور مفتی کہا جائے ایسا شخص بھی سرزنش کا مستحق ہوگا''۔

آیت میں ''مفازہ'' مصدر میمی ہے اور ''فوز'' کے معنیٰ میں ہے اور لفظ کے آخر میں ''تا'' مصدر کی ہے۔ وحدت کا معنیٰ اس میں نہیں پایا گیا۔ اس صورت میں مفہوم آیت یہ ہوگا کہ تم گمان بھی نہ کرو کہ ایسے لوگ عذاب سے نجات پا کر کامیاب ہو جائیں گے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ''مفازہ'' ظرف مکان کے لیے ہے۔ اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ تم ان کو ہرگز گمان نہ کرو کہ وہ عذاب سے مکان نجات میں پہنچ سکیں گے۔

واللہ اعلم

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۸۹

''اور سارے آسمان اور زمین اللہ ہی کی ملک میں ہیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

گزشتہ آیت کے آخر میں کہا گیا تھا کہ خود پرست فریبیوں کے لیے دکھ والا عذاب ہے۔ اب اس آیت میں اسی بات کو جاری رکھا گیا ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ اللہ کی قدرت اور اقتدار سے باہر ہے۔

مفردات

وَلِلّٰهِ: اور اللہ کے لیے
مُلْكُ: ملک، سلطنت
السَّمٰوٰتِ: آسمانوں
وَالْاَرْضِ: اور زمینوں
وَاللّٰهُ: اور اللہ
عَلٰي كُلِّ: ہر ایک
شَيْءٍ: چیز
قَدِيْرٌ: قدرت رکھنے والا

یہاں تو آسمانوں اور زمینوں کی ہر شئی اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔ ''لِلّٰہِ'' پر لام ملکیت کا ہے نفع کا نہیں، اس لیے کہ اللہ نفع حاصل کرنے سے پاک ہے۔ اللہ میں صفات التوحید بیان کی گئی ہیں کہ اللہ ہر چیز کا مالک بھی ہے، قابض بھی ہے اور ہر شئی پر قادر بھی ہے''۔

واللہ اعلم

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾

''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں''۔

مفردات

اِنَّ: بے شک
فِیۡ: میں
خَلۡقِ: تخلیق، بنانے میں
السَّمٰوٰتِ: آسمانوں
وَالۡاَرۡضِ: اور زمینوں
وَاخۡتِلَافِ: اور اختلاف، مختلف ہونا
الَّیۡلِ: رات
وَالنَّهَارِ: اور دن
لَاٰیٰتٍ: نشانیاں ہیں
لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ: عقول والوں کے لیے

ربط آیت

1۔ گزشتہ آیت میں منافقین اور یہود کی سفلی خواہش کا ذکر تھا کہ وہ خود پسند ہیں۔ کرتے کچھ نہیں لیکن تعریفیں سن کر خوش ہوتے ہیں۔ اب اس آیت میں ''علم التوحید والصفات'' کے جلوے بتائے جا رہے ہیں کہ اصل ذکر اللہ ہی کا ہے سو اُسی کی تعریف کرو اور اُسی کی عظمت کے اذکار سنو۔

2۔ گزشتہ آیت میں بے شعور جہنمیوں کا ذکر تھا اب عقل اور شعور والوں کی صفات بتائی گئیں کہ ان کا اندازِ فکر کیا ہوتا ہے۔

3۔ گزشتہ آیت میں مذموم صفات کا بیان تھا اب اس آیت میں جنت تک پہنچا دینے والی صفات کا ذکر ہے۔

4۔ گزشتہ آیت میں بے دلیل باتوں کا یہود کے حوالے سے تذکار تھا اب اس آیت میں دلائل اور براہین کے ساتھ بات ہو رہی ہے۔

5۔ گزشتہ آیت میں بادشاہت کا ذکر تھا اب اس آیت میں بادشاہت کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔

شان نزول

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں (631):

''بعض مشرکین نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں توحید پر ایمان کی دعوت دیتے ہیں لیکن توحید ہماری عقلوں میں اترتی نہیں۔ اتنا بڑا جہاں اللہ اکیلے کیسے چلا سکتا ہے یا اکیلے وہ اسے کیسے بنا سکتا ہے ان کے جواب میں یہ آیت اتری''۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں (632):

''ایک بار مشرکین نے یہود سے ملاقات کی اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کیا تھے؟ یہود بولے عصا اور یدِ بیضا۔ انہیں یہ بات عیسائیوں سے بھی پوچھنے کا موقع ملا تو پوچھی عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کیا تھے؟ انہوں نے جواب دیا: مردے زندہ کرنا، کوڑھوں اور اندھوں کو شفا دینا۔ یہ لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی اگر صفا اور مروہ سونے کے بن جائیں تو ہم اللہ کی قدرت اور توحید کو مان جائیں گے اس پر یہ آیت اتری''۔

ایک سچی حکایت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''میں نے ام المومنین عائشہ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں عرض کی کہ آپ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کوئی بات سنائیں جو یادوں میں حیرتوں کا جلوہ دکھادے

آپ رونے لگ گئیں اتنا روئیں کہ یارائے ضبط نہ رہا

فرمانے لگیں:

ایک شب وصل کے رنگوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا میرے گھر ورود ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لحاف میں داخل ہوئے۔ قرب کی کیفیت یہ تھی کہ جسم منور کی تابشیں میرے جسم کو لمس کی خیرات دے رہی تھیں۔ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عائشہ کیا ایسے نہ کرلوں کہ آج شب میں اپنے ربّ کی عبادت میں بسر کروں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کا قرب مجھے عزیز ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منشا اور مراد کی تکمیل مجھے عزیز تر ہے اس لیے آپ جیسا چاہیں کرلیں تو آپ نے میرے قریب ہی عبادت شروع کردی۔ آپ نے قریب ہی پڑے ہوئے پانی سے وضو فرمایا اور نماز کے لیے کھڑے ہوگئے اور قرآن کی تلاوت شروع کردی، پھر آپ روئے، دعا کے لیے ہاتھ اٹھا تو زار و قطار رونا شروع کردیا، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ زمین سجدہ آپ کے مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی، اتنے میں بلال رضی اللہ عنہ صبح کی نماز کے لیے اطلاع کرنے حاضر ہوگئے۔ انہوں نے بھی عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا آپ کیوں رو رہے ہیں اللہ نے تو آپ کو معاف کیا ہوا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمانے لگے:

اے بلال رضی اللہ عنہ! کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں کیوں نہ گریہ کروں، آج کی رات ''اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ'' آیت نازل ہوئی۔

آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ان لوگوں کے لیے بربادی ہے جنہوں نے یہ آیت پڑھی اور اس میں تفکر نہ کیا''(633)۔

عبدالماجد دریا آبادی کی ترصیعات

''اللہ کی توحید اور فردیت کی، اس کی حکمت وصفت کی اور اُس کی قدرت اور حاکمیت کی حیران کن دلیلیں ملاحظہ ہوں: نظام فلکی اور اس کی تفصیلات، چاند، سورج، ستاروں کی تعداد، ان کے درمیانی فاصلے، ان کے باہمی تعلقات اور تاثرات اور ان کی گردشوں کی پیمائش، گرہن کے اسباب واوقات، ان کے مطالع اور مقارب، نور وحرارت کے قواعد وضوابط چشم کشا ہیں۔ رہی زمین توہیتِ ارض، مساحت ارض، طبقات ارض، معدنیات ارض، کششِ ارض، ہواؤں اور موسموں کے تغیرات دیکھنے کے لیے تو ایک فن بھی کافی نہیں۔ جغرافیہ، طبعی جغرافیہ، جیالوجی، فزیالوجی، میٹرولوجی، آرکیالوجی خدا جانے کتنے فنون پر فنون نکلتے آرہے ہیں لیکن کوئی اندازہ، تخمینہ، تجربہ، علم اور ادراک ''خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' کا ہی احاطہ نہیں کرسکتا ہر سُو آیتیں ہی آیتیں جلوے دکھا رہی ہیں''(634)۔

عقل اور لُبّ میں فرق

سورۂ بقرہ میں یہ ہی آیات اپنے جلووں کے ساتھ قاریٔ قرآن کے سامنے لائی گئی تھیں اور آخر آیت میں کہا گیا تھا کہ اس میں عقل والی قوم کے لیے نشانیاں ہیں اور اب یہاں جب یہ آیت اختتام پذیر ہوئی تو کہا گیا اس میں ''اُولِی الْاَلْبَابِ'' کے لیے نشانیاں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل کے دو حال ہیں: ایک ظاہری اور دوسرا باطنی، ظاہری حال کے لیے عقل ہی استعمال ہوتا ہے جبکہ عقل کے باطنی حال کے لیے ''لب'' لفظ استعمال ہوتا ہے اور یہ بھی کہ ''لب'' کا لغوی معنیٰ مغز ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے عقل کا کامل حال ''لب'' کہلاتا ہے۔ عقل دلائل کی مدد سے چلتی ہے اور ''لب'' مشاہدہ اور حفاظت کی حس کے ساتھ چلتی ہے۔ اسی لیے جہاں تفصیلی دلائل ذکر ہوئے تھے وہاں لفظ عقل لایا گیا اور جہاں بات پلے پڑ گئی وہاں ''لب'' لفظ استعمال کر دیا گیا(635)۔

❁❁❁❁❁

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ
فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ
سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾
رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿١٩٢﴾
رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۣ
رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾ ج

(191) وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے رہتے ہیں (اور دعا کرتے ہیں) اے ہمارے ربّ! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں فرمایا، بڑی قوت والی ہے تیری ذات سو ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ

(192) اے ہمارے پروردگار! بے شک تو نے جسے آگ میں جھونک دیا سو تو نے اسے خوب رسوا کر کے سزا دی اور ظلم کرنے والوں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا

(193) اے ہمارے ربّ! بے شک ہم نے ایک ندا دینے والے کی یہ دعوت ایمان کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ سن لی سو ہم ایمان لے آئے پروردگار ہمارے! بخش دے ہمارے گناہوں کو اور دور فرما ہم سے ہماری برائیاں اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ اٹھا

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

''وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے رہتے ہیں (اور دعا کرتے ہیں) اے ہمارے ربّ! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں فرمایا، بڑی قوت والی ہے تیری ذات سو ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ''۔

آیت خود یہ خوشبو بکھیرتی ہے کہ عقل والے کون ہیں؟

اور باطنی عقل کی گہرائیاں کس کا مقدر بنتی ہیں؟

وہ لوگ جو ہمہ دم اللہ کے ذکر اور یاد میں ڈوبے رہتے ہیں۔ کائنات ارضی وسماوی کا کوئی گوشہ وکنارہ ایسا نہیں جہاں آیات اللہ کا جلوہ نہ ہو اور اہل ذکر اس وسیع عالم کی دلکشیوں میں جذب ہو کر خالق ارض و سما کی یاد میں ڈوب نہ جاتے ہوں۔ آیت کا مفہوم کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ عقلمند وہ ہوتے ہیں جو قیام میں ہوں یا قعود کی حالت میں ہوں یا پہلو کے بل محوِ استراحت، اللہ کے ذکر میں ڈوبے ہوتے ہیں اور ارض وسما کی اسرار میں کھو جاتے ہیں اور اللہ کا تکوینی، تشریعی اور روحانی نظام سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

علامہ رازی اور ذکر کے تین معانی

- علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دل میں دل سے یاد کرتے رہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد کرتے رہتے تھے۔ اس ذکر سے مراد دل کا ذکر ہے۔
- علامہ رازی ذکر کرنے کی دوسری تعبیر یہ رقم فرماتے ہیں کہ زبان سے عقل والے ذکر کرتے رہتے ہیں۔ رازی لکھتے ہیں کہ زیادہ کامل بات یہ ہے کہ یہ لوگ دل اور زبان دونوں سے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص پسند کرتا ہو کہ وہ جنت کے باغات سے لطف مند ہو وہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرے''۔
- علامہ رازی نے ذکر کا تیسرا معنیٰ یہ لکھا کہ ذکر سے مراد نماز قائم کرنا ہے یعنی اہل عقل نماز قائم کرتے ہیں کھڑے ہو کر، اگر کھڑے ہونے سے عاجز آجائیں تو بیٹھ کر نماز ادا کرتے

مفردات

الَّذِيْنَ: وہ جو
يَذْكُرُوْنَ: ذکر کرتے ہیں
اللّٰهَ: اسم اللہ کا
قِيٰمًا: قیام کی حالت میں
وَّقُعُوْدًا: اور بیٹھتے ہوئے
وَّعَلٰى: اور پر
جُنُوْبِهِمْ: اپنے پہلوؤں
وَيَتَفَكَّرُوْنَ: اور سوچتے ہیں اور فکر کرتے ہیں
فِيْ: میں
خَلْقِ: تخلیق میں
السَّمٰوٰتِ: آسمانوں
وَالْاَرْضِ: اور زمین
رَبَّنَا: پروردگار ہمارے
مَا خَلَقْتَ: تو نے نہیں بنایا
هٰذَا: یہ سب کچھ
بَاطِلًا: عبث
سُبْحٰنَكَ: پاک ہے تو
فَقِنَا: پس بچالے ہمیں
عَذَابَ: عذاب
النَّارِ: آگ

ہیں اور اگر وہ بیٹھنے سے بھی عاجز آ جائیں تو لیٹ کر نماز ادا کرتے ہیں (636)۔

مظہری کی روایت

عمران بن حصین فرماتے ہیں (637):

> ''مجھے بواسیر کی بیماری لاحق ہوگئی تو میں نے بیمار شخص کی نماز کے بارے میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسئلہ پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نماز کھڑے ہو کر ادا کرو، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر ادا کرلو، اگر اس کی طاقت بھی نہ ہو تو کروٹ پر لیٹ کر ادا کرلو کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو طاقت سے زائد تکلیف نہیں دیتا''۔

تفکر کیا ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ تفکر کی طرح کوئی عبادت نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک مرتبہ ایک شخص اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا جونہی اس نے اپنا سر اُٹھایا تو اُس کی نظر آسمانوں اور تاروں پر پڑی تو اُس نے کہہ دیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک تمہارا کوئی خالق اور ربّ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف نظر کی اور اس کے گناہوں کو معاف کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہر چیز میں تفکر کرو لیکن اللہ کی ذات میں تفکر نہ کرو بے شک ساتویں آسمان سے کرسی تک سات ہزار نور ہیں اللہ سب سے بلند و بالا ہے (638)۔

''باطل'' کا معنیٰ

ائمہ لغت کی سوچیں اور تحقیقات ملاحظہ ہوں:

تاج العروس نے لکھا ہے کہ کسی چیز کو مخصوص کسوٹی پر پرکھا جائے اور وہ اس پر پوری نہ اُترے تو وہ ''باطل'' ہوتی ہے یعنی حق کے معیار پر پورا نہ اترنا (639)۔

ابن فارس نے لکھا کہ کسی چیز کا جاتے رہنا اور کم ٹھہرنا ''باطل'' کا اساسی معنیٰ ہے۔

لسان العرب نے لکھا ہے کہ کسی چیز کا ضائع چلے جانا ''تبطیل'' ہوتی ہے (640)۔

ابن عاشور نے لکھا ہے کہ کسی کوشش کے ٹھوس نتائج سامنے نہ آنا ''باطل'' کا بنیادی معنیٰ ہے۔

فخر الدین رازی نے لکھا کہ حق نہ ہونا ''باطل'' کا بنیادی مفہوم ہے (641)۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾

''اے ہمارے ربّ! بے شک ہم نے ایک ندا دینے والے کی یہ دعوت ایمان کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ سن لی سو ہم ایمان لے آئے پروردگار ہمارے! بخش دے ہمارے گناہوں کو اور دور فرما ہم سے ہماری برائیاں اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ اٹھا''۔

ندا کی تفسیری معنویت

''اَلنَّدیٰ'' کے بنیادی معنیٰ نمی، شبنم اور رطوبت کے ہوتے ہیں۔ ''شجر ندیان'' اُس درخت کو کہتے ہیں جو شگفتہ اور تروتازہ ہوتا ہے۔ ائمہ لغت نے یکجا ہونا بھی اس لفظ کا مفہوم نقل کیا ہے۔ پاٹ دار آواز، کھنک دار اور بلند آواز ''ندا'' ہوتی ہے اور آواز کی کھنک اس منہ سے زیادہ ہوتی ہے جس میں رطوبات زیادہ ہوں۔ ابو حیان اندلسی نے لکھا کہ لفظوں اور حرفوں سے جو آواز ترتیب پکڑے وہ صدا ہوتی ہے اور حرفوں کے سوا صرف اگر آواز سے مخصوص مفہوم اور طلب کی ادائیگی ہو رہی ہو تو وہ ندا ہوتی ہے۔ ''منادات'' ایک ہی مجلس میں بیٹھ کر گفتگو کرنا ہوتا ہے۔ ''دار الندوہ'' وہ جگہ جہاں مشاورتوں کا تبادلہ ہوتا ہے۔ ''المندیات'' وہ ذلیل کام جن سے پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہو۔ وہ روحانی اشارات اور آوازیں جن سے پیشانی پر پسینہ آجائے یا آنکھوں میں آنسو رواں ہو جائیں۔ ''النادیہ'' قبیلہ کو کہہ دیتے ہیں۔ ''متنادیٰ'' باہم آواز دینا اور ایک دوسرے کو مدد کے لیے پکارنا۔ ہمدردی کے ساتھ کسی کو خطرات سے بچنے کے لیے آواز دینا بھی ''ندا'' ہوتا ہے (647)۔

آیت میں ''منادی'' سے مراد

مفسرین نے آیت میں ''منادی'' سے مراد لینے میں دو قول نقل کیے ہیں: ایک تو یہ ہے کہ ''منادی'' سے مراد قرآن حکیم کی ندا ہے اور دوسرا قول یہ لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت مراد ہے (648)۔

آیات میں ''رَبَّنَآ'' کا تکرار

ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں کہ ان آیات میں پانچ مرتبہ ''رَبَّنَا رَبَّنَا'' کا تکرار ہے۔ اسلوب کی رعنائی ملاحظہ ہو کہ ہر مرتبہ اللہ سے اس کی نئی مہربانی اور نئی شفقت کا سوال کیا گیا ہے، پھر یہ کہ اسم اعظم اللہ کی بجائے ''رَبَّنَآ'' کی تلقین کی گئی ہے۔ اس سے اللہ کے مربی، مالک اور مصلح ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ آیت میں یہ تعلیم بھی موجود ہے کہ اللہ سے جب بھی سوال کیا جائے، بار بار سوال کیا جائے،

مفردات

رَبَّنَآ: پروردگار ہمارے
اِنَّنَا: بے شک ہم
سَمِعْنَا: سن لیا ہم نے
مُنَادِيًا: ندا دینے والا
يُّنَادِيْ: ندا دیتا ہے
لِلْاِيْمَانِ: ایمان کے لیے
اَنْ: یہ کہ
اٰمِنُوْا: ایمان لے آؤ
بِرَبِّكُمْ: اپنے پروردگار کے ساتھ
فَاٰمَنَّا: سو ہم ایمان لے آئے
رَبَّنَا: ربّ ہمارے
فَاغْفِرْ لَنَا: سو بخش دے ہمیں
ذُنُوْبَنَا: گناہ ہمارے
وَكَفِّرْ عَنَّا: اور دور کر دے ہم سے
سَيِّاٰتِنَا: ہماری خطاؤں کو
وَتَوَفَّنَا: اور اٹھا لے ہمیں
مَعَ: ساتھ
الْاَبْرَارِ: نیک لوگوں کو

جتنی بار زیادہ اُس سے مانگا جائے وہ خوش ہو کر اتنا ہی زیادہ عطا فرماتا ہے۔ خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ''رَبَّنَا رَبَّنَا'' کی کثرت کے ساتھ اللہ سے مانگو تو وہ ضرور عطا فرماتا ہے(649)۔

اچھوں کے ساتھ وفات کا معنیٰ

علامہ فخر الدین رازی نے اس کے تین معانی لکھے ہیں(650):

- پہلا معنیٰ یہ ہے کہ دعا میں یہ آرزو چمک رہی ہے کہ پروردگار ہمارے ہمیں نیک لوگوں کے گروہ میں سے بنا دے تا کہ ہم ان کی پیروی کرتے رہیں ایسے لوگ جن پر تیرا انعام ہوا ہے۔
- دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ جیسے وہ عزم و ہمت والے کام کرتے رہے اور شیطان ان پر اپنا تسلط نہ جما سکا ہمیں بھی اس عملی اور معنوی فضلیت سے نواز۔
- اور تیسرا معنیٰ یہ ہے کہ ربّ ہمارے جن اعمال پر تو نے ابرار کو اٹھایا ہے ہمیں بھی تو انہی اعمال پر استقامت سے نواز کر اپنی طرف اٹھا۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا
تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾
فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ
اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ
وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ
لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ
اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾
لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ؕ ﴿۱۹۶﴾

(194) اے ہمارے پالنے والے! اور عنایت فرما ہمیں وہ جس کا وعدہ تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے فرمایا ہے اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ فرمانا بے شک تو اپنے وعدے کی مخالفت نہیں فرماتا

(195) ان کے ربّ نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ میں ضائع نہیں کرتا تم میں سے کسی بھی عمل کرنے والے کا عمل کوئی مرد ہو یا عورت بعض تمہارے بعض سے ہیں تو وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں انہیں اذیت دی گئی اور قتال کیا انہوں نے یا شہید ہوئے میں ان کی برائیاں ضرور ان سے دور کروں گا اور یقیناً انہیں ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہوں گی، دیکھیے زبردست صلہ اللہ کی طرف سے اور اچھا ثواب تو اللہ ہی کے پاس ہے

(196) (اے قاریٔ قرآن) کافر لوگوں کی شہروں میں چلت پھرت تجھے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ کردے

مفردات

رَبَّنَا: پروردگار ہمارے
وَ: اور
اٰتِنَا: عطا فرما ہمیں
مَا: جو
وَعَدْتَّنَا: تو نے وعدہ کیا ہے
عَلٰى: پر
رُسُلِكَ: رسولوں کے ذریعے
وَلَا تُخْزِنَا: اور رسوا نہ کر ہمیں
يَوْمَ: دن
الْقِيٰمَةِ: قیامت کے دن
اِنَّكَ: بے شک تو
لَا تُخْلِفُ: مخالفت نہیں کرتا
الْمِيْعَادَ: وعدہ کی

فَاسْتَجَابَ: تو قبول کر لی
لَهُمْ: ان کے لیے
رَبُّهُمْ: ان کے ربّ نے
اَنِّيْ: بے شک میں
لَآ: نہیں
اُضِيْعُ: ضائع کرتا
عَمَلَ: عمل
عَامِلٍ: عمل کرنے والے کا
مِّنْكُمْ: تم میں سے
مِّنْ: سے
ذَكَرٍ: مرد ہو
اَوْ: یا
اُنْثٰى: عورت ہو

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿١٩٤﴾

''اے ہمارے پالنے والے! اور عنایت فرما ہمیں وہ جس کا وعدہ تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے فرمایا ہے اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ فرمانا بے شک تو اپنے وعدے کی مخالفت نہیں فرماتا''۔

قاضی ثنا اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعے جنت میں ثواب عطا کرنے، اپنے دیدار کا شرف عطا کرنے، اپنی رضا سے نوازنے، مراتب قرب دینے اور دنیا میں اعداء الدین کے خلاف مدد کا وعدہ کیا ہے (651)۔

اللہ تعالیٰ نے دعاؤں میں جتنی بھی چیزوں کا ذکر کیا ہے ان کے ملنے کا عقیدہ یقینی طور پر رکھنا چاہیے۔ آیت میں اصل میں توفیقات خیر کی آرزو کی جا رہی ہے اور یہ ہی مسلمان کا سرمایہ ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿١٩٥﴾

''ان کے ربّ نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ میں ضائع نہیں کرتا تم میں سے کسی بھی عمل کرنے والے کا عمل کوئی مرد ہو یا عورت بعض تمہارے بعض سے ہیں تو وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں انہیں اذیت دی گئی اور قتال کیا انہوں نے یا شہید ہوئے میں ان کی برائیاں ضرور ان سے دور کروں گا اور یقیناً انہیں ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہوں گی، دیکھیے زبردست صلہ اللہ کی طرف سے اور اچھا ثواب تو اللہ ہی کے پاس ہے''۔

شان نزول

علامہ بغوی نے اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں سن رہی ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں مردوں کا ذکر کرتا ہے لیکن عورتوں کا ذکر نہیں فرماتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی (652)۔

مفردات

بَعْضُكُمْ: بعض تمہارے
مِّنْ: سے
بَعْضٍ: بعض
فَالَّذِيْنَ: سو وہ جو
هَاجَرُوْا: ہجرت کی انہوں نے
وَاُخْرِجُوْا: اور نکالے گئے
مِنْ دِيَارِهِمْ: اپنے گھروں سے
وَاُوْذُوْا: اور دکھ پہنچائے گئے
فِيْ سَبِيْلِيْ: میری راہ میں
وَقٰتَلُوْا: اور قتال کیا انہوں نے
وَقُتِلُوْا: اور قتل کیے گئے
لَاُكَفِّرَنَّ: میں ضرور بالضرور دور کروں گا
عَنْهُمْ: ان سے
سَيِّاٰتِهِمْ: ان کے گناہ
وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ: اور ضرور بالضرور ان کو داخل کروں گا
جَنّٰتٍ: باغات میں
تَجْرِيْ: رواں ہوں گی
مِنْ: سے
تَحْتِهَا: ان کے نیچے سے
الْاَنْهٰرُ: نہریں
ثَوَابًا: ثواب
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ: اللہ کی طرف سے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
عِنْدَهٗ: اس کے پاس
حُسْنُ: اچھا
الثَّوَابِ: ثواب ہے

اجاب اور استجاب میں فرق

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں: ''اجاب'' اور ''استجاب'' عام طور پر ایک ہی معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں لیکن دونوں میں ایک فرق ضرور کیا جاتا ہے کہ ''استجاب، اجاب'' سے خاص ہے اس کی وضاحت شیخ زادہ کی عبارت سے ہو جاتی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ''اجاب'' کا معنیٰ ہوتا ہے اُس نے جواب دیا اور جواب دینا کبھی مطلوب کے حاصل ہونے پر دلالت کرتا ہے اور کبھی دلالت نہیں بھی کرتا ہے لیکن ''استجاب'' مطلوب کے حاصل ہونے پر صریح دلالت کرتا ہے (653)۔

اعمال ضائع نہ کرنے کا مطلب

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ ''اضاعت'' کا مطلب ہے ثواب نہ پہنچانا اور ''لَآ اُضِيْعُ'' میں نفی پر نفی پائی گئی ہے جو اثبات کا فائدہ دیتی ہے لہذا جملہ کا مفہوم تفسیری ہوگا کہ میں تمہارے اعمال کا ثواب پہنچاؤں گا۔ آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کر لیا ہے اور وہ ان کے اعمال اور اطاعت کی جزا دے گا اور انہیں ثواب عطا فرمائے گا (654)۔

معنوی عموم کا جمالیاتی رنگ

آیت کا جمالیاتی رنگ ملاحظہ ہو کہ پہلے دعا کی اجابت بیان ہوئی یہ ایسے ہی ہے جیسے روشنیوں کے طالبین کے لیے سورج طلوع ہو گیا ہو، بعد ازاں اس روشنی کے منعکس ہونے کا فیضان بتایا گیا کہ یہ اللہ ہی کے لطف و کرم اور احسان و عطا کا اثر ہے کہ تمہارے اعمال قبولیت کی خوشبو سے معطر ہو گئے۔ کوئی چیز، کوئی ادا اور کوئی وضع عمل ضائع نہ ہوئی اور یہ عطاؤں کا موجزن سمندر کسی خاص گروہ سے مخصوص نہیں، مرد ہو یا عورت فیض کے اس چشمۂ حیوان سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے ''بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ'' کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ تم سب ایک ہی دین کے پیرو ہو اور ایک ہی صدق کے طرف دار ہو۔ تمہاری یہ ادا اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور تمہارا یہ رنگ تمہارے ہم کار ہونے پر دلیل فراہم کر رہا ہے۔

علامہ آلوسی کا حسن رنگ بیان

علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی کے اندر اعمال میں تفاوت بیان کیا اور جزاً الاعمال بیان کی۔ لطافتوں کی عنبر فشاں تعبیرات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث لائے (655)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشار فرمایا:

''سب سے پہلے جنت میں تین قسم کے لوگ داخل ہوں گے: فقرأ مہاجرین جن کی وجہ سے مصائب سے بچاؤ ہو

آیت نازل ہوئی اور انہیں سمجھایا گیا کہ حالات جیسے بھی ہیں وہ وقتی ہیں، کافروں کی چلت پھرت تمہیں کم ہمت نہ بنائے، تم مسلمانوں کی تکلیفیں بھی عارضی ہیں۔

ایک مفسر نے یہ بات درست اور صحیح لکھی کہ بعض بے ایمانوں کی مادی ترقی اس لیے بھی ہوتی ہے کہ وہ دولت سمیٹنے میں کسی اصول اور قانون کے قائل نہیں ہوتے۔ وہ جائز ناجائز ہر طریقے سے یہاں تک کہ وہ بے کسوں کا خون چوس کر بھی دولت سمیٹنے میں لگے رہتے ہیں جبکہ اہل ایمان حق و عدالت کے اصولوں کی ملحوظ رکھتے ہیں اس لیے دونوں کے حالات کو ایک دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا(656)۔

''غرہ'' کا لغوی معنیٰ

''غرہ'' کا لغوی معنیٰ جاگتے ہوئے، غافل ہونا ہوتا ہے۔ گھوڑے کی پیشانی سفید ہونا اسے بھی ''غرہ'' کہتے ہیں۔ تلوار کی تیزی، کپڑے میں پھٹے ہونے کا نشان ''غرار'' ہے۔ دھوکہ میں ڈالنا بھی ''غرہ'' ہوتا ہے(657)۔

''غرت الناقہ'' کا مفہوم ہوتا ہے اونٹنی کا دودھ کم ہو جانا ''اغرار'' ہے۔ آیت میں خطاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے لیکن مراد اُمت ہے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

مَتَاعٌ قَلِيلٌ ۚ ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾
لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾
وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ
اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ اُولٰٓئِكَ
لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩٩﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ﴿٢٠٠﴾

(197) یہ متاع بہت تھوڑی سی ہے پھر ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ رہنے کے لیے بہت بری جگہ ہے

(198) لیکن ایسے لوگ جو اپنے ربّ سے ڈرتے رہے ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں وہ لوگ ہمیشہ ان میں رہنے والے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے ان کی مہمانی ہے اور نیک لوگوں کے لیے اللہ کے پاس خیر ہی خیر ہے

(199) اور یقیناً بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا تمہاری طرف اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف، وہ ڈرنے والے ہوتے ہیں، اللہ کے لیے سودے نہیں کرتے اللہ کی آیتوں کے حقیر سی پونجی پہ، ایسے لوگوں کا اجر ان کے ربّ کے پاس ہے یقیناً اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے

(200) اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلہ میں ثابت قدم رہو اور حفاظت دین کے لیے مستعد رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۚ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾

''یہ متاع بہت تھوڑی سی ہے پھر ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ رہنے کے لیے بہت بری جگہ ہے''۔

تفسیر وتعبیر

کافروں کا کروفر سے زندگی گزارنا، تجارت میں ان کا نفع کمانا اور مادی زندگی میں ان کے دھوکے اور اعزاز متاع قلیل ہے۔ علامہ فخر الدین رازی نے یہ درست لکھا ہے کہ دنیا کی نعمتیں آفات اور حسرتوں سے ملی جلی ہوتی ہیں یقیناً انہوں نے ختم بھی ہو جانا ہوتا ہے یقیناً اس اعتبار سے انہیں متاع عظیم نہیں متاع قلیل ہی کہا جا سکتا ہے (658)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (659):

''دنیا کا نفع آخرت میں ایسے ہی ہوتا ہے جیسے تم میں سے
کوئی ایک اپنی انگلی دریا میں ڈالے اور پھر نکال کر دیکھے
اس کی انگلی کیا لے کر دریا سے لوٹی''۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

''لیکن ایسے لوگ جو اپنے ربّ سے ڈرتے رہے ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں وہ لوگ ہمیشہ ان میں رہنے والے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے ان کی مہمانی ہے اور نیک لوگوں کے لیے اللہ کے پاس خیر ہی خیر ہے''۔

آیت کریمہ میں تقویٰ پر قائم عظیم المرتبت لوگوں کے لیے جمالیاتی جزائیں بیان کی گئیں ہیں۔ تقویٰ کا اشارہ ان امور کی طرف ہے:

- وہ جو اعتقاد میں اللہ تعالیٰ کے نظام ربوبیت پر قائم ہوں
- وہ جو تدریجاً اور مسلسل جدوجہد پر عملی یقین رکھتے ہوں
- وہ جو حرام کاموں سے بچتے ہوں
- وہ جو جہاد کا مفہوم اچھی طرح جانتے ہوں
- وہ جو پنج تنی ایمان کے مبادیات سے آگاہ ہوں

مفردات

مَتَاعٌ: سازوسامان
قَلِيْلٌ: تھوڑا سا حقیر
ثُمَّ: پھر
مَاْوٰىهُمْ: ان کا ٹھکانہ
جَهَنَّمُ: دوزخ
وَبِئْسَ: اور بہت برا
الْمِهَادُ: آرام کی جگہ، آماجگاہ اور بچھونا وغیرہ

لٰكِنِ: لیکن
الَّذِيْنَ: وہ جو
اتَّقَوْا: تقویٰ کیا
رَبَّهُمْ: اپنے ربّ کے احکام پر
لَهُمْ: ان کے لیے
جَنّٰتٌ: باغات ہیں
تَجْرِيْ: رواں ہیں
مِنْ: سے
تَحْتِهَا: اس کے نیچے
الْاَنْهٰرُ: نہریں
خٰلِدِيْنَ: وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے
فِيْهَا: اس میں
نُزُلًا: مہمان نوازی ہوگی
مِّنْ: سے
عِنْدِ اللّٰهِ: اللہ کی طرف
وَمَا: اور جو
عِنْدَ اللّٰهِ: اللہ کے ہاں
خَيْرٌ: بہت اچھا ہے
لِّلْاَبْرَارِ: نیکوکاروں کے لیے

- وہ جو احکام الٰہیہ پر کاربند ہوں
- وہ جن کی روحانی زندگی مضبوط ہو
- وہ جن کے دل میں اللہ سے خوف اور اللہ کے لیے خشیت موجود ہو۔

جنت میں مہمان نوازی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا(660):

''جو شخص جنت میں داخل ہوگا اسے نعمتیں حاصل ہوں گی اور جنت میں اُسے کسی بھی قسم کی احتیاج نہ ہوگی اور نہ ہی اس کے کپڑے پرانے ہوں گے اور نہ ہی اس کی جوانی فنا ہوگی''۔

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا(661):

''دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور قحط کی صعوبتیں لیے ہوتی ہے۔ مومن جب دنیا سے جدا ہوتا ہے تو گویا اس کی جان زنداں اور قحط سالی سے چھوٹ جاتی ہے''۔

البحر المحیط میں یہ روایت موجود ہے(662):

''جنت میں دُرّہ رکھنے کی جگہ بھی دنیا و مافیہا کی نعمتوں سے بہتر ہوگی''۔

اللہ کی طرف سے مہمان نوازی مزے کا جملہ ہے۔ مفسرین نے لکھا کہ سب سے بڑی نعمت جو جنت کے مہمانوں کے حصے میں آئے گی وہ اللہ کے دیدار کا شرف ہے(663)۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

''اور یقیناً بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا تمہاری طرف اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف، وہ ڈرنے والے ہوتے ہیں، اللہ کے لیے سودے نہیں کرتے اللہ کی آیتوں کے حقیر سی پونجی پہ، ایسے لوگوں کا اجر ان کے ربّ کے پاس ہے یقیناً اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے''۔

تفسیر صاوی میں آیت کا شان نزول یوں لکھا گیا ہے(664):

مفردات

وَاِنَّ: اور بے شک
مِنْ: سے
اَهْلِ: اہل
الْكِتٰبِ: کتاب
لَمَنْ: ایسے ہیں جو
يُّؤْمِنُ: ایمان لاتا ہے
بِاللّٰهِ: اللہ پر
وَمَآ: اور جو
اُنْزِلَ: اتارا گیا
اِلَيْكُمْ: تمہاری طرف
وَمَآ: اور جو
اُنْزِلَ: اتارا گیا
اِلَيْهِمْ: ان کی طرف
خٰشِعِيْنَ: ڈرنے والے
لِلّٰهِ: اللہ کے لیے
لَا: نہیں
يَشْتَرُوْنَ: خریدتے
بِاٰيٰتِ: آیات
اللّٰهِ: اللہ کی
ثَمَنًا: قیمت
قَلِيْلًا: تھوڑی
اُولٰٓئِكَ: یہ لوگ
لَهُمْ: ان کے لیے
اَجْرُهُمْ: ان کا اجر ہے
عِنْدَ: نزدیک
رَبِّهِمْ: ان کے ربّ کے
اِنَّ: بے شک

تیسرا امتیازی وصف

قرآن مجید ان کی معتدل اور متوازن طبیعت کی عکاسی کرتا ہے کہ وہ قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، اس لیے کہ ان کی آسمانی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بشارتیں موجود ہیں اور یہی چیز ان کے ہاں اسلام کے بارے میں یکسوئی کی وجہ بنی ہے۔

چوتھا امتیازی وصف

تسلیم ورضا کے پیکر یہ حضرات چوتھی امتیازی صفت خشوع کی رکھتے ہیں۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ خشوع کا معنیٰ عجز اختیار کرنا، ڈرنا اور خود کو چھوٹا سمجھنا ہوتا ہے خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ خشوع اس خوف کو کہتے ہیں، جو اللہ کی طرف سے دلوں کو حاصل ہوتا ہے (667)۔ ابو حیان اندلسی کہتے ہیں کہ خشوع اور خضوع، تعاظم اور استکبار کے منافی ہوتا ہے۔ تعاظم خود کو کو برا سمجھنا اور استکبار تکبر کرنے کو کہتے ہیں (668)۔

پانچواں امتیازی وصف

ان کی پانچویں صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو آیات سمجھتے ہیں، انہیں معاشی دھاندلیوں کی نذر نہیں کرتے۔ رذیل مال کی ان کی زندگی میں کوئی قیمت نہیں ہوتی وہ مال کے عوض نبوی اوصاف کو چھپاتے نہیں جبکہ بعض لوگ تو مذہب کو تجارت بنا لیتے ہیں۔

دروازے تم سب اونچے بنالو
میں قدرے آدمی بڑے بناتا ہوں
آؤ! خوشی سے گردن نیچی رکھ کر
کوئی عاجز ہو تو یارو جلوے میں دکھاتا ہوں
غم عشق کا کھانا تو نے ہے تو دعوت کر قبول
ایسے مستوں ہی کو تو رب رب میں کراتا ہوں
ترابی ہوں ترابی ہوں ترابی
مار کے پھونک مٹی اندر لاہوتی میں بناتا ہوں
چپ کر چپ کر کھینچ لے دم اپنے اندر
تو دل پہ نقش اللہ کا ذکر ایسے میں کراتا ہوں

مفردات

لالہ لالہ کہتا تھا مرشد مرشد کہتا ہوں
خون کے آنسو روتا تھا خون کے اشک رلاتا ہوں
کہہ دیا تھا مرشد نے جدھر میں اُدھر تو
دشمن تیرے کو شاہ جی نسبت یاد کراتا ہوں
ولی ولی جہاں بھی ہو علی علی کرتا ہے
علی علی کر لو تم علی کا ورد کراتا ہوں

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۟

یٰۤاَیُّهَا: اے
الَّذِیْنَ: وہ جو
اٰمَنُوا: ایمان لائے ہو
اصْبِرُوْا: صبر کرو
وَصَابِرُوْا: اور صبر میں مقابلہ کرو
وَرَابِطُوْا: اور مستعد ہو کر سرحدوں کی حفاظت کرو، رابطہ رکھو، تیاری کرو وغیرہ
وَاتَّقُوا: اور ڈرو
اللّٰهَ: اللہ سے
لَعَلَّكُمْ: تاکہ تم
تُفْلِحُوْنَ: تم فلاح پاؤ

''اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلہ میں ثابت قدم رہو اور حفاظت دین کے لیے مستعد رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو''۔

سورۂ آل عمران کی آخری آیت میں ایمان والوں کو فوز و فلاح کا ایک چار نکاتی لائحہ عمل دیا گیا ہے۔

- پہلا نکتہ صبر کرنا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کی کامیابی اور کامرانی صبر کی خو مربوط کر دی گئی ہے۔ اس لفظ کا لغوی معنیٰ روکنا ہوتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ صبر کا ایمان سے وہی تعلق ہے جو سر کا بدن سے ہے۔ عام طور پر صبر کی چار اقسام بیان کی گئی ہیں:
  1۔ توحید اور عالم آخرت کے پہچاننے میں غور و فکر کے جو مراحل پیش آتے ہیں اس میں جو مشقت اٹھانی پڑتی ہے وہ صبر ہے۔
  2۔ واجبات کے ادا کرنے میں جو تکلیفیں پیش آتی ہیں مثلاً روزہ میں بھوک پیاس اور سردیوں میں نماز ادا کرنے کے لیے ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا، یہ تکلیفیں برداشت کرنا لیکن فریضہ ادا کرنا یہ صبر ہے۔
  3۔ نفس کو خواہشات سے روکنا اور گناہوں کے دواعیات سے بھی رک جانا یہ صبر ہے۔
  4۔ مصائب اور تکلیفیں جو حادثاتی، اتفاقی اور قدرتی پیش آتی ہیں انہیں برداشت کرنا صبر ہے۔
- دوسرا نکتہ مصابرہ ہے۔ یہ بات مفاعلہ سے ہے اس کا معنیٰ ہے دوسروں کی ضد یا استقامت کے مقابلہ میں استقامت اور ثبات دکھانا۔ یہ دشمن کے مقابلہ میں اولوالعزمی کے ساتھ ڈٹ جانا ہے۔
- تیسری چیز مرابطت ہے اس لفظ کا مادہ ''رباط'' ہے۔ اس کا لغوی معنیٰ کسی چیز کو

دوسری چیز سے باندھ دینا، اسی سے قافلوں کے ٹھہرنے کی جگہ کو ''رباط'' کہتے ہیں۔ ''مرابطہ'' کا معنیٰ اسلامی سرحدوں کی نگہبانی بھی ہوتا ہے، علماء جو دین کی حفاظت میں لگے رہتے ہیں وہ بھی ''مرابطین'' ہوتے ہیں۔ وہ صوفیہ بھی ''مرابطین'' ہیں جو لوگوں کے دلوں کو اللہ کی محبت سے باندھ دیتے ہیں۔

- چوتھا فلاحی نکتہ اللہ سے ڈرنا اور تقویٰ کے مراعات کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ یہ تقویٰ ہی ہے کہ کسی بھی قسم کی ریاکاری، خود پسندی اور شخصی اغراض کو مومنوں سے قریب نہیں آنے دیتا۔

❁❁❁❁❁

(1) تفسیر قرطبی آیت لا یکلف اللہ: قرطبی
(2) عرائس البیان: شیخ
(3) عرائس البیان: شیخ
(4) عرائس البیان: شیخ
(5) روح البیان: اسماعیل حقی
(6) روح المعانی: آلوسی
(7) تفسیر پانی پتی: قاضی ثناء اللہ
(8) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ
(9) تفسیر قرطبی: قرطبی
(10) سنن ابن ماجہ: ابن ماجہ ایضاً ترمذی ایضاً حاکم
(11) روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً مظہری
(12) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(13) روح المعانی: آلوسی
(14) روح البیان: اسماعیل حقی
(15) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(16) المفردات: راغب اصفہانی
(17) تفسیر ابن عاشور: ابن عاشور
(18) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(19) تدبر قرآن: امین اصلاحی
(20) الکوثر: محسن علی
(21) الجامع لاحکام: قرطبی
(22) الھدیٰ: محمد جواد
(23) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی ایک جماعت
(24) کتاب الھدیٰ: محمد جواد بلاغی بحوالہ الکوثر
(25) دائرۃ المعارف الاسلامیہ
(26) تاج العروس: زبیدی
(27) تفسیر قرطبی: قرطبی
(28) تفسیر قرطبی: قرطبی
(29) معالم التنزیل: بغوی ایضاً المحرر الوجیز
(30) الکشاف: زمخشری
(31) المیزان: طباطبائی ایضاً قرطبی ایضاً قاموس ایضاً قرماج ایضاً الکوثر
(32) الکوثر: محسن
(33) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(34) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(35) روح المعانی: آلوسی ایضاً خازن
(36) روح المعانی: آلوسی
(37) تفسیر مظہری: پانی پتی
(38) روح المعانی: آلوسی
(39) المحکمات فی القرآن: عبد السبحان کھلابٹی
(40) البحر المحیط: اندلسی ایضاً آلوسی
(41) الجامع: قرطبی ایضاً آلوسی ایضاً نجم التفاسیر
(42) تاج العروس: زبیدی حنفی
(43) لسان العرب: ابن منظور
(44) القرآن: سورۂ کہف: 82
(45) القرآن سورۂ یوسف: 100
(46) التحقیق فی کلمات القرآن: مصطفوی ایضاً ابن فارس
(47) سورۃ النسا: 59
(48) درمنثور: جلال الدین سیوطی
(49) درمنثور: جلال الدین سیوطی
(50) درمنثور: جلال الدین سیوطی
(51) تفسیر مظہری: پانی پتی
(52) تفسیر بغوی: بغوی
(53) معالم التنزیل: بغوی
(54) نہج البلاغہ: خطبہ 90
(55) روح المعانی: آلوسی
(56) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(57) نہج البلاغہ: خطبات
(58) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی
(59) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(60) تفسیر صاوی: علامہ صاوی ایضاً روح المعانی ایضاً نمونہ ایضاً طبرسی
(61) فی ظلال القرآن: سید قطب ایضاً نجوم الفرقان ایضاً روح ایضاً قرطبی
(62) درمنثور: جلال الدین سیوطی

(63) درمنثور: جلال الدین سیوطی

(64) درمنثور: جلال الدین سیوطی

(65) تفسیر مظہری: ثناء اللہ پانی پتی

(66) درمنثور: سیوطی

(67) المفردات: راغب ایضاً تاج ایضاً مصطفوی ایضاً لسان العرب ایضاً ابن فارس

(68) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(69) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی

(70) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(71) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً تفسیر زجاج

(72) تفسیر کبیر: رازی

(73) البحر المحیط: اندلسی ایضاً ابن کثیر

(74) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی

(75) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً لغات القرآن ایضاً قرطبی

(76) المفردات: راغب اصفہانی

(77) القرآن الحکیم: سورۂ ابراہیم

(78) تفسیر طبری: ابن جریر ایضاً تفسیر صابونی ایضاً قرطبی ایضاً ابن کثیر ایضاً مظہری ایضاً ابن عاشور ایضاً اسباب النزول نیشاپوری

(79) تفسیر خازن: علامہ خازن

(80) تفسیر خازن: علامہ خازن

(81) شرح جلالین: صاوی

(82) تفسیر کبیر: فخر رازی

(83) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً رازی

(84) سورۂ نمل آیت: 24

(85) سورۂ کہف آیت: 07

(86) جلالین: سیوطی

(87) المفردات: راغب اصفہانی

(88) تفسیر کبیر: فخر رازی

(89) جامع البیان: محمد حسین مخدوم ایضاً نجوم ایضاً روح

(90) الجامع لاحکام: قرطبی

(91) فی ظلال القرآن: سید قطب

(92) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(93) تفسیر کبیر: فخر رازی

(94) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی

(95) جلالین: جلال الدین سیوطی

(96) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(97) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی

(98) تفسیر مواہب الرحمٰن: سید امیر ایضاً احیا العلوم: غزالی ایضاً جامع العلوم ایضاً تصوف: دائرۃ المعارف

(99) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی

(100) تفسیر زجاج: زجاج

(101) تاج العروس: زبیدی حنفی

(102) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(103) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً بغوی ایضاً نجوم ایضاً گلدستہ ایضاً مواہب ایضاً حاشیہ طبری

(104) تفسیر القرآن: خازن

(105) تفسیر کبیر: رازی

(106) مجمع البیان: طبرسی

(107) تفسیر بغوی: بغوی

(108) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی

(109) روح المعانی: آلوسی ایضاً رازی ایضاً در المصون ایضاً فراغوی ایضاً ابن عاشور

(110) حاشیہ بیضاوی: شیخ زادہ

(111) کمالین حاشیہ جلالین: مولوی کمال الدین

(112) تفسیر صابونی: صابونی ایضاً ابن کثیر

(113) روح المعانی: آلوسی ایضاً نہج البلاغہ

(114) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی ایک جماعت

(115) تفسیر کبیر: رازی ایضاً آلوسی ایضاً اسماعیل حقی ایضاً قرطبی

(116) فی ظلال القرآن: سید قطب

(117) جامع البیان: ابن جریر طبری

(118) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(119) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی ایضاً در المنثور

(120) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(121) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(122) جامع البیان: ابن جریر طبری ایضاً وھبہ ایضاً ابن عاشور ایضاً روح ایضاً رازی ایضاً مظہری

(123) روح البیان: اسماعیل حقی

(124) تفسیر کبیر: فخر رازی

(125) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی

(126) معالم التنزیل: بغوی

(127) روح المعانی: آلوسی ایضاً خازن

(128) المحرر الوجیز: ابن عطیہ

(129) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی

(130) فی ظلال القرآن: سید قطب

(131) درالمنثور: جلال الدین سیوطی

(132) درالمنثور: سیوطی

(133) تفسیر خازن: خازن

(134) روح المعانی: آلوسی

(135) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(136) روح المعانی: آلوسی ایضاً مظہری ایضاً ابن کثیر ایضاً جامع البیان

(137) الجامع لاحکام: قرطبی ایضاً بغوی ایضاً کمالین

(138) اسباب النزول: واحدی ایضاً قرطبی ایضاً روح

(139) تفسیر مظہری: پانی پتی

(140) تفسیر ابی السعود

(141) تفسیر کبیر: رازی

(142) روح المعانی: آلوسی

(143) روح المعانی: آلوسی

(144) روح البیان: اسماعیل حقی

(145) المفردات: راغب اصفہانی

(146) تاج العروس: زبیدی حنفی

(147) لسان العرب: ابن منظور

(148) القرآن: سورۂ محمد

(149) المفردات: راغب

(150) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(151) احکام القرآن: جصاص رازی

(152) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(153) فی ظلال القرآن: سید قطب

(154) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی ایک جماعت

(155) کفالت پر تحقیق ان کتب سے کی گئی: المفردات، تاج، لسان العرب، محیط، التحقیق وقاموس

(156) روح المعانی: آلوسی

(157) تاج العروس ایضاً راغب ایضاً محیط ایضاً لسان العرب

(158) روح المعانی: آلوسی

(159) مرقات شرح مشکوۃ باب المساجد

(160) تاج العروس: زبیدی

(161) روح المعانی: آلوسی ایضاً اسماعیل حقی

(162) روح المعانی: آلوسی ایضاً مظہری ایضاً روح البیان ایضاً قرطبی

(163) تفسیر ابن جریر: طبری ایضاً المنار: سید رضا مصری

(164) تفسیر القرآن: صابونی، ابن الکثیر ایضاً روح البیان، مسند ابی یعلیٰ

(165) انوار التنزیل: بیضاوی ایضاً شیخ زادہ

(166) الجامع البیان: ابن جریر طبری ایضاً قرطبی ایضاً ابوسعود ایضاً رازی ایضاً ابن عاشور

(167) معالم التنزیل: بغوی ایضاً تفسیرات حسن ایضاً تفسیر سدی

(168) تاج: زبیدی حنفی

(169) المفرادت: راغب

(170) لسان: ابن منظور

(171) تفسیر معالم: بغوی

(172) محیط: تاج، لسان وغیرہ

(173) المفردات: راغب

(174) تاج العروس: زبیدی حنفی

(175) تفسیر نمونہ ایضاً بغوی

(176) معالم التنزیل: بغوی

(177) الجامع لاحکام: قرطبی

(178) زاد المسیر: ابن جوزی

(179) تفسیر قرطبی: قرطبی ایضاً الیسر التفاسیر الجزائری

(180) الیسر التفاسیر: ابوبکر الجزائری

(181) تفسیر ماجدی: عبدالماجد دریا آبادی
(182) القرآن: سورۂ کہف آیت:109
(183) تفسیر مراغی: مصطفیٰ مراغی
(184) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی ایضاً تفسیر کبیر ایضاً ابن عاشور ایضاً آلوسی ایضاً اسماعیل حقی ایضاً خازن
(185) روح المعانی: آلوسی
(186) تفسیر کبیر: فخر رازی
(187) سراج منیر: خطیب شربینی ایضاً معالم التنزیل وحاشیہ جلالین
(188) روح المعانی: آلوسی
(189) تفسیر کبیر: رازی ایضاً آلوسی
(190) روح المعانی: آلوسی
(191) تفسیر ابی السعود: ابوالسعود
(192) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(193) روح البیان: اسماعیل حقی
(194) نجوم الفرقان: عبدالرزاق بھترالوی
(195) روح المعانی: آلوسی
(196) اسماعیل حقی
(197) روح البیان: اسماعیل حقی
(198) درمنثور: جلال الدین سیوطی
(199) مطالب الفرقان: پرویز
(200) المنار: رشید رضا
(201) تفسیر کبیر: فخر رازی
(202) تفسیر کبیر: فخر رازی
(203) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی، آلوسی ایضاً روح البیان
(204) تفسیر زجاج: زجاج ایضاً رازی
(205) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی ایضاً تفسیر مقاتل ایضاً تاویل مشکل القرآن
(206) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی ایضاً تفسیر طبری
(207) تفسیرات حسن بصری: مولوی شیر علی اکوڑہ خٹک ایضاً حاشیہ اکلیل
(208) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً لسان العرب ایضاً نمونہ
(209) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی جماعت
(210) مجمع البیان: طبرسی
(211) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(212) تفسیر قفال: قفال
(213) مطالب الفرقان: پرویز ایضاً نمونہ ایضاً رازی
(214) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(215) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(216) تاج العروس: زبیدی حنفی
(217) تاج العروس: زبیدی حنفی
(218) لسان العرب: ابن منظور
(219) تاج العروس: زبیدی حنفی
(220) المفردات: راغب اصفہانی
(221) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(222) تاج: زبیدی حنفی
(223) کنزالایمان: اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی
(224) تاج العروس: زبیدی حنفی
(225) الدر المصون: سمین حلبی ایضاً تفسیر ثعلبی ایضاً زجاج
(226) فضل الخطاب: علی نقی
(227) تہذیب اللغہ:.....
(228) القرآن: سورۂ انعام آیت:60
(229) القرآن: سورۂ نسا آیت:157
(230) القرآن: سورۂ نسا آیت:157
(231) القرآن: سورۂ نسا آیت:159
(232) تفسیر قرطبی: قرطبی ایضاً رازی ایضاً آلوسی ایضاً زجاج ایضاً مقاتل ایضاً طبری ایضاً وھبہ ایضاً واحد ایضاً ابن کثیر وغیرہم
(233) تفسیر بغوی: فراء بغوی ایضاً خازن ایضاً مظہری ایضاً رازی ایضاً حقی
(234) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(235) فی ظلال القرآن: سید قطب
(236) المفرادات: راغب
(237) تاج: زبیدی حنفی
(238) تاج: زبیدی ایضاً آلوسی
(239) تفسیر صاوی حاشیہ جلالین: صاوی ایضاً مدارک ایضاً قرطبی ایضاً خازن
(240) تفسیر القرآن: ابن کثیر بحوالہ بیہقی ایضاً جامع البیان

(241) گلدستہ تفاسیر: عبدالقیوم
(242) تاج العروس: زبیدی ایضاً التحقیق ایضاً نجوم ایضاً الامثال
(243) المفردات: راغب اصفہانی
(244) المفردات: راغب اصفہانی
(245) لغات القرآن: پرویز
(246) معالم التنزیل: بغوی
(247) روح المعانی: آلوسی ایضاً فخر رازی ایضاً بحتر الوی
(248) درالمنثور: جلال الدین سیوطی
(249) تفسیر القرآن: فراحوی
(250) تفسیر مظہری: ثناء اللہ پانی پتی ایضاً خطیب ایضاً الامثال
(251) تفسیر قرطبی: قرطبی
(252) روح المعانی: آلوسی
(253) تفسیر کبیر: رازی
(254) روح المعانی: آلوسی
(255) تفسیر مظہری: پانی پتی
(256) تفسیر صابونی: صابونی ایضاً روح البیان
(257) روح البیان: اسماعیل حقی
(258) مدارک التنزیل: علامہ نسفی
(259) تفسیر کبیر: فخر رازی ایضاً کمالین ایضاً نمونہ
(260) روح المعانی: آلوسی ایضاً جلالین ایضاً صاوی ایضاً نجوم القرآن
(261) تفسیر صابونی: صابونی
(262) تفسیر کبیر: فخر رازی
(263) تفسیر کبیر: فخر رازی
(264) فی ظلال القرآن اردو ترجمہ: معروف شیرازی
(265) التفسیر البسیط: واحدی ایضاً روح البیان ایضاً آلوسی ایضاً رازی ایضاً مظہری
(266) تفسیر کبیر: رازی
(267) الجامع لاحکام: قرطبی
(268) الجامع لاحکام: قرطبی
(269) ام الکتاب: ابوکلام آزاد صفحہ نمبر 52 مطبوعہ دہلی
(270) فی ظلال القرآن: سید قطب
(271) الیسر التفاسیر: ابوبکر جابر الجزائری
(272) تاج العروس: حنفی
(273) المفردات: راغب
(274) ضیاء القرآن: پیر کرم شاہ
(275) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(276) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(277) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(278) سنن ابن ماجہ، باب ذباب الامانہ حدیث نمبر 4043
(279) احیاء العلوم: غزالی باب ایفائے عہد
(280) الجامع لاحکام: قرطبی
(281) الجامع البیان: طبری
(282) صحیح بخاری حدیث: 2239
(283) التحریر: ابن عاشور
(284) لسان العرب: ابن منظور ایضاً المفردات ایضاً تاج
(285) تفسیر ابن عاشور
(286) المحرر الوجیز: ابن عطیہ ایضاً روح المعانی ایضاً التحریر
(287) لباب النقول ایضاً خازن ایضاً نمونہ
(288) خازن ایضاً خزائن العرفان
(289) روح المعانی: آلوسی ایضاً کمالین ایضاً لباب ایضاً شیخ زادہ ایضاً اسماعیل
(290) المفردات: راغب
(291) المفردات: راغب
(292) مجمع البیان: طبری
(293) تفسیر القرآن: نیشاپوری
(294) التحریر: ابن عاشور
(295) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(296) روح المعانی: آلوسی ایضاً خازن
(297) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان بدایونی
(298) کشاف: زمخشری
(299) تفسیر کبیر: فخر رازی
(300) التفسیر المنیر: وھبہ ایضاً آلوسی ایضاً اسماعیل حقی ایضاً ابن عاشور ایضاً ابن کثیر ایضاً قرطبی ایضاً رازی
(301) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(302) درمنثور: جلال الدین سیوطی ایضاً تفسیر کبیر ایضاً آلوسی ایضاً

(303) کمالین حاشیہ جلالین بحوالہ سیوطی

(304) تفسیر کبیر: رازی ایضاً خازن ایضاً آلوسی ایضاً خزائن ایضاً تفسیر نعیمی

(305) تفسیر ابن عاشور: ابن عاشور ایضاً آلوسی ایضاً وھبہ زحیلی ایضاً۔۔۔۔۔۔

(306) روح البیان: اسماعیل حقی

(307) الکنز الثمین: محمد بن صالح العثیمین

(308) روح البیان: اسماعیل حقی

(309) الجامع الصحیح للبخاری حدیث نمبر 2658 و مسلم: 998

(310) الکنز الثمین: محمد بن صالح

(311) روح البیان: اسماعیل حقی

(312) تفسیرات قشیری: امام قشیری ایضاً رسالہ قشریہ ایضاً روح البیان

(313) سنن ابی داؤد حدیث نمبر 1678 ایضاً جامع ترمذی حدیث نمبر 3675

(314) کتاب پیدائش: 3:9

(315) تفسیر مدارک التنزیل: نسفی

(316) انوار التنزیل: بیضاوی

(317) احکام القرآن: جصاص رازی

(318) تفسیری ماجدی: عبدالماجد دریا آبادی

(319) انوار التنزیل: بیضاوی ایضاً کشاف

(320) تفسیر خازن: علامہ خازن

(321) مدارک التنزیل: نسفی

(322) روح البیان: اسماعیل حقی

(323) روح المعانی: آلوسی

(324) روح البیان: اسماعیل حقی

(325) درالمنثور: جلال الدین سیوطی

(326) تاج العروس: زبیدی حنفی

(327) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی

(328) درالمنثور: جلال الدین سیوطی

(329) درالمنثور: جلال الدین سیوطی

(330) درالمنثور: جلال الدین سیوطی

(331) تفسیر قرطبی: قرطبی

(332) درالمنثور: جلال الدین سیوطی

(333) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(334) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی

(335) انوار التنزیل: بیضاوی ایضاً شیخ زادہ ایضاً تفسیرات کوراہی

(336) انوار التنزیل: بیضاوی ایضاً مجمع البیان ایضاً کبیر

(337) مجمع البیان: طبرسی

(338) التفسیر البسیط: واحدی ایضاً الشامل ایضاً علامہ مدرس

(339) مفاتیح الغیب: فخر الدین رازی

(340) مواہب الرحمن: عبدالکریم محمد المدرس

(341) تفسیر کبیر: رازی ایضاً قرطبی ایضاً اسماعیل حقی ایضاً آلوسی ابن عاشور ایضاً مدرس ایضاً نمونہ ایضاً وھبہ ایضاً مواہب الرحمن

(342) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی

(343) تفسیر القرآن: علامہ خازن

(344) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(345) حاشیہ بیضاوی: شیخ زادہ ایضاً ابن عاشور ایضاً طبری ایضاً کوراہی ایضاً تفسیر نور ایضاً صافی ایضاً مدرس ایضاً الجامع

(346) روح المعانی: آلوسی

(347) درالمنثور: جلال الدین سیوطی

(348) درالمنثور: جلال الدین سیوطی

(349) تفسیر القرآن: صابونی

(350) تاج العروس: زبیدی حنفی

(351) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی

(352) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی

(353) المفردات: راغب ایضاً لسان العرب

(354) تاج العروس: زبیدی حنفی

(355) لسان: ابن منظور ایضاً قرطبی ایضاً التحقیق

(356) روح المعانی: آلوسی

(357) الجامع لاحکام: قرطبی ایضاً رازی

(358) روح المعانی: آلوسی ایضاً نجوم الفرقان

(359) زاد المسیر: ابن جوزی ایضاً آلوسی ایضاً رازی

(360) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(361) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(362) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(363) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(364) کنز الثمین: محمد بن صالح
(365) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(366) الجامع: قرطبی ورازی
(367) کنز الثمین: محمد بن صالح
(368) معانی القرآن: زجاج
(369) حاشیہ بیضاوی: شیخ زادہ ایضاً کبیر ایضاً اعراب القرآن
(370) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(371) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(372) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(373) الجامع لاحکام: قرطبی
(374) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(375) حاشیہ بیضاوی: شیخ زادہ ایضاً اندلسی ایضاً اسماعیل حقی ایضاً رازی
(376) تفسیر کبیر: رازی ایضاً نجوم الفرقان
(377) التحقیق فی کلمات القرآن: مصطفوی
(378) تاج العروس: زبیدی حنفی
(379) لغات القرآن: پرویز
(380) المفردات: راغب اصفہانی
(381) تاج العروس: حنفی
(382) لسان العرب: علامہ ابن منظور
(383) لغات القرآن: پرویز
(384) تاج العروس: حنفی
(385) لغات القرآن: پرویز
(386) لسان العرب: ابن منظور
(387) الامثل: ناصر شیرازی
(388) تاج العروس: حنفی
(389) المفردات: راغب ایضاً مصطفوی
(390) لسان العرب: ابن منظور
(391) نظم الدرر: بقاعی
(392) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان
(393) التحریر: ابن عاشور
(394) تفسیر کبیر: رازی ایضاً آلوسی ایضاً حقی ایضاً مظہری ایضاً قرطبی ایضاً طبری
(395) التفسیر البسیط: ابوالحسن علی الواحدی
(396) روح البیان: اسماعیل حقی
(397) نجوم الفرقان: بھتر الوی
(398) تفسیر القرآن: خازن
(399) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(400) معالم التنزیل: بغوی
(401) تفسیر القرآن: خازن
(402) روح البیان: اسماعیل حقی
(403) نجوم الفرقان: بھتر الوی
(404) التفسیر الشامل: ڈاکٹر امیر عبدالعزیز
(405) حاشیہ جلالین: صاوی ایضاً آلوسی ایضاً حازن
(406) تاج العروس: زبیدی حنفی
(407) تفسیر قرطبی: قرطبی
(408) تفسیر قرطبی: قرطبی
(409) تفسیر قرطبی: قرطبی
(410) التفسیر البسیط: واحدی ایضاً قرطبی ایضاً معالم
(411) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً قرطبی ایضاً تہذیب ایضاً راغب
(412) المفردات: راغب اصفہانی
(413) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً طبری ایضاً معالم التنزیل
(414) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی ایضاً قرطبی ایضاً التفسیر البسیط ایضاً تفسیر بلاغی ایضاً التحریر وغیرہ
(415) تاریخ طبری: طبری ایضاً الکامل ایضاً البدایہ ایضاً توکلی ایضاً ضیا النبی ایضاً سیرت شبلی ایضاً تاریخ تبریزی
(416) المفردات: راغب ایضاً زبیدی حنفی ایضاً قرطبی ایضاً طبری ایضاً آلوسی ایضاً ابن منظور ایضاً لغات القرآن وغیرہ
(417) تفسیر معالم التنزیل: بغوی
(418) تفسیر القرآن: حازن
(419) حاشیہ جلالین: صاوی ایضاً نجوم الفرقان ایضاً روح البیان
(420) تفسیر القرآن: خازن

(421) معجم البلدان: یاقوت حمدی
(422) آنحضور کے نقش قدم پر: عبدالرحمن
(423) سفرنامہ ارض القرآن: سید مودودی
(424) تفسیر قرطبی: قرطبی
(425) مفہوم تفسیر قرطبی: قرطبی
(426) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(427) مفاتیح الغیب: فخرالدین رازی
(428) معالم التنزیل: بغوی ایضاً ابوحیان ایضاً سیوطی
(429) املاء مامن بہ الرحمن : ابوا البقا العکبر ی ایضاً رازی ایضاً آلوسی ایضاً اعراب القرآن وغیرھا
(430) تفسیر کبیر: فخرالدین رازی
(431) جلالین شریف
(432) حاشیہ جلالین: صاوی
(433) تفسیر کبیر: فخرالدین رازی
(434) تاج العروس: زبیدی حنفی
(435) صحیح مسلم کتاب البر والصلہ جلد دوم ایضاً قرطبی
(436) مسند احمد ایضاً بخاری ایضاً ترمذی ایضاً نساء بحوالہ روح المعانی: آلوسی ایضاً مظہری ایضاً نعیمی ایضاً نجوم
(437) تفسیر مظہری: پانی پتی ایضاً تفسیر نعیمی
(438) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان بدایونی
(439) البحر: ابوحیان
(440) انوار التنزیل: بیضاوی
(441) مدارک التنزیل: نسفی
(442) تفسیر حسنات: سید ابوالحسنات
(443) تفسیر حسنات: ابوالحسنات
(444) مدارک: نسفی
(445) التفسیر البسیط: واحدی
(446) تفسیر القرآن: خازن
(447) روح البیان: اسماعیل حقی
(448) روح البیان: اسماعیل حقی
(449) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(450) تفسیر کبیر: فخرالدین رازی
(451) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(452) روح المعانی: آلوسی
(453) انوار التنزیل: بیضاوی ایضاً حاشیہ شیخ زادہ
(454) مفاتیح الغیب: رازی
(455) تفسیر القرآن: ابوالسعو دایضاً خازن
(456) تفسیر خازن
(457) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی
(458) تفسیر مظہری: پانی پتی
(459) نجوم الفرقان: بھترالوی
(460) نجوم الفرقان: بھترالوی
(461) الجامع لاحکام: قرطبی
(462) تفسیر مظہری: پانی پتی
(463) تفسیر خازن
(464) المنجد: تاج ایضاً لسان ایضاً آلوسی ایضاً قرطبی
(465) تاج العروس: زبیدی حنفی
(466) المفردات: راغب و بیضاوی
(467) معانی القرآن: مبرّد
(468) تفسیر القرآن: خازن
(469) تفسیر مظہری: پانی پتی
(470) درالمنثور: سیوطی
(471) نجوم الفرقان: بھترالوی
(472) المحرر الوجیز: ابن عطیہ
(473) تفسیر کبیر: فخر رازی
(474) الجامع لاحکام: قرطبی ایضاً روح ایضاً الشامل
(475) انوار التنزیل : بیضاوی ایضاً تفسیر کبیر ایضاً قرطبی ایضاً وھبہ ایضاً جامع البیان
(476) روح البیان: اسماعیل حقی
(477) تفسیر خازن: خازن
(478) تفسیر خازن: خازن
(479) تاج: زبیدی ایضاً تہذیب اللغہ ایضاً لسان ایضاً واحدی

(480) المفردات: راغب اصفہانی
(481) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(482) تاج العروس: زبیدی حنفی
(483) لسان العرب: ابن منظور ایضاً قرطبی ایضاً ابن عاشور ایضاً رازی
(484) التحقیق: مصطفوی
(485) تفسیر کبیر: رازی
(486) معالم التنزیل: بغوی
(487) درالمنثور: سیوطی
(488) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً لسان العرب ایضاً التحقیق ایضاً راغب ایضاً کبیر ایضاً قرطبی ایضاً روح البیان ایضاً روح المعانی ایضاً المنجد ایضاً لغات القرآن ایضاً تہذیب ایضاً الصحاح
(489) تاج ایضاً لسان ایضاً راغب ایضاً تہذیب ایضاً آلوسی ایضاً قرطبی وغیرہ
(490) روح المعانی: آلوسی
(491) القرآن سورۃ البقرہ:82
(492) فی ظلال القرآن: سید قطب
(493) اسباب النزول سیوطی ایضاً معالم التنزیل ایضاً خازن
(494) المفردات: راغب
(495) تفسیر ماجدی: عبدالماجد دریا آبادی
(496) سیرت ابن ہشام: ابن ہشام
(497) تاریخ الاسماء ص185: سید نجیب
(498) معالم التنزیل: بغوی
(499) مجمع البیان: طبرسی ایضاً سیرت علی رضی اللہ عنہ
(500) الکشاف: زمخشری
(501) التفسیر المنیر: وھبہ
(502) روح المعانی: آلوسی
(503) روح المعانی: آلوسی ایضاً جلالین ایضاً صاوی
(504) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(505) روح البیان: اسماعیل حقی
(506) درمنثور: سیوطی
(507) تفسیر مظہری: ثناء اللہ پانی پتی ایضاً قرطبی
(508) تفسیر مظہری
(509) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(510) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(511) تاج العروس: زبیدی ایضاً قرطبی
(512) مفردات: راغب اصفہانی ایضاً قرطبی
(513) اسباب النزول: سیوطی
(514) درالمنثور: سیوطی
(515) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(516) تفسیر کبیر: رازی ایضاً قرطبی
(517) فی ظلال القرآن: سید قطب
(518) تفسیر قرطبی: قرطبی
(519) روح البیان: اسماعیل حقی
(520) تفسیر الحسنات: سیدی ابوالحسنات
(521) الجامع الصحیح البخاری کتاب الجہاد باب: غزوۂ احد
(522) تفسیر الحسنات: سید ابوالحسنات
(523) سبل والھدیٰ: علامہ شامی ایضاً طبری ایضاً حسنات ایضاً سیرت ابن ہشام
(524) تفسیر مظہری: پانی پتی
(525) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(526) معالم التنزیل: بغوی ایضاً روح البیان
(527) تاج العروس: زبیدی حنفی
(528) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(529) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(530) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(531) روح البیان: اسماعیل حقی
(532) روح البیان: اسماعیل حقی
(533) تفسیر المنار: رشید رضا
(534) فی ظلال القرآن: سید قطب
(535) فی ظلال القرآن: سید قطب ایضاً شیخ زادہ ایضاً عرائس
(536) المفردات: راغب اصفہانی
(537) فی ظلال القرآن: سید قطب
(538) تفسیر کبیر: فخر رازی
(539) تفسیر کبیر: فخر رازی

(540) تفسیر کبیر: فخر رازی

(541) نجوم الفرقان: بھتر الوی ایضاً التفسیر البسیط ایضاً فصل الخطاب

(542) فصل الخطاب: شیرازی

(543) صحیح مسلم کتاب البر والصلہ

(544) سیرت النبی: شبلی نعمانی ص:512، جلد:2

(545) سیرت النبی: شبلی نعمانی ص:511

(546) جامع ترمذی ابواب الزہد نیز سبل الھدیٰ

(547) تاج العروس: زبیدی

(548) المفردات: راغب

(549) لسان العرب: ابن منظور

(550) التحقیق: مصطفوی

(551) تاج العروس: زبیدی حنفی

(552) تفسیر المنار: رشید رضا مرحوم ایضاً راغب ایضاً رازی ایضاً قرطبی وغیرہ اختصاراً

(553) سبل الھدیٰ جلد نمبر 7 صفحہ نمبر 23 ایضاً ضیاء النبی

(554) التفسیر البسیط: واحدی

(555) تفسیر حسنات: سیدی ابوالحسنات

(556) مواہب الرحمان: سید امیر

(557) تفسیر حسنات: ابوالحسنات

(558) تاج العروس: زبیدی حنفی

(559) لسان العرب: ابن منظور ایضاً راغب ایضاً قرطبی

(560) تفسیر کبیر: رازی

(561) تفسیر کبیر: رازی

(562) تفسیر کبیر: رازی

(563) تفسیر کبیر: رازی

(564) نجوم الفرقان: بھتر الوی

(565) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً صابونی

(566) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً صابونی

(567) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(568) تفسیر خازن

(569) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(470) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(471) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان نعیمی

(572) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان نعیمی

(573) تفسیر المنار: رشید رضا مصری

(574) اس مقالہ کی تیاری میں یہ کتب پڑھی گئیں: تفسیر کبیر، تفسیر بیضاوی، تفسیر ابن عاشور، تاج العروس، المفردات، لسان العرب، تفسیر نعیمی، آلوسی، روح البیان، معانی اور المنار وغیرہ

(575) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(576) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(577) المحرر الوجیز: ابن عطیہ ایضاً قرطبی

(578) تاج العروس: زبیدی حنفی

(579) تفسیر کبیر: رازی ایضاً لسان العرب ایضاً المفردات

(580) حاشیہ جلالین صاوی ایضاً روح المعانی ایضاً آلوسی ایضاً و روح البیان اسماعیل حقی ورازی

(581) تفسیر خازن

(582) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(583) روالمعانی: آلوسی

(584) انوار التنزیل: بیضاوی ایضاً شیخ زادہ ایضاً ابن زائدہ

(585) تفسیر مظہری بحوالہ مصنف عبدالرزاق: ثنا اللہ پانی پتی

(586) تفسیر مظہری: پانی پتی

(587) تفسیر کبیر: رازی

(588) التفسیر البسیط: واحدی ایضاً نجوم ایضاً نعیمی ایضاً رازی

(589) تفسیر کبیر: رازی

(590) تفسیر القران: پانی پتی

(591) تفسیر مظہری: پانی پتی

(592) الجامع لاحکام: قرطبی

(593) تفسیر کبیر: رازی

(594) التفسیر المنیر: وھبی ایضاً رازی ایضاً روح ایضاً ابن عاشور

(595) تفسیر حسنات: سید ابوالحسنات

(596) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی ایضاً سید ابوالحسنات، حاشیہ جلالین

(597) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(598) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً ابن عاشور ایضاً سید ابوالحسنات ایضاً حاشیہ جلالین ایضاً رازی

(599) فی ظلال القرآن: سید قطب ایضاً رشید رضا وغیرھم

(600) تفسیر القرآن: جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(601) معالم التنزیل: بغوی

(602) درالمنثور: سیوطی ایضاً طبری ایضاً زاد المسیر

(603) تفسیر کبیر: رازی

(604) تفسیر حسنات: ابوالحسنات قادری

(605) روح المعانی: آلوسی ایضاً خازن

(606) تفسیر طبری: ابن جریر طبری ایضاً روح المعانی ایضاً بقلی

(607) عرائس البیان: بقلی

(608) کشف الخفا: عجلونی ایضاً الترغیب ایضاً بقلی

(609) تاج العروس: زبیدی حنفی

(610) المفردات: راغب اصفہانی

(611) القرآن: سورت محمد آیت: 38

(612) لسان العرب: ابن منظور ایضاً تاج

(613) الجامع الصحیح: محمد بن اسماعیل بخاری کتاب الزکوٰۃ

(614) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان

(615) جامع ترمذی: کتاب الزکوٰۃ

(616) روح البیان: اسماعیل حقی

(617) فی ظلال القرآن: سید قطب

(618) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً املا مامن بہ الرحمٰن ایضاً ابن عاشور ایضاً روح

(619) المنار: علامہ رشید رضا

(620) تفسیر مظہری: پانی پتی

(621) تفسیر مظہری: پانی پتی

(622) تفسیر کبیر: رازی

(623) تفسیر کبیر: رازی

(624) التحریر: ابن عاشور

(625) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی ایک جماعت

(626) تفسیر مظہری: پانی پتی

(627) معالم التنزیل: بغوی

(628) فی ظلال القرآن: سید قطب

(629) تفسیر نمونہ: قلماروں کی ایک جماعت

(630) تفسیر القرآن: خازن

(631) حاشیہ جلالین: صاوی ایضاً اسماعیل حقی ایضاً خازن

(632) روح المعانی: آلوسی ایضاً تفسیر نعیمی

(633) تفسیر کبیر: رازی

(634) تفسیر ماجدی: عبدالماجد دریا آبادی

(635) تاج العروس: زبیدی، ایضاً کبیر، ایضاً تفسیر کبیر، ایضاً نجوم، ایضاً مواہب، ایضاً ابن عاشور

(636) تفسیر کبیر: رازی

(637) تفسیر مظہری: پانی پتی

(638) تفسیر مظہری: پانی پتی

(639) تاج العروس: زبیدی

(640) لسان العرب: ابن منظور

(641) التحریر: ابن عاشور ایضاً رازی

(642) لغات القرآن: پرویز

(643) تاج العروس: زبیدی حنفی

(644) المفردات: راغب

(645) تفسیر کبیر: رازی ایضاً آلوسی

(646) کشاف: زمخشری ایضاً واحدی

(647) تاج العروس ایضاً لسان العرب

(648) تفسیر کبیر: رازی

(649) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی ایضاً آلوسی

(650) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(651) تفسیر مظہری: پانی پتی

(652) معالم التنزیل: بغوی ایضاً مظہری، ایضاً وھبہ

(653) انوار التنزیل: بیضاوی و شیخ زادہ

(654) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(655) روح المعانی: آلوسی

(656) تفسیر نمونہ: مفسرین کی ایک جماعت

(657) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی

(658) تفسیر کبیر: رازی
(659) تفسیر مظہری: پانی پتی
(660) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(661) تفسیر مظہری: پانی پتی
(662) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(663) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(664) حاشیہ جلالین: صاوی ایضاً لغمی ایضاً قرطبی
(665) مرقاۃ جلد: ملا علی قادری
(666) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(667) روح المعانی: آلوسی
(668) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی

❁❁❁❁❁